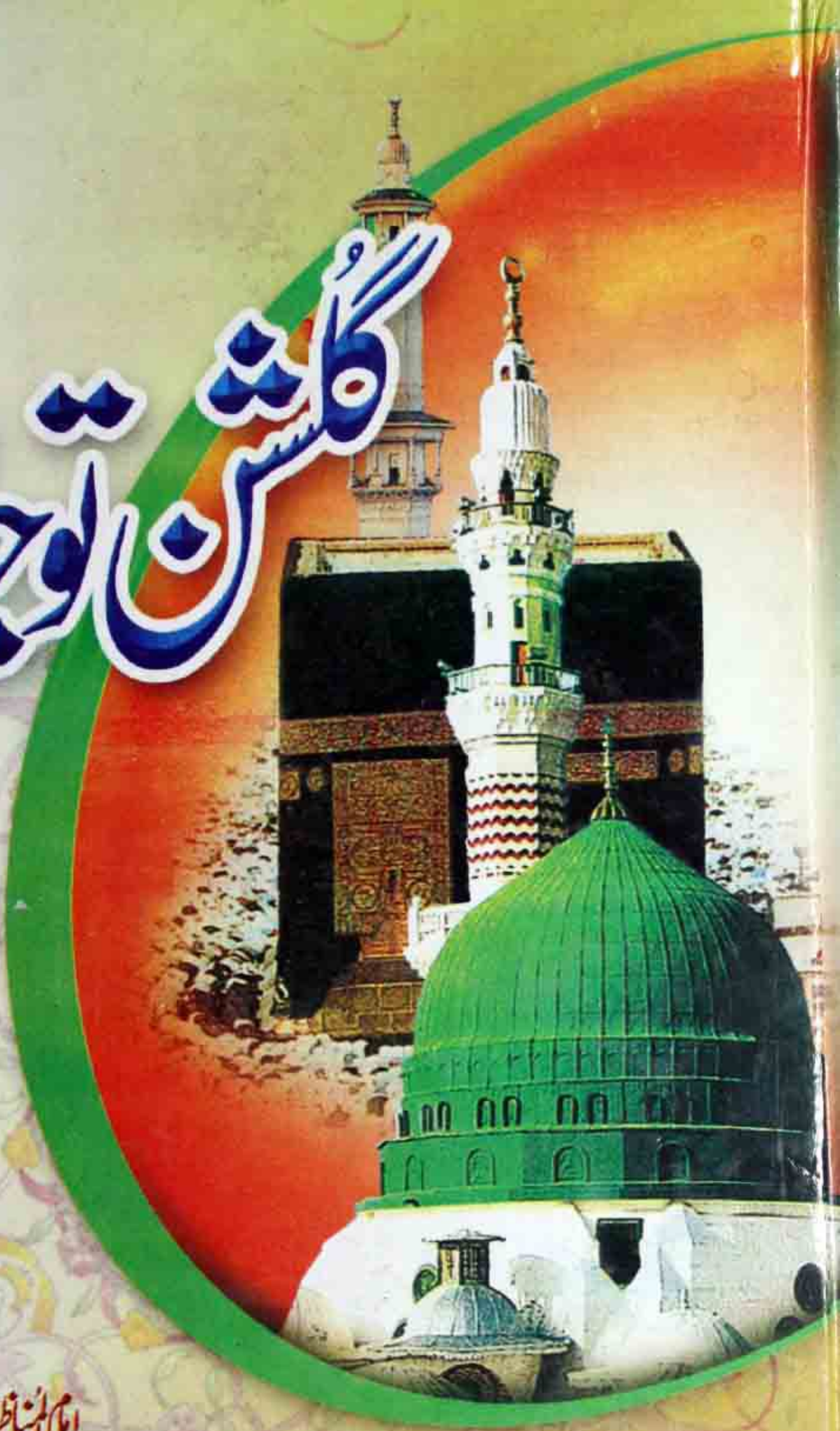


# گلشنِ احمدیہ و ملت

جلد اول



امام المناظرین شرف العلماء علامہ ابو الحسنات  
محمد اشرف سیالوی زید مجہم

ایم اے سیالکوٹی پبلیشرز دہلی ضلع جہلم





# گلدستہ ولایت نور احمد رسالت

جلد اول

بجواب  
گلدستہ ولایت

از

امام اہلناظرین شرف العلماء علامہ ابوالحسنات  
محمد اشرف سیالوی زید محمد

ناشر

اہل سنت سیالکوٹی پبلیشرز دینہ پستان



جملہ حقوق ناشر محفوظ ہیں

نام کتاب	گلشن توحید و رسالت (جلد اول)
مصنف	اشرف العلماء شیخ الحدیث علامہ محمد اشرف سیالوی
ترجمین و اہتمام	محمد ناصر الہاشمی
اشاعت بار سوم	فروری 2008ء
تعداد	1100 سو
قیمت	200 روپے

## ملنے کے پتے

- جامعہ غوثیہ مہر رہمنیر الاسلام کالج روڈ سرگودھا فون نمبر: 0451-724695
- ضیاء القرآن بلی میٹینرینج بخش روڈ لاہور فون نمبر: 042-7221953
- مکتبہ نوریہ رضویہ گلبرگ اے فیصل آباد فون نمبر: 041-626046
- فرید بک سٹال 38 اردو بازار لاہور فون نمبر: 042-7312173
- مکتبہ جمال کرم دربار مارکیٹ لاہور فون: 042-7324948
- احمد بک کارپوریشن راولپنڈی فون نمبر: 051-5558320
- مکتبہ المجاہد بھیرہ شریف فون نمبر: 048-6691763



بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

## ضرورت کتاب

سرزمین نجد میں پیدا ہونے والے شیخ محمد بن عبدالوہاب نجدی نے اسلام کے عقائد اور اعمال کی ایسی تشریح کی جو آئمہ و علماء امت سے ہٹ کر تھی۔ انہوں نے پہلی دفعہ انبیاء و اولیاء کو بتوں کی قطار میں اکٹھا کیا۔ حالانکہ کہاں خدا ساختہ انبیاء و اولیاء اور کہاں خود ساختہ بتوں کو اللہ تعالیٰ نے شفیع نہیں بنایا مگر اپنے دو بتوں کو درجہ شفاعت عطا فرمایا ہے خصوصاً سرور دو عالم کو مقام محمود (مقام شفاعت) عطا فرمایا ہے ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

عسیٰ ان یبعتک ربک مقاماً محموداً یقیناً آپ کو آپ کا رب مقام محمود عطا فرمائے گا۔ (سورہ الاسرا) بتوں کو اس نے کوئی طاقت و تصرف عطا نہیں کیا مگر اپنے مقربین کو حسب درجہ تصرف و قوت عطا فرمائی ہے۔ قرآن مجید میں اپنے ایک ولی کی شان بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے اپنے درباریوں سے کہا کہ بلقیس کا تخت اداؤ ایک جن نے عرض کیا میں مجلس برخواست ہونے سے پہلے لاتا ہوں۔ فرمایا اس سے پہلے چاہئے۔

قال الذی عنده علم من الكتاب انا اتیک اُس نے کہا جس کے پاس کتاب کا علم تھا میں بہ قبل ان یرتد الیک طرفک۔ اے آپ کے آنکھ جھپکنے سے پہلے لاتا ہوں (سورہ نمل) بلکہ بخاری کی حدیث قدسی میں ہے کہ جب بندہ میرا قرب پاتا ہے تو اُس کی توانائیاں اپنی نہیں رہ جاتیں بلکہ وہ اللہ تعالیٰ کی توانائی کا مظہر ہو جاتی ہیں۔ پھر وہ اُس کی دی ہوئی خصوصی طاقت سے سننا دیکھنا چلتا اور سوچتا ہے۔ کیا یہ مقام سنی بت کا ہو سکتا ہے۔؟ پھر کسی بت کے بارے میں تعریفی کلمہ کہنا کفر ہے۔ مگر انبیاء و اولیاء کی شان کا بیان ایمان ہے۔ بت دوزخ کا ایندھن بنیں گے۔ مگر اللہ کے دو بتوں کی شفاعت سے ہم جیسے گناہ گار جنت پائیں گے۔ بتوں کی راہ ہی کوئی نہیں۔ حالانکہ انبیاء و اولیاء کی راہ پانے کی ہم ہر وقت دعا کرتے ہیں۔ اگر بت اور صلحاء ایک ہی ہوتے تو اُن کی راہ اپنانے کی دعا لفرقرار پاتی۔ بت ذلیل ہیں اور خدا کے انبیاء و اولیاء عزیز اور صاحب عزت ہیں۔ حضور سرور دو عالم نے سچ فرمایا کہ نجد کی سرزمین سے شیطان کا سینگ پیدا ہوگا اور فتنہ کا سبب بنے گا۔ اُس وقت کے علماء اہلسنت کا متفقہ فتویٰ تھا کہ اس ارشاد نبوی کا مصداق یہی محمد بن عبدالوہاب نجدی ہے جس نے غلط تشریحات کے ذریعے اسلام میں افتراق اور انتشار پیدا کیا۔ پھر ہندوستان میں کچھ لوگ اس کی تعلیمات سے متاثر ہو گئے۔ مثلاً شیخ اسماعیل دہلوی انہوں نے اس کی تعلیمات کو اُردو میں ڈھال دیا۔ جس سے یہاں فساد برپا ہو گیا۔ اس نجدی تحریک سے متاثر ہو کر مولانا سرفراز صفدر لکھنوی نے گلدستہ توحید کے نام سے



کتاب لکھی جس میں اللہ تعالیٰ کے مقررین انبیاء و اولیاء کے اختیارات و تصرفات کا جی بھر کر انکار کیا اور انہیں وہی درجہ دیا جو کسی بھی خود ساختہ بُت کا ہوتا ہے۔ ضرورت تھی اس بات کی کہ کوئی صاحب علم و فضل ان مغالطہ آمیز تحریروں کا پوسٹ مارٹم کر کے اُمت کے لئے کتاب و سنت کی صحیح راہ متعین کرتا۔ تاکہ خود ساختہ اور خدا ساختہ تصورات میں فرق کیا جاسکے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے لئے استاذ العلماء امام العصر علامہ محمد اشرف سیالوی مدظلہ کو توفیق دی کیونکہ جہاں وہ کتاب و سنت اور عقائد اہل سنت سے خوب آگاہ ہے۔ وہاں وہ نجدیت کی جڑوں سے خوب واقف ہیں۔ بحمد اللہ کتاب گلشن توحید و رسالت کے ذریعے انہوں نے عقائد اسلام کو واضح کر دیا ہے۔ کہ یہ منصف کو دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی نظر آئے گا۔ اس موضوع سے دلچسپی رکھنے والے ہر شخص سے ہماری درخواست ہے کہ ایک دفعہ اس کتاب کا مطالعہ ضرور کریں تاکہ رائے قائم کرنا آسان ہو جن لوگوں نے سماع موتی پر آپ کی کتاب جلاء الصدور کا مطالعہ کیا ہے وہ از خود محسوس کریں گے کہ اللہ تعالیٰ نے مصنف و موصوف کو کتاب و سنت کی تعلیمات پر کس قدر گہرائی عطا فرمائی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ دونوں کتب اپنے اپنے موضوعات پر حرف آخر قرار پائیں گی۔ ان سے بڑھ کر اس دور میں شاید ہی کوئی تحقیق پیش کی جاسکے۔ اس لئے اہلسنت پر آپ کا یہ عظیم احسان بھی ہے۔

ہماری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ استاذ العلماء کی اس سعی جمیلہ کو قبول فرمائے اور امت مسلمہ کے لئے اسے نافع اور مفید بنائے تاکہ غلط نظریات کا قلع قمع ہو اور ہر دل میں اللہ تعالیٰ اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اس کے اولیاء کا احترام و اکرام پیدا ہو جائے اور آپ کا سایہ تادیر امت مسلمہ پر قائم رہے۔

اللہ تعالیٰ الحاج ملک عبدالمجید صاحب کو بھی جزائے خیر عطا فرمائے۔ جو اس کتاب کی طباعت کا انتظام کر کے لوگوں تک پہنچانے کا سبب بنے۔

محتاج دعا

محمد خان قادری

خادم کاروان اسلام

۷ ربیع الاول ۱۴۲۱ھ بروز جمعرات



# فہرست مضامین

- ۲۱ سخنائے گفتنی
- ۲۹ پیش لفظ
- ۵۱ مقدمہ
- بعثتِ رسول اللہ تعالیٰ کی عظیم نعمت ہے اور اس کا شکر ادا کرنا لازم ہے،
- ۵۲ عبدیت و بندگی کا تقاضا۔
- ۵۴ بعض وارثان لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰہُ کا کردار اور غلط سوچ۔
- ۵۸ دورِ جدید کے موحدین کی بیباکی و جسارت۔
- ۶۴ ضرورتِ نبوت و رسالت اور اتباعِ رسول کی اہمیت و افادیت
- ۷۳ بارگاہِ رسالت کے ادب و احترام کا وجوب و لزوم۔
- ۷۵ گلدستہ توحید :
- کفار و مشرکین کی مخالفت کا حقیقی سبب کیا تھا؟
- ۷۸ گلشن توحید رسالت :
- تکذیبِ آیات تکذیبِ نبوت ہے اور تکذیبِ نبوت  
تکذیبِ الوہیت ہے۔
- قول باری تعالیٰ "انہم لایکذوبونک" الایۃ کا حقیقی مفہوم و معنی  
لہ علیہم السلام۔



کیا کفار و مشرکین کو رسالت مآب علیہ السلام کی ذات سے عناد نہیں تھا؟ ۸۴

کیا کفار و مشرکین کو صرف توحید سے عناد تھا؟ ۸۹

کفار کے معاندانہ اعتراضات۔ ۹۱

بادشاہ روم کے جناب ابوسفیان کیساتھ مکالمہ کے نقل کرنے میں سرفراز صاحب کی غلطی۔ ۹۶

کذب باری تعالیٰ کے امکان کے قائلین کے لیے مقام عبرت۔ ۹۹

گلدستہ توحید : ۱۰۰

توحید تو یہ ہے کہ خدا حشر میں کہہ دے

یہ بندہ دو عالم سے خفا میرے لیے ہے

جدید مشرکین قدیم مشرکین کی طرح مسئلہ توحید میں نبی علیہ السلام کے مخالف ہیں  
گلشن توحید و رسالت : ۱۰۱

اہل السنّت توحید خالص کو مانتے ہیں۔

دو عالم سے خفا ہونا منافی ایمان ہے۔

۱۰۶ علامہ سرفراز صاحب کی بے شعوری۔

کیا صرف لا الہ الا اللہ کہہ دینا فلاح و نجات کے لیے کافی ہے؟

علامہ سرفراز صاحب کا جدید اسلام۔

۱۱۲ گلدستہ توحید (باب اول) :

مشرک سب سے بڑا گناہ ہے

۱۱۴

گلشن توحید و رسالت



شُرک کی طرح انکارِ رسالت بلکہ انکارِ خاتمیت بھی  
قابلِ مغفرت نہیں۔

۱۱۷ گستاخیِ انبیاءِ علیہم السلام تمام اعمالِ صالحہ کی بربادی کی موجب ہے  
گلدستہ توحید (باب دوم، الف) :

۱۲۰ مشرک کی کوئی عبادت مقبول نہیں۔

گلشن توحید و رسالت =

۱۲۲ مشرک کی طرح منکرِ رسالت اور گستاخ کی بھی کوئی  
عبادت مقبول نہیں۔

۱۲۴ گلدستہ توحید (باب دوم، ب) :

مشرک کے لیے کسی کی دعائے مغفرت اور صدقہ و  
خیرات مفید نہیں۔

۱۲۹ گلشن توحید و رسالت =

مشرک کی طرح منکرِ رسالت بھی قابلِ مغفرت اور  
لا لائق شفاعت نہیں۔

۱۳۱ جناب ابوطالب اور آذر کی حالت سے استدلال کا رد

عبداللہ بن ابی و دیگر منافقین کیوں قابلِ مغفرت نہیں تھے؟

۱۶۴ کیا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رئیس المنافقین کو بخشوانا چاہتے تھے؟

۱۷۳ گلدستہ توحید (باب سوم و چہارم)

ترویجِ شرک کے وقت اللہ تعالیٰ نے ہر شے اور ہر ایک کے الفاظ



عموم استعمال فرمائے ہیں۔

۱۷۶

گلشن توحید و رسالت :

کیا علماء دیوبند نبوت و رسالت کے اقرار و اعتراف کو بھی شرک سمجھتے ہیں۔

ہمارا عقیدہ علماء دیوبند کے نزدیک اسلام اور شرک کا مغزوبہ کیوں ہے؟ ۱۷۸

فلاح و نجات کے لیے بارگاہ رسالت کا تو تسل ضروری ہے۔ ۱۸۳

اہل اسلام پر شرک کا فتویٰ لگانے والا خود مشرک ہے۔ ۱۸۶

(فرمان رسول علیہ السلام)

۱۸۸

گلدستہ توحید (باب پنجم) :

پنجمیوں، فرشتوں، جنات اور پیروں، مولویوں کی پرستش بھی شرک ہے۔

۱۸۸

گلشن توحید و رسالت :

شرک کی حقیقت کا بیان۔

۱۸۹

احکام شرع کی درجہ بندی کا لحاظ ضروری ہے۔

(تنبیہ نبیہ) شرک کو بت پرستی کے ساتھ تعبیر کرنے کی وجہ۔

۱۹۸

اصنام و اوثان اور اہل اللہ میں فرق کرنا لازم ہے۔

۲۰۰

گلدستہ توحید :

اگر شرک صرف بت پرستی کا نام تھا تو حضرت عیسیٰ سے

بروز قیامت سوال کیوں ہوگا؟



- ۲۰۱ گلشن توحید و رسالت :  
حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے سوال کا حقیقی سبب -
- ۲۰۳ گلدستہ توحید :  
لوگوں نے علماء و صوفیاء اور مسیح بن مریم کو رب بنایا -
- ۲۰۴ گلشن توحید و رسالت :  
محل نزاع کیا ہے ؟
- ۲۰۵ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پرستش کی حقیقت -  
اللہ تعالیٰ کے نزدیک بت پرست جاہل و نادان ہیں مگر  
علامہ سرفراز کے نزدیک عقلمند ہیں -
- ۲۰۹ ارباب من دون اللہ کی حقیقت -
- ۲۱۳ گلدستہ توحید :  
اللہ تعالیٰ نے نصرانیوں اور یہودیوں کا دعویٰ تسلیم کر لیا کہ وہ حضرت مسیح اور  
حضرت عزیر کی عبادت کرتے تھے -
- ۲۱۴ گلشن توحید و رسالت :  
علامہ سرفراز کا اللہ تعالیٰ پر بہتان و افتراء -  
عجیبہ : کیا اللہ تعالیٰ کے نزدیک دونو باہمی متنازع فریق  
سچے ہوں گے -
- ۲۱۹ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اقرار و اعتراف کی حقیقت -
- ۲۲۱ گلدستہ توحید : رسول معظم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہود و نصاریٰ  
کو چیلنج -



۲۲۲

گلشن توحید و رسالت =

علماء اہل السنّت اور علماء دیوبند کا نزاع دراصل مقبولانِ بارگاہ سے کمالات کی نفی میں ہے۔

قولِ باری تعالیٰ: وَلَا يَتَّخِذُ بَعْضُنَا بَعْضًا أَرْبَابًا مِنْ دُونِ اللَّهِ

۲۲۳

کا حقیقی مفہوم۔

صحابہ کرام علیہم الرضوان کا ادب و احترامِ بارگاہِ نبوت کے ساتھ۔ ۲۲۴

۲۲۸

گلدستہ توحید =

حضرت عمر کا قول کہ رسولِ کریم علیہ السلام فوت نہیں ہوئے توحید پر ضربِ کاری تھی۔

۲۲۹

گلشن توحید و رسالت =

سرفراز صاحب کی بارگاہِ فاروقی میں گستاخی اور بیباکی۔

۲۳۱

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے فرمان کا صحیح محل اور مفہوم۔

۲۳۵

گلدستہ توحید :

جو اللہ چاہے اور رسول چاہیں، کہنا بھی شرک ہے۔

۲۳۶

گلشن توحید و رسالت =

شرک کی موہم عبارت سے روکنا تعلیم و تربیت کے لیے ہوتا

ہے نہ کہ حقیقی شرک کا فتویٰ ہوتا ہے۔

کیا صفاتِ باری اور صفاتِ انبیاء علیہم السلام کی ذکری مقارنت

۲۳۷

موجبِ شرک ہو سکتی ہے؟



۲۴۲ گلدستہ توحید :  
انبیاء اور ملائکہ کو بھی رب بنانا شرک ہے۔

۲۴۳ گلشن توحید و رسالت :  
کیا خدا و کمالات و اختصاصات کا تسلیم کرنا رب بنانے کے مترادف ہے۔

۲۴۶ تعظیم اور عبادت میں فرق کا بیان۔

۲۴۷ علامہ سرفراز صاحب کی پیش کردہ آیت کا حقیقی مفہوم۔

۲۴۸ انبیاء اور رسل کرام علیہم السلام کی اتباع کا وجوب و لزوم۔

۲۵۲ گلدستہ توحید :  
اگر لوگ بتوں کو ہی پوجتے تھے تو ملائکہ سے باز پرس کا کیا مطلب؟

۲۵۳ گلشن توحید و رسالت :  
اگر مشرکین نے ملائکہ کو ہی پوجا تھا تو ان کا انکار کرنا جھوٹ ہوگا۔ کیا علماء دیوبند ان کو جھوٹا مان سکتے ہیں۔

۲۵۵ گلدستہ توحید :  
تعویذات پر یا جبریل، یا میکائیل وغیرہ لکھنا شرک ہے۔

گلشن توحید و رسالت :  
علامہ سرفراز صاحب کے ہم مشرب بھی ان کے مخالف۔

۲۵۷ گلدستہ توحید :  
سکلیف دور کرنے کی امید پر غیر اللہ کو پکارنا غلط ہے۔



۲۵۸ گلشن توحید و رسالت :

کیا رسل کرام علیہم السلام اور اولیاء کرام نفع دے سکتے اور تکلیف  
دور کر سکتے ہیں یا نہیں ؟

۲۶۰ علامہ سرفراز کی دلیل ہی ان کے دعوے کی مناقض ہے۔

۲۶۳ گلدستہ توحید :

غیر اللہ کی پناہ طلب کرنا اس کی عبادت ہے اور پناہ دے سکنے  
کا اعتقاد اس پر ایمان لانا ہے۔

۲۶۴ گلشن توحید و رسالت :

مقبولانِ بارگاہِ خداوندِ تعالیٰ کو مظاہرِ عینِ الہیہ سمجھنا جائز ہے۔  
مجبوبانِ خداوندِ تعالیٰ کی امداد و اعانت اور شیاطین کی امداد و  
اعانت میں فرق کرنا ضروری ہے۔

۲۶۵

۲۶۴ اہل اسلام کی نذر و نیاز کی حقیقت۔

۲۶۵

گلدستہ توحید :

خدا تعالیٰ کے نیک بندوں کو حمایتی سمجھنا بھی کفر ہے اور انکی  
عبادت ہے۔

۲۶۶

گلشن توحید و رسالت :

علامہ سرفراز کا بے بنیاد قول۔  
انبیاء کرام علیہم السلام اور اولیاء کرام علیہم الرضوان کی حمایت  
و نصرت کی حقیقت اور حقانیت۔



علامہ صاحب کی پیش کردہ آیات و احادیث کا صحیح مفہوم اور  
اصلی مقصود۔

۲۷۸

گلدستہ توحید (باب ششم) :-

۲۸۳

بیتوں کی اصل حقیقت کیا ہے؟

۲۸۴

گلشن توحید و رسالت :-

علامہ صاحب کا قرآن مجید کی آیات سے اعراض اور لغو و عری۔

۲۹۲ کیا مشرکین پتھر کے مجسموں کو نہیں پوجتے تھے؟ قرآنی شہادات کو  
نظر انداز کرنے کا کیا جواز ہے؟ انتہائی اہم اور نفیس بحث۔

تنبیہ ضروری : علماء دیوبند کے حیاتی اور مماتی گروہوں میں  
سے سچا کون ہے اور جھوٹا کون؟

۳۱۲

علامہ صاحب کی دھوکہ دہی اور فریب کاری۔

۳۱۳

اصنام و اوثان کی پرستش کا سبب موجب اور علتِ باعثہ۔  
نفیس اور اہم بحث۔

۳۲۹

علامہ سرفراز صاحب کی کتمان حقیقت کی سعیِ ناتمام۔

۳۳۲

کیا تصاویر رکھنا حرام تھا؟

۳۳۷

عبادتِ اصنام کی حقیقت اور شرک کی علت۔

ضروری تنبیہ : علامہ سرفراز صاحب کی تدلیس اور دھوکہ دہی۔

۳۳۸

علماء دیوبند کی عجیب و غریب منطق۔

۳۳۹

اصنام و اوثان پر شیاطین کا تسلط اور انسانوں کیلئے فریب دہی۔



مصنوعی شیوخ القرآن کے لیے رسولِ معظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

۳۵۳

کا فرمان حق ترجمان -

۳۵۶

گلدستہ توحید (باب ہفتم) :  
کیا مشرکین عرب خدا تعالیٰ کو نہ مانتے تھے؟

۳۵۷

گلشن توحید و رسالت :

سوال کے جواب کی بجائے سوال کی تائید و تقویت -

علامہ صاحب کے اٹھائے ہوئے سوال کا صحیح جواب اور

مشرکین کے مشرک بننے کا حقیقی موجب -

۳۶۵

گلدستہ توحید (باب ہفتم) :  
کیا مشرکین عرب نماز، روزہ، حج اور قربانی کے منکر تھے؟

۳۶۷

گلشن توحید و رسالت :

مشرکین کی طرفداری میں علامہ صاحب کا آیات قرآنیہ کی

مخالفت کرنا -

علامہ سرفراز کے پیش کردہ دلائل کی حقیقت -

علامہ سرفراز کی دھوکہ دہی اور شاہ ولی اللہ کی عبارت نقل کرنے

۳۷۹

میں خیانت اور بددیانتی -

۳۸۲

گلدستہ توحید - تصویر کا دوسرا رخ :

کیا مشرکین احکام اسلام کے انکار کی وجہ سے مشرک ٹھہرے؟

۳۸۴

گلشن توحید و رسالت



علامہ سرفراز کے نزدیک منصبِ نبوت و رسالت کی کوئی اہمیت نہیں  
مومن حضرات کیوں مومن تھے؟

۳۸۶

۳۸۸

کفار کے اعمال خیر غیر معتد بہ ہونے کی وجہ -

۳۹۱

گلدستہ توحید :

"

یہ بالکل سطحی بات ہے کہ شرک بُت پرستی کا نام ہے۔

"

گلشن توحید و رسالت :

کیا شرک بُت پرستی کا نام نہیں ہے۔ اہم مبحث -

۳۹۶

گلدستہ توحید :

یہ محض شوشہ ہے کہ مُشرک غیر اللہ میں ذاتی اختیارات مانتے تھے۔

"

گلشن توحید و رسالت :

مشرکین کے غیر اللہ میں ذاتی اختیارات ماننے کا تحقیقی جائزہ -

۳۹۹

عبادت اور اطاعت میں باہمی فرق -

۴۰۱

گلدستہ توحید :

یہ بات سراسر غلط ہے کہ مشرکین نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا احترام  
نہیں کرتے تھے۔

۴۰۲

گلشن توحید و رسالت :

معلوم نہیں علماء دیوبند کے نزدیک احترامِ انسانیت کا مفہوم  
کیا ہے!

۴۰۴

گلدستہ توحید (باب ہم) :



کیا مشرکین عرب نبوت قرآن اور قیامت کے انکار کی وجہ سے  
مشرک قرار پاتے؟

۲۰۹

گلشن توحید و رسالت :

کیا شرک کے علاوہ دیگر کفریہ عقائد قابل مواخذہ اور موجب  
عذاب نہیں؟

عجیبہ : کیا امکان رسالت مان لینا کافی ہے بالخصوص حضور

سید انبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لانا ضروری نہیں۔

۲۱۲

گلدستہ توحید (باب دہم) :

غیر اللہ کو مصیبت کے وقت پکارنا کیوں شرک ہے؟

۲۱۵

گلشن توحید و رسالت :

مؤلف کا مدبر واحد پر تمام مشرکین کے اتفاق کا دعویٰ سراسر

باطل دعویٰ ہے۔

۲۲۲

گلدستہ توحید :

اللہ کا معنی 'رف فریادرس' حاجت روا اور مشکل کشا ہے۔

۲۲۳

گلشن توحید و رسالت :

اللہ کے معنی و مفہوم میں مغالطہ آفرینی کی ناکام سعی۔

کلمہ توحید کا صحیح مفہوم اور اللہ کا حقیقی معنی۔ اہم اور نفیس بحث۔

۲۳۷

گلدستہ توحید :

مشرکین عرب کا غیر اللہ کو حاجت روا سمجھ کر پکارنا انکار شرک



ہی تھا۔

۲۳۸

گلشن توحید و رسالت :

محض غیر اللہ کی نذر و پکار شرک نہیں ہے۔

۲۳۹

اہل السنّت کے نزدیک شرک کی حقیقت۔

۲۴۰

گلدستہ توحید :

علماء دیوبند کی طرف سے پیش کردہ آیات اور ان کے وجوہ استدلال

۲۴۱

گلشن توحید و رسالت :

علامہ سرفراز کی طرف سے اصول و قواعد کی پامالی اور استدلال

میں سینہ زوری۔

مخالفتین کے نزدیک تحت الاسباب اور فوق الاسباب کی حقیقت

۲۴۲

کیا ہے؟

کیا مخالفتین کے نزدیک انبیاء و اولیاء سے استعانت اور صننام

۲۴۱

و اوثان سے استعانت میں کوئی فرق نہیں؟

برہمنوں کا اصنام اور مقبولان بارگاہ خداوند تعالیٰ کو امداد و

اعانت میں برابر ٹھہرانا۔

شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کا برہمنوں پر رد و قدح اور

بیان فرق۔

۲۴۲

شاہ عبدالعزیز رحمہ اللہ کی تحقیق پر مترتب فوائد اور ثمرات

کا بیان۔



۲۰۵ - علماء دیوبند کا منشاء غلط اور برہمنوں سے بھی بڑی کوتاہی -  
اہل اسلام کے نزدیک اولیاء اللہ اور اصنام میں فرق کی مدار  
اور بنیاد -

۲۰۶ - میت کی امداد نسبت زندہ کے قوی ہوتی ہے -

۲۰۳ - اہل قبور سے استمداد کے منکرین کون لوگ ہیں؟

۲۰۷ - اہل قبور سے علم و آگہی کی نفی و انکار الحاد اور بیدینی ہے -

۲۰۹ - مخالفین کے گھر کی شہادت نزدیک اور دُور سے اہل قبور کی  
امداد و اعانت پر -

قول باری تعالیٰ :

انَّ الَّذِينَ تَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ لَنْ يَخْلُقُوا ذَبَابًا (الایۃ)  
کی حقیقی تفسیر -

قول باری تعالیٰ :

قل ادعوا الذين زعمتم من دُونِ اللَّهِ لا يملكون  
مِثْقَالَ ذَرَّةٍ (الایۃ) کی حقیقی تفسیر -

قول باری تعالیٰ :

قل اراء ایتم ما تدعون من دون الله ان ارادني الله  
بضر هل هن كاشفات ضره (الایۃ)

کی حقیقی تفسیر -

علامہ سرفراز صاحب کی سطحیت اور عدم تدبیر -



۴۹۵

اصنام کی وجہ تانیث -

نبی مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دُعا کرانے اور شفاعت  
کرانے کا حکم -

۴۹۹

۵۰۲

منشا غلطی -

ذرا اپنی بھی خبر لیتے -

قولِ باری تعالیٰ :

وَمَنْ أَضَلُّ مِمَّن يَدْعُوا مِنْ دُونِ اللَّهِ مِنْ لَّا  
يَسْتَجِيبُ لَهُ (الایۃ) کی تحقیق و تفسیر -

قولِ باری تعالیٰ :

وَالَّذِينَ يَدْعُونَ مِنْ دُونِهِ مَا يَمْلِكُونَ مِنْ قِطْمِيرٍ (الایۃ)  
کی حقیقی تفسیر -علامہ سرفراز صاحب اپنے مشائخ کے اس نظریہ و عقیدہ کی  
توجیہ پیش کریں -

۵۱۶

۵۲۵

دُعا بمعنی عبادت و استعانت ہونا عین صواب ہے -

۵۲۶

عبادت کو دُعا کے لفظ سے تعبیر کرنے کی وجہ صحت -

"

دُعا اور استجابت کے اطلاق اور معانی مستعملہ -

۵۲۹

ما جائز استعانت اور ناروا دُعا و پکار کونسی ہے؟

اہل قبور انبیاء کرام علیہم السلام اور اولیاء عظام علیہم الرضوان کو

۵۳۲

اصنام کے مماثل سمجھنا برہمنی سوچ ہے -



استمداد و استعانت کی جائز صورتیں اور حالتِ حیات و حالتِ  
مات کے فرق کی لغویت -

۵۳۲

۵۳۳

کیا بُت پرست بھی اپنے بُتوں کو شفیع مانتے تھے؟

۵۳۴

گلدستہ توحید - شرک کے ستون -

۵۳۸

گلشن توحید و رسالت :

فوق الاسباب تحت الاسباب اور غائبانہ استمداد کی تخصیصات  
کی لغویت -

۵۳۲

علماء دیوبند کے شرکی ستونوں کی حقیقت -

۵۳۳

شرک کے متعلق ہمارا عقیدہ و نظریہ -

ایں گل و گزشتگفت - یعنی اللہ تعالیٰ دیوبندیوں کے نزدیک  
بندوں سے دُور ہے -



# سخنہائے گفتنی

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝

علامہ سرفراز صاحب نے مختلف موضوعات پر قلم اٹھایا اور اپنے اسلاف کے دفاع کی کوشش کی یا اہل سنت بریلوی حضرات کے عقائد پر اور ان کے اکابرین پر جرح و قدح اور رد و انکار کی سعی فرمائی اور سچی بات یہ ہے کہ اپنے اسلاف کی نسبت اسلوب بیان اور طرز نگارش میں سرآمد روزگار بھی ثابت ہوتے اور اس لیے انہیں اپنے ہم مسلک اور ہم شرب لوگوں میں مقبولیت تامہ بھی حاصل ہوتی۔

۱۹۶۱ء میں بندہ ابھی ابھی کتب درسیہ کی تحصیل سے فارغ ہوا ہی تھا کہ میرے کرم فرما اور محسن عظیم حضرت علامہ ابوالفتح محمد اللہ بخش صاحب علیہ رحمہ مہتمم شمس العلوم جامعہ مظفریہ رضویہ (وال بھچراں ضلع میانوالی) نے علامہ صاحب کی کسی کتاب کا رد لکھنے کی فرمائش کی اور ان کی تحریرات سے مسلک حق پر پڑنے والے بڑے اثرات کی طرف متوجہ کیا لیکن بندہ نے یہ سوچ کر کہ بڑے بڑے اکابر موجود ہیں اور بالخصوص جن حضرات کو علامہ سرفراز صاحب نے اپنا مخاطب بنانے کی سعی کی ہے وہ بھی موجود ہیں اور ان کے ہونہار فرزند ان ارجمند بھی تو بندہ کے اس میدان میں قدم رکھنے



کی چنداں ضرورت نہیں لہذا تعمیل ارشاد اور امتثالِ حکم سے قاصر رہا۔

تاہم ۱۹۹۵ء میں منکیرہ میں مولانا احمد حسن صاحب کے ہاں جلسہ پر حاضری کا موقع ملا تو انہوں نے علامہ سرفراز صاحب کا ایک رسالہ گلستہ توحید بندہ کے حوالے کیا اور کہا کہ اس کا رد ضرور بالضرور لکھا جانا چاہیے۔ بندہ نے عدیم الفرستی اور صحت کے ناقابلِ رشک ہونے کا عذر کیا لیکن مسموع نہ ہوا اور اصرارِ حد سے متجاوز ہوا تو بندہ نے تعمیلِ ارشاد اور امتثالِ امر کی حامی بھری۔ چند دن بعد دارالعلوم ضیاء شمس الاسلام میں سالانہ تعطیلات شروع ہو گئیں تو بندہ نے اس رسالہ کا جواب لکھنے کا آغاز کر دیا اور بچہ تعالیٰ دو ماہ میں "گلشن توحید و رسالت" کے نام سے مبسوط کتاب کا مسودہ تیار ہو گیا۔ لیکن پھر اسباق کا سلسلہ بھی شروع ہو گیا اور تقاریر وغیرہ کی مصروفیات بھی مزید برآں تھیں اسلئے نظر ثانی کا معاملہ التوا پذیر رہا حتیٰ کہ دوبارہ تعطیلات کا دور آ گیا اور وہ مصروفیات کم ہوئیں تو اس اہم کام کو مکمل کرنے کی ٹھانی اور لطیف مقربانِ بارگاہِ ناز کا میاں نصیب ہوئی اور یہ ہم ترین اور مبسوط کتاب "گلشن توحید و رسالت" تیار ہو گئی جس میں علامہ سرفراز صاحب کے پیش کردہ دلائل کا علمی محاسبہ کیا گیا ہے اور ان کی طرف سے کی گئی تحریفات اور مغالطہ آفرینیوں کا پول کھولا گیا ہے اور حوالوں میں قطع و برید اور ہیرا پھیری کی مکمل نشاندہی بھی کی گئی ہے اور آیات کلام مجید اور احادیثِ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ اور اسلافِ کرام کے اقوال و ارشادات سے مؤلف کے غلط افکار اور فاسد نظریات کا ابطال کیا گیا ہے اور مؤلف کا اپنے اس موقف میں بالکل قرآن و سنت اور



اکابرین اُمت کے ارشادات سے تھی دامن ہونا ثابت کیا گیا ہے کہ  
 مشرکین اصنام و اوثان کو صرف قبلہ توجہ سمجھتے تھے اور معبود و مسجود بالکل  
 نہیں سمجھتے تھے بلکہ ان کے اصل معبودات انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام اور  
 اولیاء کرام علیہم الرضوان ہی تھے۔ حتیٰ کہ آپ کو مولف موصوف کا واحد  
 سہارا یعنی حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کا دامن بھی اس کے ہاتھ  
 سے جاتا دکھائی دے گا بلکہ اپنے اکابرین دیوبند کا دامن بھی ہاتھ سے چھوٹا  
 محسوس ہوگا بلکہ عرف اور صرف اکیلے ہی اپنے توہمات اور تخیلات  
 فاسدہ کے بادپا پر سوار ہو کر ہی نعرہ لگاتے نظر آئیں گے کہ عقل تسلیم  
 نہیں کر سکتی کہ کوئی شخص بقائم ہوش و حواس مہٹی، پتھر اور لکڑی کے  
 مجسموں کو پوج سکتا ہے؟

اور یہ حقیقت محتاج بیان نہیں کہ قرآن مجید کے قطعی ارشادات  
 اور احادیث مبارکہ اور اکابرین ملت کی تصریحات کے مقابل اس انفرادی  
 سوچ اور ذاتی رائے کا کیا اعتبار ہو سکتا ہے؟ ناظرین وقارئین انشاء اللہ  
 روزِ روشن کی طرح واضح اور بین دلائل کی روشنی میں محسوس کریں گے کہ علامہ  
 سرفراز صاحب ظنون فاسدہ اور خیالاتِ کاسدہ کی سیاہ کالی رات میں  
 ٹھوکریں کھاتے پھر رہے ہیں اور روزِ روشن کے اُجالوں میں راہِ حق کو  
 دیکھنے کی سعادت سے سراسر حرمان نصیب ہیں۔

نیز علماء دیوبند کی قرآن دانی اور حدیث شریف میں مہارت کا بھانڈا  
 بھی انشاء اللہ العزیز چوراہے میں پھوٹا نظر آ جائے گا اور اہم ترین عقائد



کے اثبات کے دوران قرآن مجید کے ارشادات سے فرار بلکہ ان کی مخالفت اور مصادمت دوپہر کے اُجالے کی طرح چشم بصیرت سے ہی نہیں چشم بصر سے بھی محسوس و شہود ہوگی۔ **وَ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ عَلٰی ذٰلِکَ - ع**  
خوگر حمد سے تھوڑا سا گلہ بھی سن لے

علماء دیوبند اور نجد وغیرہ کے ساتھ اختلاف اپنی جگہ قائم ہے اور ہو سکتا ہے مدتوں تک قائم رہے اگرچہ مولوی اسماعیل دہلوی صاحب نے تقویۃ الایمان جیسی شور انگن اور اختلافات برپا کر دینے والی اور اہل سنت و الجماعت کی جمعیت اور وحدت کو پارہ پارہ کر ڈالنے والی اور ان کو نجدیوں کے نقش قدم پر چلنے پر مجبور کرنے والی کتاب لکھ کر کہا تھا کہ ”میں جانتا ہوں کہ اس میں بعض جگہ ذرا تیز الفاظ آگئے ہیں اور بعض جگہ تشدد بھی ہو گیا ہے مثلاً ان امور کو جو شرک خفی تھے شرک جلی لکھ دیا گیا ہے ان وجوہ سے مجھے اندیشہ ہے کہ اس کی اشاعت سے شورش ضرور ہوگی۔ مگر توقع ہے کہ لڑ بھر کر خود ٹھیک ہو جائیں گے۔“

(ارواح ثلاثہ اشرف علی تھانوی ص ۱۰۳-۱۰۴)

مگر دوسری صدی جا رہی ہے اور مولوی صاحب موصوف کی پیشگوئی حرف بحرف غلط ثابت ہو رہی ہے اور اختلافات و نزاعات ہیں کہ بڑھتے ہی چلے جا رہے ہیں اور مولوی صاحب کے پیروکار شب و روز اسی فکر میں ہیں کہ اس آگ کو مزید بھڑکائیں اہل سنت و الجماعت کے نظریات و عقائد اور ان کے افعال و اعمال کو بدعت اور شرک کے



فتوے لگا کر اس آتش توہب میں جلا ڈالیں بلکہ سُنیوں کا وجود ہی لوح کائنات اور تختہ ارض سے حرفِ غلط کی طرح مٹا دیں اور صفحہ ہستی سے ان کو ہمیشہ کے لیے نیست و نابود کر دیں۔

مگر دوسری طرف عوام اہل السنّت تو خوابِ غفلت میں سرگرداں تھے ہی خواص بھی سکر و مستی کی حالت میں ہیں۔ ہمارے اہلِ امر تو دینِ متین اور مذہبِ برحق کی ترویج و اشاعت سے محروم تھے ہی وہ خواص جن کا کھانا پینا، رہنا، سہنا، آرام و سکون اور عیش و عشرت اور شان و شکوہ، جا و جلال رُعب و دبدبہ اور امارت و غنا اور سیادت و قیادت اور تعظیم و تکریم صرف اور صرف اسلام کی بدولت تھی اور اللہ تعالیٰ کے بعد ان کو واجب الاحترام و التوقیر صرف اسلام کی بدولت سمجھا جاتا تھا یعنی موجودہ مشائخِ عظام اور پیرانِ کرام کہلانے والے طبقہ نے ہی بالعموم اس کو نظر انداز کیا اور اس سے مکمل بے اعتنائی اور لاپرواہی برتی الا ماشاء اللہ نہ خود اسلامی تعلیمات حاصل کیں، نہ اولادوں کو اس طرف راغب کیا اور نہ مُریدین میں ہی ایسا جذبہ پیدا کیا اور نہ ہی یہ معلوم کرنے کی کوشش کی کہ اسلامی فرقوں میں سے کونسا فرقہ حق پر ہے اور نہ یہ ضرورت محسوس کی کہ اس فرقہ کے علماء کی سرپرستی کی جائے اور ان کو ہی مطلوب ضروری تعاون مہیا کیا جائے اپنے تعلیمی اداروں کی سرپرستی کی جائے اور مسلکِ حقہ کی اشاعت و ترویج اور دفاعی کارروائیوں میں مصروف اداروں اور شخصیات کی سرپرستی کی جائے بلکہ وہ صرف اور صرف اپنی تن آسانیوں اور عیش و کوشیوں میں



مصرف ہیں اور بلا امتیاز مسلک ان کے نزدیک ہر عالم اور مولوی قابلِ نفرت ہے اور ناقابلِ برداشت بلکہ تحقیر و تذلیل اور ہتک و توہین کا سزاوار حتیٰ کہ وہ کہتے جو ان کی حویلیوں کا پرہ دیں یا شکار میں کام آئیں یا ریکھوں کے ساتھ لڑ کر ان کی تسکینِ نفس کا سامان بہم پہنچائیں ان کی بھی اپنے مذہب و مسلک کے علماء سے ہزاروں درجہ زیادہ قدر و قیمت ہے جو مذہبِ حق کی ترویج و اشاعت اور اس کی حفاظت و نگہبانی کے لیے شب و روز کوشاں ہیں اور اپنے تن من کی بازی لگا کر اعدائے دین اور بد مذہبوں کی یلغار سے قلعہ اسلام کو بچانے کی سعی مشکور میں مصروف ہیں۔ بلکہ بذاتِ خود اسلافِ کرام اور مشائخِ عظام کے اعمال و افعال اور اشغال و کردار کے برعکس عمل پیرا ہو کر وہ مذہبِ برحق کی تباہی و بربادی کا موجب بن گئے ہیں، ہر عیب اور نقص اور کمزوری و کوتاہی ان میں کامل و اکمل طریقہ پر موجود ہے اور دوسرے لوگ ان کے عمل و کردار کو سنیت کی علامت اور پہچان قرار دیکر عام اہل اسلام کو صرف ان سے نہیں بلکہ مسلکِ حقہ سے برگشتہ کرنے اور ضلالت و گمراہی کی اتھاہ گھرائیوں میں گرانے میں کامیاب ہوتے جا رہے ہیں اور ان ننگِ اسلاف کو ذرہ بھر حساس بھی نہیں ہو رہا کہ ہم اپنے اس محسن مذہبِ اسلام اور مسلکِ حقہ یعنی سنیت کا شکر یہ کس جفاکاری اور ظلم و زیادتی کے ساتھ ادا کر رہے ہیں۔

دائے ناکامی متاعِ کارواں جاتا رہا

کارواں کے دل سے احساسِ نیاں جاتا رہا



کتنے افسوس کا مقام ہے کہ جن لوگوں نے صرف مال و متاع سے نہیں بلکہ اپنی شب و روز کی جانفشانی اور محنت و کوشش سے شجر اسلام کو پران چڑھایا بلکہ اپنے خون سے اس کی آبیاری کی اور اپنے علم و آگہی اور ایمان و عرفان کے نور سے گمراہی و ضلالت کے گھپ اندھیروں میں ہدایت کے چراغ روشن کیے اور اپنے عمل و کردار کی درستی اور نچنگی سے اور امانت و دیانت اور صداقت و حقانیت اور اخلاص و للہیت اور حق گوئی و بیباکی کے ذریعے سلام کو بالعموم اور مسلک اہل السنۃ و الجماعت کو بالخصوص اوج تریا تک بلکہ عرش کی بلندیوں تک پہنچایا ان کے اخلاف اور مسند نشین ہی اسکو زمیں بوس کرنے بلکہ تحت الثری میں پھینکنے کی دانستہ یا نادانستہ کوشش کر رہے ہیں اور علامہ محمد اقبال مرحوم کے اس فرمان کا عملی نمونہ بن رہے ہیں اور واقعی برحق مصداق ثابت ہو رہے ہیں :۔

میراث میں ہاتھ آئی ہے ان کو مسند ارشاد

ہیں زاعموں کے تصرف میں عقابوں کے نشمن

إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ

کم از کم اتنا ہی سوچ لیتے کہ اگر عربین شریفین میں صحابہ کرام اہلبیت عظام، ازواج مطہرات رضی اللہ عنہم اور دیگر اکابرین کے مزارات پاک کی بیحرمتی ہو سکتی ہے، ان کو بلڈوز کیا جا سکتا ہے اور ان مقدس ہستیوں کے مقدس اجسام پر صدیوں بعد گولیاں چلا کر یہ نعرہ لگایا جا سکتا ہے کہ ہم نے جدید مشرکوں کے خداؤں کو اور معبودات باطلہ کو نیست و نابود کر دیا۔



تو یہاں بھی وہ ڈرامہ رچایا جاسکتا ہے۔ اگر وہاں پر محافل میلاد شریف اور اعراس پر بدعت کے فتوے لگا کر پابندی عائد کی جاسکتی ہے تو یہاں بھی ایسا ہو سکتا ہے۔ اگر وہاں پر بیعت و ارادت اور پیرو مرید والے رشتے قائم کرنا اور سلاسل اربعہ میں سے کوئی سلسلہ جاری کرنا اور اسکے اوراد و وظائف اور اشغال و اعمال حرام اور ناجائز قرار دیتے جاسکتے ہیں، تو یہاں بھی وہی کھیل کھیلا جاسکتا ہے۔ اگر وہاں یا رسول اللہ ﷺ کو مشرک قرار دیکر تہ تیغ کیا جاسکتا ہے تو یہاں بھی وہ تاریخ و ہرانی جاسکتی ہے؟ کیا اپنے اسلاف کی حرمت و عزت اور رسول معظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت و اُلفت اور تعظیم و توقیر کا حق ادا کرنے کا یہی انداز و اسلوب اور طور و طریقہ ہونا چاہیے جو یہ حضرات اپنائے ہوئے ہیں۔

دُعائے اللہ تعالیٰ ان شاہین بچوں کو اپنے جہانِ بلند پر وازی تک پہنچائے اور ہوائے نفسانی کے جال اور سفلی جذبات کے پھندے سے نجات عطا فرمائے اور اسلاف کرام اور مشائخ عظام کا منصبِ سیادت و قیادت سنبھالنے کی اہلیت و استعداد اور توفیق و استطاعت نصیب فرمائے، اور احساسِ زیاں اور جذبہٴ انابت ارزائی فرمائے اور دینِ متین کی خدمت اور مسلکِ حقہ کی ترویج و اشاعت کی ہمت و قوت بخشنے۔

ایں دُعا از من و از جملہ جہاں آمین باد

لہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم۔



## پیش لفظ

علامہ سرفراز صاحب کا رسالہ ”گلدستہ توحید“ ہاتھ میں لیتے ہی یہ خیال ذہن میں جاگزیں ہوا کہ جناب نے اللہ تبارک و تعالیٰ کی وحدانیت پر دلائل کے انبار لگاتے ہوئے اور عقلی و نقلی براہین کے ذریعے مشرکین عالم اور ملحدین و زندیقین کا ناطقہ بند کر دیا ہوگا اور ان کے توہمات کیجے بیت عنکبوت کی ہر ہر تار ادھیڑ کر رکھ دی ہوگی اور اہل ایمان کے لیے توحیدِ خداوندی میں ثابت قدمی اور راسخ الاعتقاد کی سامان وافر مہیا کر دیا ہوگا مگر

اے بسا آرزو کہ خاک شدہ

آپ کا سارا زور بیان صرف مسلمانوں اور مومنون کو مشرک ثابت کرنے میں صرف ہوتا نظر آیا، یا رسالت و نبوت کے منصب کو غیر اہم اور غیر ضروری ثابت کرنے میں، حتیٰ کہ آپ کو ان کے پورے رسالے میں مشرکین مگر اور کفار عرب پر بارگاہِ نبوت و رسالت کی توہین و تحقیر اور اسارت و بے ادبی کی وجہ سے ناقابلِ مغفرت و بخشش ہونے اور توفیقِ ہدایت سے محروم ہو جانے پر دلالت کرنے والا کوئی جملہ نہیں ملے گا۔ بلکہ یہ تصریحات ملیں گی کہ وہ نبی و رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی تو بڑی تعظیم و تکریم کرتے تھے اور مشرکین میں ہر وصفِ کمال موجود تھا اور ہر نقص و عیب سے دور تھے بس توحید پر کمال



عقیدہ نہ ہونے کی وجہ سے مشرک بھی ٹھہرے اور دائمی دوزخی بھی اور ناقابلِ مغفرت و شفاعت وغیرہ وغیرہ حالانکہ عقیدہ توحید اور عقیدہ رسالت باہم لازم و ملزوم ہیں اور ایک کا انکار دوسرے کے انکار کے مترادف ہے بلکہ بارگاہِ نبوت میں ذرا سی بے پرواہی اور لاپرواہی تمام نیکیوں کی بربادی اور ایمان کی تباہی کا موجب بن جاتی ہے لیکن علامہ صاحب نے اس اہم ترین عقیدہ اور رکنِ ایمانی بلکہ جانِ ایمان اور روحِ اسلام سے اپنے قارئین کو مکمل طور پر محروم کرنے کی سعی نامشکور فرماتی ہے جو کسی بھی مسلمان کے لیے روا نہیں ہو سکتی چہ جائیکہ علماء کے لیے۔

## دوہرا معیادِ عدل

جب علماء دیوبند پر گستاخانہ عبارت کی وجہ سے علماء عرب و عجم نے کفر کا فتویٰ لگایا تو انہوں نے شور مچانا شروع کر دیا کہ دیکھو ان لوگوں نے کلمہ گو اور علماء و فضلاء اور خادمانِ دینِ متین کو کافر کہنا شروع کر دیا ہے حالانکہ کسی مسلمان کی عبارت میں ننانوے احتمالات کفر کے ہوں اور ایک فی صد احتمالِ ایمان و اسلام کی بقا والا ہو تو عبارت کو اس پر محمول کرنا چاہیے اور اہلِ اسلام کی تکفیر سے گریز کرنا چاہیے مگر جب اپنی باری آتی اور مشرک بنانے کا شوق دامن گیر ہوا تو انہیں نہ ان لوگوں کا علماء و فضلاء ہونا اور خدامِ دین ہونا نظر آیا، نہ ان کی نمازیں اور دیگر عبادات نظر آئیں، نہ ان کی اذان اور اقامت سُنائی دی نہ ان کا لا اِلهَ اِلَّا اللهُ مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللهُ



پڑھنا سنائی دیا اور نہ ہی اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ  
**مُحَمَّدًا** اَعْبُدُهُ وَاَسْئَلُهُ والی شہادت توحید و رسالت کا ان  
 پڑی۔ اور نہ عقل نے ہی یاری دی کہ جب یہ لوگ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم  
 کو صرف اور صرف عبدِ خدا اور رسولِ خدا مان رہے ہیں اور رسولِ کریم کے  
 حق میں بھی بدنی مالی عبادت کے روادار نہیں ہیں چہ جائیکہ دوسروں کے  
 حق میں ایسی عبادات کے روادار ہوں تو ان کو شرک جیسے اکبر الکبائر اور  
 ناقابلِ عفو و مغفرت جرم کا مرتکب کیونکر قرار دیں اور ابد الآباد کے لیے  
 جہنم کا حقدار کیوں سمجھیں؟

وہ علماء دیوبند جو معتزلہ کے اس عقیدہ کے باوجود کہ ہر بندہ اپنے  
 اعمال اختیار یہ کا خود خالق ہے انہیں کافر و مشرک نہیں کہتے صرف اس لیے  
 کہ وہ بندے کی خالقیت اور اللہ تعالیٰ کی خالقیت کو ایک جیسا نہیں  
 مانتے بلکہ بندے میں خالقیت کی قدرت و طاقت اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ  
 تسلیم کرتے ہیں انہیں اہل السنّت کی طرف سے اللہ تعالیٰ کے علم غیب اور  
 مقبولانِ بارگاہ کے علم غیب اللہ تعالیٰ کے حاضر و ناظر ہونے اور رسولِ معظم  
 نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے حاضر و ناظر ہونے وغیرہ میں بیسیوں وجوہ سے  
 فرق بیان کرنے کے باوجود اللہ تعالیٰ کی اعانت و امداد میں اور مقبولانِ بارگاہ  
 لایزال کی امداد و اعانت میں ذاتی قوت اور عطائی قوت وغیرہ کا تفرقہ  
 کرنے کے باوجود شرک ہی شرک نظر آتا ہے اور کوئی علامت اور قرینہ ان  
 کے مومن اور مسلم ہونے کا انہیں نظر نہیں آتا بلکہ وہ بیگانگِ اہل اعلان کہتے ہیں۔  
 لہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم۔



۱۔ مگر افسوس کہ آجکل کلمہ گو مسلمانوں نے شرک کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔ اللہ تعالیٰ کی صفاتِ مختصہ مثلاً عالم الغیب، حاضر و ناظر، مختارِ کُل، نافع و ضار، رازقِ پناہ و ہندہ، فریاد رس، مشککِ حاجت روا دافعِ بلا، ہونا وغیرہ وغیرہ۔ غیر اللہ میں اور علی الخصوص حضراتِ انبیاءِ کرام اور اولیاءِ عظام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے لیے نہ صرف یہ کہ ثابت کرتے ہیں بلکہ اپنی اس کارروائی پر مُصّر بھی ہیں۔

(گلدستہ ص ۷۰)

۲۔ حضرات! آج بعض کلمہ گو مدعیانِ اسلام کا بھی یہی شرک ہے، ایک رتی برابر فرق نہیں ہے۔ کیا مافوق الاسباب سفارشوں کا نظریہ ان میں آج موجود نہیں ہے؟ یا عبدالرسول، عبدالنبی اور پیرانندتہ وغیرہ نام آج سُنے میں نہیں آتے؟ شرابِ شرک تو وہی پُرانی ہے البتہ بوتلوں کی رنگت بدل دی گئی ہے اور لیل بھی اسلامی لگا دیا گیا ہے۔

(گلدستہ ص ۱۲۷)

۳۔ مشرکینِ مکہ اس شرک سے بڑھ کر ہرگز کوئی اور شرک نہیں کرتے تھے جس کو آج کے بعض کلمہ گو کر رہے ہیں اور جس کے اثبات پر پورا زور صرف کیا جاتا ہے۔

(گلدستہ ص ۸۸)

۴۔ شیطان کے لیے یہ تو از حد مشکل تھا کہ وہ کلمہ پڑھنے والوں سے بتوں کی پرستش کراتا اس لیے اس نے پینترا بدلا اور بزرگوں کے بتوں اور



مجسموں کی بجائے ان کی قبروں کے ساتھ وہی عقیدت رکھنی شروع کرادی جو پہلے بتوں اور مجسموں سے وہ بارہا کرچکا ہے۔

(گلدستہ ص ۶۵)

قارئین حضرات آپ نے دیکھ لیا کہ ان علماء نے کس طرح اہل ایمان اور مشرکین مکہ کو ایک سطح پر رکھا اور انبیاء و اولیاء کو اصنام و اوثان کی سطح پر اور ان کے متبعین و مطیعین اور محبتین و مخلصین کو صنم پرستوں کی سطح پر لا کھڑا کیا جو سراسر لغو اور باطل دعویٰ اور فاسد و بے بنیاد نظریہ و عقیدہ ہے جیسے کہ آئندہ اوراق میں اس حقیقت کا بے پردہ مشاہدہ ہو جائے گا اور التباس و اشتباہ کی گرد مکمل طور پر صاف ہو جائے گی لیکن ہمیں صرف یہاں پر اس نا انصافی اور ظلم پر مستوجہ کرنا ہے کہ جو پیمانہ ان فتوؤں کا اپنے لیے مقرر کیا تھا وہ دوسروں کے لیے کیوں یاد نہ آیا اور اطاعت و عبادت کا فرق ایصالِ ثواب اور مالی عبادت کا فرق، اہل قبور کی امداد بصورتِ دعا اور اصنام کی امداد بصورتِ تصرف و تاثیر میں فرق کیونکر نظر انداز ہو گیا۔

الغرض علامہ سرفراز صاحب نے اپنے پیشرو مولوی اسماعیل دہلوی وغیرہ کی طرح اہل اسلام کو مشرک ٹھہرانے میں بلکہ قولِ باری :

فاقتلوا المشرکین ..... کے مطابق

ان بیگناہوں کا خونِ ناحق مباح ٹھہرانے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔ اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی بیان کردہ نشانی کے مطابق اپنے متعلق چکے خارجی ہونے کا ثبوت فراہم کر دیا جیسے کہ بخاری شریف ص ۱۰۲۲ جلد ۲ پر



منقول ہے :

کان بن عمر رضی اللہ عنہما یراہم شرار خلق  
اللہ وقال انہما انطلقوا الی آیات نزلت فی الکفار  
فجعلوها علی المؤمنین -

یعنی حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما خوارج کو تمام مخلوقات سے  
بدتر سمجھتے تھے اور فرمایا وہ ان آیات کی طرف متوجہ ہوئے جو کفار کے حق  
میں نازل ہوئی تھیں پس انہیں اہل ایمان پر منطبق کر دیا۔ یہ فرمانِ صداقت نشان  
خارجیت کی شناخت اور پہچان بڑے واضح انداز میں کر رہا ہے اور ان  
علماء کی خارجیت کو بھی اُجاگر کر رہا ہے کیونکہ ان مولوی صاحبان نے بھی  
اصنام و اوثان کی مجبوری اور بے بسی کے بیان پر مشکل آیات کو مقبولانِ بارگاہ  
خداوند پر منطبق کر کے انہیں سننے دیکھنے اور دُعا و شفاعت وغیرہ جیسے  
اوصاف سے بھی محروم ثابت کر دیا اور ان سے علاقہ محبت اور ربط عقیدت  
رکھنے والوں کو اصنام پرستوں والی آیات کا مصداق بنا دیا۔ اگر ان علماء کو  
اپنے خارجی ہونے سے انکار ہے تو حضرت عبد اللہ بن عمر کے فرمان کا مصداق  
بتلائیں کہ کون سے لوگ ہیں؟ اور کیا شیخ نجدی نے اہل حریمین کو اسی فتوے  
سے نہیں نوازا تھا اور ان کو مشرک قرار دیکر تہ تیغ نہیں کیا تھا اور اللہ تعالیٰ  
اور نبی رحمت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے جوار میں بسنے والوں کو خونِ ناحق  
سے اسی نظریہ کے تحت ہولی نہیں کھیلی گئی تھی؟ اگر محمد بن عبد الوہاب نجدی  
خارجی ہے اور علماء دیوبند نے المہند جیسے اپنے اجماعی عقیدہ پر مشکل رسالہ



میں علامہ شامی کی طرح اس کا خارجی ہونا تسلیم کر لیا ہے تو پھر انہیں اپنی خارجیت بھی تسلیم کرنا لازم ہے اور اگر علماء دیوبند یہ فتوے لگا کر خارجی نہیں بنے تو محمد بن عبدالوہاب نجدی کیسے خارجی ہو سکتا ہے؟

## دورِ جدید کے خارجی لبائے منافقت میں

لہذا یہ بہت بڑا ظلم ہے کہ اس دور میں خارجی لوگ اپنے آپ کو اہل السنّت ظاہر کر کے اپنی خارجیت پھیلا رہے ہیں اور اہل اسلام اور کامل الایمان مومنین کو ابو جہل اور ابولہب جیسے مشرک قرار دے رہے ہیں۔ اگلے خارجی اس نفاق سے مبرا آتے مگر آج کل کے خوارج خارجیت کے ساتھ ساتھ نفاق کو بھی اپناتے ہوئے ہیں جو انتہائی خطرناک صورت ہے۔  
واللہ المستعان۔

## خارجیوں کے متعلق ارشاداتِ نبویہ

یاد رہے کہ فرقہ خوارج کے متعلق نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے واضح علامات بیان فرمادی ہیں اور ان کے خروج کے زمانے اور مکان کی بھی نشاندہی فرمادی ہے اور ان کے ساتھ جو سلوک لازم اور ضروری ہے اس کے متعلق بھی واضح ارشادات موجود ہیں جیسے کہ بخاری شریف مسلم شریف اور مشکوٰۃ میں منقول احادیث سے واضح ہے آپ نے فرمایا کہ :

”يُخْرَجُونَ عَلَىٰ حِينِ فِرْقَةٍ“



جب اہل اسلام میں باہمی افتراق و انتشار اور حرب و قتال ہوگا اس وقت نکلیں گے اور فرمایا:

يُخْرِجُونَ عَلِيَّ خَيْرَ فِرْقَةٍ -

بہترین جماعت اور افضل ترین گروہ کے خلاف خروج کریں گے:

يَلِي قَتْلَهُمْ أَوْلِيَا الطَّائِفَتَيْنِ بِالْحَقِّ -

ان کے قتل کا متولی اور کفیل وہ گروہ ہوگا جو اہل اسلام کے دونوں گروہوں میں سے حق کے زیادہ قریب ہوگا چنانچہ حسب الارشاد جب مولائے مرتضیٰ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہ میں جنگ ہوتی اور نوبت ثالثی فیصلہ تک پہنچی تو ان کا خروج ہوا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کو غیر اللہ کا حکم ماننے کی وجہ سے کافر و مشرک قرار دیتے ہوئے کہا قرآن مجید میں ہے ان الحکم الا للہ کہ حکم صرف اللہ تعالیٰ کا واجب الطاعت ہے اور تم نے غیر اللہ کا حکم مان لیا ہے لہذا تو نے شرک و کفر کا ارتکاب کیا۔ آپ نے فرمایا کلمہ حق ارید بها الباطل ..... آیت کریمہ برحق ہے مگر اس کا جو معنی مراد لیا گیا ہے وہ غلط ہے اللہ تعالیٰ کی یہ مراد نہیں تھی اور پھر ان کی چہرہ دستیاں جب حد سے متجاوز ہوئیں تو آپ نے ان کے خلاف جہاد کیا اور ان کی قوت و شوکت کو خاک میں ملا دیا اور یہ اقدام سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے غیبی فرمان کے عین مطابق ہوا اور حکم رسالت کو بروئے کار لاتے ہوئے سرانجام دیا گیا کیونکہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا حکم تھا:

اِذَا لَقِيتُمْهُمْ فَاَقْتُلُوهُمْ -



اور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی مرضی و منشا پوری کرتے ہوتے  
 ان کا صفایا کیا گیا۔ کما قال ، "لو لقیتمہم لا قتلنہم قتل عاد"  
 اگر میں ان سے ملوں اور ان کا زمانہ پاؤں تو انہیں قوم عاد کی طرح  
 نیست و نابود کر دوں۔

(مزید تفصیلات معلوم کرنے کے لیے فتح الباری جلد نمبر ۱۲ صفحہ ۲۵ تا  
 ص ۲۶۵ کا مطالعہ فرمائیں)۔

بعد ازاں وقفے وقفے سے یہ لوگ برآمد ہوتے رہے اور ملوک  
 سلاطینِ زمان کے لیے تشویش و اضطراب کا موجب بنتے رہے تا آنکہ ابتدا  
 تیرھویں صدی میں محمد بن عبد الوہاب نجد سے ظاہر ہوا اور اس نے اس  
 فتنہ کی آبیاری کی اور حجاز مقدّس اور حرمین شریفین پر خوارج کو تغلب  
 حاصل ہو گیا اور ان کے باسیوں کو مشرک قرار دیکر تہ تیغ کیا جانے لگا اور  
 ان کے اموال و املاک کو مالِ غنیمت اور عورتوں، بچیوں کو لونڈیاں اور باندیاں  
 بنایا جانے لگا۔ تب حاکمِ مصر نے ان کے خلاف کارروائی کر کے انکی جمعیت  
 کو پر اگندہ کیا اور قوت و سلطنت کو تہس نہس کیا۔

چنانچہ علامہ ابن عابدین شامی ردالمحتار علی الدر المختار ص ۲۲۹ ج ۳ میں  
 فرماتے ہیں :

قوله يكفرون اصحاب نبينا صلى الله عليه وسلم  
 قد علمت ان هذا غير شرط في معنى الخوارج  
 بل هو بيان لمن خرجوا على سيدنا على رضي الله عنه



والا فيكفي فيهم اعتقادهم كفر من خرجوا  
 عليه كما وقع في زماننا في اتباع عبد الوهاب  
 الذين خرجوا من نجد وتغلبوا على الحرمين  
 وكانوا ينتحلون مذهب الحنابلة لكنهم  
 اعتقدوا انهم هم المسلمون وان من خالف  
 اعتقادهم مشركون واستباحوا بذلك  
 قتل اهل السنة وقتل علماءهم حتى كسر الله  
 شوكتهم وخرب بلادهم وظفر بهم عساكر  
 المسلمين عام ثلاث وثلاثين ومائتين والالف

(صفحہ نمبر ۲۲۹ ج ۳)

یعنی در مختار میں خوارج کی امتیازی علامت اور نشانی صحابہ کرام علیہم  
 الرضوان کی تکفیر ٹھہرائی ہے لیکن تجھے معلوم ہو چکا ہے کہ خوارج کہلانے  
 والوں کے لیے یہ لازمی شرط نہیں ہے بلکہ یہ صرف ان خوارج کا بیان ہے  
 جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خلاف خروج و بغاوت سے کام لینے والے تھے  
 ورنہ خارجی ہونے کے لیے صرف اتنا کافی ہے کہ ان کے متعلق کافر ہونے کا  
 عقیدہ رکھیں جن کے خلاف وہ خروج و بغاوت سے کام لیں جیسے ہمارے  
 زمانہ میں (محمد بن) عبد الوہاب کے اتباع اور مقتدیوں میں وقوع پذیر ہوا  
 کہ وہ نجد سے نکلے اور حرمین شریفین پر غالب آگئے اور وہ اپنے آپ کو  
 حنبلیوں کے مذہب کی طرف منسوب کرتے تھے لیکن ان کا عقیدہ یہی تھا کہ



مسلمان صرف وہی ہیں اور جو ان کے معتقدات کے خلاف ہیں وہ سبھی مشرکین ہیں اور اس نظریہ و عقیدہ کی وجہ سے عوام اہل السنّت کا قتل اور انکے علماء کرام کا قتل مباح ٹھہراتے تھے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی قوت و شوکت کو ختم کیا اور ان کے شہروں کو تباہ کیا اور ۱۲۳۲ھ میں ان پر مسلمانوں کے لشکر غالب آگئے۔

اور انگریز کی سازش سے سلطنت عثمانیہ کے خلاف کارروائی کے لیے ان کو پھر استعمال کیا گیا اور انہیں ابتدا میں نجد میں غلبہ حاصل ہو گیا اور ۱۹۲۳ء میں حجاز مقدّس پر بھی ان کو دوبارہ غلبہ حاصل ہو گیا اور انہوں نے پھر اہل السنّت عوام اور ان کے علماء اعلام کے خون کے ساتھ ہولی کھیلی، اور مزارات مقدّسہ کی بے حرمتی کی اور صحابہ کرام، ازواج مطہرات اور اہل بیت کرام علیہم الرضوان کے مزارات پر بلڈوزر چلائے بلکہ اہل قبور پر گولیاں چلائیں اور بعض مساجد بھی شہید کر دیں جو سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے معجزات کے محل ظہور پر تھیں یا دیگر اکابرین کی طرف منسوب تھیں۔ حتیٰ کہ روضہ مقدّسہ کے شہید کر ڈالنے کا پروگرام بھی بنا لیا لیکن عالم اسلام کی طرف سے سخت احتجاج اور دھمکیوں کے بعد اس بُرے ارادہ سے وقتی طور پر باز آگئے۔

(مزید تفصیلات معلوم کرنے کے لیے تاریخ نجد و حجاز“ مؤلفہ علامہ غلام رسول سعیدی صاحب کا مطالعہ فرمائیں)۔

انہیں بے ادبیوں اور گستاخیوں اور ظلم و زیادتیوں کو نگاہِ نبوت سے دیکھتے ہوئے باعلام اللہ عالم ماکان و مایکون نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے نجد



کے لیے بار بار توجہ دلانے پر بھی برکت کے لیے دُعا نہ فرمائی بلکہ فرمایا:

هناك الزلازل والفتن وبها يطلع قرن الشيطان -

(مشکوٰۃ ذکرین و شام وغیرہ - بخاری شریف ص ۱۳۱، جلد ۱)۔

وہاں پر زلزلے اور فتنے ہونگے اور وہاں سے شیطانِ جماعت برآمد ہوگی اور صدیوں بعد وہ غیبی خبر حقانیت و واقعیت کا نمونہ بن کر ہر صاحبِ بصیرت اور صاحبِ بصارت کو عبرت و نصیحت حاصل کرنے کا درس دے رہی ہے کیونکہ یہ سفاک اور ظالم تو صدیوں بعد پیدا ہوئے لیکن سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اس نخطے سے ہی اسقدر بیزار اور متنفر تھے کہ اس کو بھی دعائے نوازنا گوارا نہ فرمایا۔ نیز ان کا محروم ازلی ہونا بھی اس سے ظاہر ہے ورنہ دُعاے حبیب علیہ الصلوٰۃ والسلام سے اللہ تعالیٰ ان کا مقدر سنوار دیتا اور ان مظالم اور چیرہ دستیوں سے بچ بھی سکتے تھے لیکن یہ روسیاء ہی اور شقاوت و بد بختی ان کا مقدر بن چکی تھی اور تقدیر مبرم قرار پا چکی تھی اسلئے اللہ تعالیٰ کے خلیفہ مطلق سید الرسل صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے حکمِ ازل میں کسی تغیر و تبدیلی کی دُعا و التجا مناسب نہ سمجھی۔

مگر ہم ہندو پاک کے ان مدعیانِ سننیت پر حیران ہیں کہ وہ اپنے دعوائے سننیت کے برعکس اہل السننیت کے قاتلوں اور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی نگاہِ مقدس میں مبعوض ترین لوگوں اور صحابہ کرام، ازواجِ مطہرات اور اہل بیت کرام علیہم الرضوان کے گستاخوں اور بعد از وصال بھی ان پر ظلم و زیادتی سے باز نہ آنے والے خارجوں کی راہ پر چلنے کی کوشش کیوں کر رہے ہیں



اور اہل السنّت کو کافر و مشرک ثابت کرنے میں ایڑی چوٹی کا زور کیوں لگا ہے  
ہیں۔ کیا وہ یہاں پر بھی نجد و حجاز والا خارجیت کا ڈرامہ رچانا چاہتے ہیں؟  
اور مظلوم سُنیوں کے ناحق خون سے اپنے ہاتھ رنگنا چاہتے ہیں؟ اہل السنّت  
کا توجہ مقتدر ہے وہی ان کو ملے گا اور جوازی فیصلے ان کے مستقبل کے متعلق  
صادر ہو چکے ہیں وہ وارد ہو کر رہیں گے مگر یہ علماء حضرات اتنا تو کریں  
کہ تفاق کا پردہ اُتار کر سامنے آئیں اور اپنی خارجیت کو چھپانے کی منافقانہ  
پالیسی سے تو باز رہیں۔

## نجدیوں کے ساتھ بھی منافقت

علماء دیوبند اپنی اس پالیسی میں جس تذبذب کا شکار ہیں وہ انکی تحریرات  
سے عیاں ہے۔ علماء دیوبند کے سرخیل مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی شیخ نجد  
محمد بن عبدالوہاب کی شان میں یوں رطب اللسان ہیں :

**سوال :** محمد بن عبدالوہاب حلال سمجھتا تھا مسلمانوں کے خون اور  
ان کے مال و آبرو کو اور تمام لوگوں کو مشرک کی طرف منسوب کرتا تھا، اور  
سلف کی شان میں گستاخی کرتا تھا اس کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے؟  
**اجواب :** محمد بن عبدالوہاب کے مقتدیوں کو وہابی کہتے ہیں ان کے  
عقائد عمدہ تھے اور مذہب ان کا حنبلی تھا۔ البتہ ان کے مزاج میں شدت  
تھی مگر وہ اور ان کے مقتدی اچھے ہیں مگر ہاں جو حد سے بڑھ گئے ان  
میں فساد آ گیا ہے عقائد سب کے متحد ہیں اعمال میں فرق حنفی، شافعی، مالکی



اور حنبلی کا ہے۔ (فتاویٰ رشیدیہ حصہ اول ص ۱۱۲)

سوال: عبد الوہاب نجدی کیسے شخص تھے؟

جواب: محمد بن عبد الوہاب کو لوگ وہابی کہتے ہیں وہ اچھا آدمی تھا۔  
سنائے کہ مذہب حنبلی رکھتا تھا اور عال بالحدیث تھا۔ بدعت اور شرک سے  
روکتا تھا، مگر تشدید اس کے مزاج میں تھی۔

(فتاویٰ رشیدیہ حصہ سوم ص ۷۹)

اس کے برعکس المہند جو علماء دیوبند کے اجماعی عقیدہ پر مشتمل ہے اس میں  
اپنا عقیدہ اور نظریہ اس طرح تحریر کیا ہے اور علماء حرمین کو مطمئن کرنے کیلئے  
لکھا کہ ہمارا اس کے متعلق وہی عقیدہ ہے جو صاحب درمختار اور علامہ ابن  
عابدین شامی نے ردالمحتار میں تحریر فرمایا ہے۔

بارہواں سوال: محمد بن عبد الوہاب نجدی حلال سمجھتا تھا، مسلمانوں کے  
خون اور ان کے مال و آبرو کو اور تمام لوگوں کو نسوب کرتا تھا شرک کی جانب  
اور سلف کی شان میں گستاخی کرتا تھا، اس کے متعلق تمہاری کیا رائے ہے؟  
جواب: ہمارے نزدیک ان کا حکم وہی ہے جو صاحب درمختار نے فرمایا  
ہے کہ خوارج ایک جماعت ہے شوکت والی جنہوں نے امام پر چڑھائی کی  
تھی اس تاویل سے کہ امام کو کفر یا ایسی معصیت کا مرتکب سمجھتے تھے جو قتال  
کو واجب کرتی ہے۔ اس تاویل سے یہ لوگ ہماری جان و مال کو حلال سمجھتے اور  
ہماری عورتوں کو قیدی بناتے ہیں۔ ان کا حکم باغیوں کا ہے اور علامہ شامی  
نے اس کے حاشیے میں فرمایا جیسا کہ ہمارے زمانے میں عبد الوہاب کے تابعین



سے منور ہوا کہ نجد سے نکل کر حرمین شریفین پر متغلب ہوئے۔ اپنے کو حنبلی مذہب بتاتے تھے مگر ان کا عقیدہ یہ تھا کہ بس وہی مسلمان ہیں اور جو ان کے عقیدہ کے خلاف ہوں وہ مشرک ہیں۔ اور اس بنا پر انہوں نے اہل السنّت کا قتل مباح سمجھ رکھا تھا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی شوکت توڑ دی۔

(المہند مسترحم ص ۴۶)

اور علامہ حسین احمد صاحب دیوبندی شہابِ ثاقب میں لکھتے ہیں:

۱۔ صاحبو محمد بن عبدالوہاب نجدی ابتداء تیرھویں صدی میں نجد عرب سے ظاہر ہوا، اور چونکہ خیالات باطلہ اور عقائد فاسدہ رکھتا تھا اس لیے اس نے اہل السنّت و الجماعت سے قتل و قتال کیا، ان کو باجبر اپنے خیالات باطلہ کی تکلیف دیتا رہا، ان کے اموال کو غنیمت کا مال اور حلال سمجھا گیا، ان کے قتل کرنے کو باعثِ ثواب و رحمت شمار کرتا رہا۔ اہل حرمین کو خصوصاً اور اہل حجاز کو عموماً اس نے تکالیفِ شاقہ پہنچائیں۔ سلفِ صالحین اور اتباع کی شان میں نہایت گستاخی اور بے ادبی کے الفاظ استعمال کیے۔

بہت سے لوگوں کو بوجہ اس کی تکلیفِ شدیدہ کے مدینہ منورہ اور مکہ معظمہ چھوڑنا پڑا۔ ہزاروں آدمی اس کے اور اس کی فوج کے ہاتھوں شہید ہو گئے۔ الحاصل وہ ایک ظالم و باغی، خونخوار اور فاسق شخص تھا۔ اسی وجہ سے اہل عرب کو خصوصاً اس کے اور اس کے اتباع سے دلی بغض تھا اور ہے اور اس قدر ہے کہ اتنا نہ قوم یہود سے ہے اور نہ نصاریٰ سے، نہ مجوس سے نہ ہنود سے۔ غرضیکہ وجوہاتِ مذکورہ کی وجہ سے ان کو اس کے طائفہ سے



اعلیٰ درجہ کی عداوت ہے اور بیشک جب اس نے ایسی ایسی تکالیف دی ہیں تو ضرور ہونا بھی چاہیے، وہ لوگ یہود و نصاریٰ سے اس قدر رنج اور عداوت نہیں رکھتے جتنی کہ وہابیہ سے رکھتے ہیں۔

(شہابِ ثاقب ص ۴۲)

۲- محمد بن عبدالوہاب کا عقیدہ تھا کہ جملہ اہل عالم و تمام مسلمانانِ دیار مشرک و کافر ہیں اور ان سے قتل و قتال کرنا، ان کے اموال چھیننا حلال اور جائز بلکہ واجب ہے۔

(شہابِ ثاقب ص ۴۳)

۳- نجدی اور اس کے اتباع کا اب تک عقیدہ یہی ہے کہ انبیاءِ علیہم السلام کی حیات فقط اس زمانہ تک ہے جب تک وہ دُنیا میں تھے بعد ازاں وہ اور دیگر مومنین موت میں برابر ہیں۔ یہ ایک خاص مسئلہ ہے جس میں وہابیہ نے علماءِ حرمین کی مخالفت کی ہے اور بار بار جدال و نزاع کی نوبت آئی۔ اس مسئلہ میں اور آئندہ مسئلہ کی وجہ سے وہاں وہابی سنی سے تمیز ہوتا ہے۔

(شہابِ ثاقب ص ۴۵)

۴- زیارتِ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم و حضوریِ آستانہ شریفہ و ملاحظہ روضہ مطہرہ کو یہ طائفہ بدعتِ حرام وغیرہ لکھتا ہے۔ اس طرف اس نیت سے سفر کرنا مخطور اور ممنوع جانتا ہے۔ لا تشد الرحال الا الی ثلاثہ مساجد ان کا مستدل ہے۔ بعض ان میں کے سفرِ زیارت کو معاذ اللہ زنا کے درجہ کو پہنچاتے ہیں۔ اگر مسجد نبوی میں جاتے ہیں تو صلوة و سلام



ذاتِ اقدسِ نبوی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو نہیں پڑھتے اور نہ اس طرف متوجہ ہو کر دُعا مانگتے ہیں۔ (ص ۴۵ ص ۴۶)

۵۔ ہمارے اکابر شفاعتِ رسولِ معظم صلی اللہ علیہ وسلم کی ثابت مانتے ہیں بخلاف وہابیہ کے کہ مسئلہ شفاعت میں ہزاروں تاویلیں اور گھڑنت کرتے ہیں۔ اور قریب قریب انکارِ شفاعت کے بالکل پہنچ جاتے ہیں (شہابِ ثاقب ص ۴۷)

۶۔ شانِ نبوت و حضرت رسالتِ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام میں وہابیہ نہایت گستاخی کے کلمات استعمال کرتے ہیں اور اپنے آپ کو مماثلِ ذاتِ سرورِ کائنات خیال کرتے ہیں اور نہایت تھوڑی سی فضیلتِ زمانہ تبلیغ کی مانتے ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی حق اب ہم پر نہیں ہے اور نہ کوئی احسان، اور نہ کوئی فائدہ ان کی ذاتِ پاک سے بعد وفات ہے اور اس وجہ سے توصلِ دُعا میں آپ کی ذاتِ پاک سے بعد وفات کے ناجائز کہتے ہیں۔

ان کے بڑوں کا مقولہ ہے معاذ اللہ معاذ اللہ نقلِ کفر کفر نباشد کہ ہمارے ہاتھ کی لاٹھی ذاتِ سرورِ کائنات کی نسبت ہم کو زیادہ نفع دینے والی ہے۔ ہم اس سے کئے کو دفع کر سکتے ہیں اور ذاتِ فخرِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے تو یہ بھی نہیں کر سکتے۔ (ص ۴۷)

۷۔ وہابیہ اشغالِ باطنیہ و اعمالِ صوفیہ مراقبہ، ذکر و فقر، ارادت و مشیخت و ربطِ القلب بالشیخ و فنا و بقا و خلوت وغیرہ اعمال کو فضول و



لغو اور بدعت و ضلالت شمار کرتے ہیں اور ان اکابر کے اقوال و افعال کو شرک وغیرہ کہتے ہیں۔ (ص ۵۹)

۸۔ وہابیہ کسی خاص امام کی تقلید کو شرک فی الرسالت جانتے ہیں اور آئمہ اربعہ اور ان کے مقلدین کی شان میں وہابیہ الفاظِ خبیثہ استعمال کرتے ہیں اور اس کی وجہ سے وہ گروہ مسائل میں اہل السنّت و الجماعت کے مخالف ہو گئے چنانچہ غیر مقلدین ہند اسی طائفہ شنیعہ کے پیرو ہیں۔ وہابیہ نجد اگرچہ بوقت اظہار دعویٰ حنبلی ہونے کا اقرار کرتے ہیں لیکن عملدرآمد ان کا ہرگز جملہ مسائل میں امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کے مذہب پر نہیں انحر۔ (ص ۶۳)

۹۔ قول باری تعالیٰ علی العرش استوی وغیرہ آیات میں طائفہ وہابیہ استوار ظاہری اور جہات وغیرہ ثابت کرتا ہے جس کی وجہ سے ثبوت جسمیت وغیرہ لازم آتا ہے۔

۱۰۔ مسئلہ ندائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں وہابیہ مطلقاً منع کرتے ہیں۔ وہابیہ نجد یہ بھی اعتقاد رکھتے ہیں اور برملا کہتے ہیں کہ یا رسول اللہ میں استعانت بغیر اللہ ہے اور وہ شرک ہے اور یہ وجہ بھی ان کے نزدیک سبب مخالفت کی ہے۔ (ص ۶۳ ص ۶۵)

۱۱۔ وہابیہ خبیثہ کثرت صلوات و سلام و درود بر خیر الانام علیہ السلام اور قرآت دلائل الخیرات و قصیدہ بُردہ اور قصیدہ ہمزید وغیرہ کے پڑھنے کو اور اس کے استعمال کرنے اور ورد بنانے کو سخت قبیح و مکروہ جانتے ہیں اور بعض اشعار کو قصیدہ بُردہ میں شرک وغیرہ کی طرف منسوب کرتے



ہیں۔ مثلاً: ۷

یا اشرف المخلوق مالی من الوزبہ

سواك عند حلول الحادث العمم

یعنی افضل المخلوقات میرا کوئی نہیں جس کی پناہ پکڑوں بجز تیرے بروقت

نزولِ حوادث۔

۱۲۔ وہابیہ سوائے علم احکام الشرائع جملہ علوم و اسرار حقانی وغیرہ سے

ذات سرور کائنات خاتم النبیین علیہ السلام کو خالی مانتے ہیں۔

۱۳۔ وہابیہ نفس ذکر ولادت حضور سرور کائنات علیہ الصلوٰۃ والسلام کو

قیح اور بدعت کہتے ہیں اور علیٰ ہذا القیاس اذکار اولیاء کو بھی برا سمجھتے ہیں

(شہابِ ثاقب ۶۷)

صاحبان آپ حضرات کے ملاحظہ کے واسطے یہ چند امور ذکر کیے ہیں

جنہیں وہابیہ نے علماءِ حریم الشریفین کے خلاف کیا تھا اور کرتے رہتے

اور اس وجہ سے جبکہ انہوں نے غلبہ کر کے حریم شریفین پر حاکم ہو گئے تھے

ہزاروں کوتہ تیغ کر کے شہید کیا اور ہزاروں کو سخت ایذا میں پہنچائیں۔ بارہا

ان سے مباحثے ہوئے ان سب امور میں ہمارے اکابر ان کے سخت مخالف

ہیں۔ پس توہب اور وہابیت کا الزام لگانا ان پر سخت افتراء اور

(۶۷ - ۶۸ ص)

بہتان بندی ہے۔

حالانکہ عقائد وہابیہ اور ان اکابر (علماءِ دیوبند) کے معتقدات و اعمال

میں زمین و آسمان بلکہ اس سے بھی زائد کا فرق ہے۔ (ص ۳۳)۔



ناظرین وقارتین حضرات مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی کی فتاویٰ رشیدیہ سے منقول دونوں عبارتیں بھی غور سے پڑھیں اور المہند اور شہابِ ثاقب سے منقول عبارات بھی اور خود فیصلہ فرماویں کہ علماء دیوبند کا دراصل نظریہ اور عقیدہ کیا ہے اور ان میں سے سچا کون ہے اور جھوٹا کون ہے؟ اور کیا المہند میں اجماعی عقائد بیان کرتے وقت ان علماء دیوبند کو علامہ رشید احمد کا نظریہ و عقیدہ محمد بن عبدالوہاب اور اس کے متبعین کے متعلق معلوم نہیں تھا اور مدنی صاحب کو بھی شہابِ ثاقب لکھتے وقت اس کی خبر نہیں تھی؟ اگر تھی اور یقیناً تھی تو کذب اور غلط بیانی ظاہر و نمایاں ہے۔ اور اعلیٰ حضرت بریلوی قدس سرہ کے فرمان کی واقعیت و حقائق ثابت ہو گئی اور اگر ان کے عقیدہ کی خبر نہیں تھی تو ان کی جہالت و بے خبری کے ساتھ ساتھ جواب سے عاجزی اور بے بسی ثابت ہو گئی یا پھر مولوی رشید احمد صاحب کا علماء دیوبند سے خارج ہونا اور وہابیہ نجدیہ میں سے ہونا لازم آئیگا حالانکہ وہ علماء دیوبند کے نزدیک امام ربانی بھی ہیں، بلکہ وہ صدیق فاروق ہیں بلکہ بانی اسلام کے ثانی بھی ہیں۔ العیاذ باللہ تعالیٰ۔

بلکہ سب کچھ معلوم ہونے کے باوجود سیاسی چال چلی کہ وہابیہ نجدیہ غالب رہیں تو کہہ دیں گے ہم تمہارے ساتھی اور ہمہنوا و ہم عقیدہ ہیں اور فتاویٰ رشیدیہ سے شیخ گنگوہی کے ارشادات ان کو دکھلا دیں گے اور اگر اہل السنّت غالب آگئے تو انہیں المہند اور شہابِ ثاقب دکھلا دیں گے اور ہر فریق سے اپنا مفاد حاصل کر لیں گے۔



ع باغباں بھی خوش رہے، راضی رہے، صیاد بھی

قابلِ غور امر یہ ہے کہ نجدیوں نے بھی اہلِ حرمین شریفین پر شرک اور بدعت کے فتوے لگا کر ہی ان کے ساتھ ظلم و عدوان اور ایذا رسانی اور قتل و غلب اور حرب و قتال کو مباح ٹھہرایا اور انہیں عقائد اور اعمال کو علماء دیوبند شرک اور بدعت سے تعبیر کر رہے ہیں تو اس سے صاف ظاہر ہے کہ ان کا اصلی پروگرام کیا ہے اور کس منصوبہ بندی کے تحت یہ کارروائی کی جا رہی ہے

ع صلواتے عام ہے یا رانِ نکتہ داں کیلئے

علماء دیوبند کہنے کو تو نجدی علماء کے عقائد اور اپنے عقائد کے درمیان زمین و آسمان بلکہ اس سے بھی زیادہ کافرق ثابت کر رہے ہیں مگر علماء حجاز بالعموم اور علماء حرمین شریفین نے بالخصوص کیا تسلیم کر لیا تھا کہ واقعی ہم مشرک اور بدعتی ہیں یا انہوں نے اپنے شرک و بدعاتِ سینہ سے منزہ و مبرا ہونے کے جو وجوہ بیان کیے تھے کیا علماء نجد نے وہ تسلیم کر لیے تھے جس طرح علماء حرمین و حجاز کی تمام تر سعی و کوشش علماء نجد کے سامنے بیکار اور بے نتیجہ ثابت ہوئی اسی طرح ہماری تمام تر سعی اور کوشش بے سود اور بے ثمر ثابت ہو رہی ہے اور تمام دیوبندی عالم ہمارے جوابات اور دلائل و براہین سننے کو تیار نہیں ہیں تو آخر یہ فیصلہ کس طرح ہو سکتا ہے کہ نجدیوں نے جن امور کو شرک اور بدعت کہا وہ تو شرک اور بدعت نہیں تھے مگر علماء دیوبند جن کو شرک اور بدعت کہہ رہے ہیں واقعی شرک اور بدعت ہیں یا علماء حجاز و حرمین شریفین نے



اپنے شرک و بدعت سے مبرا و منزہ ہونے پر جو دلائل دیتے تھے وہ تو  
برحق تھے اور جو دلائل و براہین اور توجیہات و تاویلات ہم پیش کر رہے  
ہیں وہ باطل و ناحق ہیں ؟

لہذا یہ حقیقت تسلیم کیے بغیر کوئی چارہ نہیں کہ علماء دیوبند نجدیوں  
کے ہی نقش قدم پر چل رہے ہیں اور وہی مدعا و مقصد حاصل کرنے  
کے لیے ہاتھ پاؤں مار رہے ہیں جو نجدیوں کا تھا وہ بظاہر حنبلی کہلاتے  
تھے اور یہ حنفی کہلاتے ہیں۔ حقیقی حنبلی بھی اہل السنّت ہی ہیں اور حقیقی حنفی  
بھی مگر جس طرح ان کا دعوائے حنبلیت و سنّیت محض دکھاوے کے لیے  
تھا ان علماء دیوبند کا دعوائے حنفیت و سنّیت بھی محض دکھاوے کے لیے  
ہے۔ وَاللّٰهُ يَهْدِي مَنْ يَشَاءُ اِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ فَالِى اللّٰهِ  
الْمَشْتٰكِيْ مِنْ هٰذِهِ الْبَلِيَّةِ الْعَظِيْمِ وَالطَّامَةِ الْكَبْرِى  
وَعَلَيْهِ التَّوَكُّلُ وَبِهِ الْاِعْتِصَامُ وَهُوَ الْمَعِيْنُ وَالْمُسْتَعٰنُ۔



# مقدمہ

مُحَمَّدٌ ءَوْنُصَلَّى وَنُصَلَّى عَلٰی رَسُوْلِهِ الْكَرِيْمِ وَعَلٰى اٰلِهِ وَاصْحَابِهِ  
 اَجْمَعِيْنَ اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ  
 بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝

لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلٰى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ  
 اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَزَكَّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ  
 الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَانْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِي ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝

(سورہ آل عمران آیت ۱۶۴)

صَدَقَ اللّٰهُ مَوْلَانَا الْعَظِيْمَ وَصَدَقَ رَسُوْلُهُ النَّبِيَّ الْكَرِيْمَ الْاَمِيْنَ  
 اللّٰهُ رَبُّ الْعِزَّةِ نَعِيَ بُوْدُ وَنُوَالٍ اُوْر فُضْلٍ وَكُرْمٍ سَعِ خَلْقِ خُدَا  
 كَعِ لِيَعِ بِالْعَمُوْمِ اُوْر اِنْسَانُوْنَ كَعِ لِيَعِ بِالْخُصُوْصِ رُشْدٍ وَهَدٰيْتِ اُوْر رُوْحٰنِي  
 تَرْبِيَّتِ اُوْر بَاطِنِي تَطْهِيْرٍ كَا اَنْتِظَامِ فَرْمَايَا اُوْر اٰيٰتِ اَفَاقِيَعِ وَانْفِيسِيَعِ قَاثِمِ كَرْنِ  
 كَعِ عِلَاوَه كِتَابُوْنَ كُوْنَ نَازِلِ فَرْمَايَا اُوْر رُسُلِ كِرَامِ اُوْر اَنْبِيَاِ عِظَامِ عَلِيْمِ السَّلَامِ  
 كُوْمَبْعُوْثِ فَرْمَايَا تَاكُه رَاةِ رَاسْتِ اِنِ يَرُوْا صَحْحِ كَرِيْسِ اُوْر بَدْعَقِيْدِ كِي اُوْر بَدْعَمَلِي  
 كِي اَلَا شُوْثُوْنَ سَعِ اِنِ كُوْ يَآكُ وَصَافِ كَرِيْسِ اُوْر اَنْهِيْسِ كُفْرٍ وَشُرْكِ كِي ظَلْمَتُوْنَ  
 سَعِ نُورِ اِيْمَانِ اُوْر ضِيَاِ عِرْفَانِ كِي طَرَفِ نِكَالِيْسِ اُوْر بَعِ رَاةِرُوْمِي وَضَلَالَتِ



کے عمیق گڑھوں سے نکال کر ہدایت کے بلند مقام اور وصول الی اللہ کے  
 بام عروج اور معراج انسانیت پر فائز کریں۔ اللہ تعالیٰ کی توحید و تفرید  
 کے انوار سے ان کے قلوب و اذہان کو منور کریں اور اپنی نبوت و رسالت  
 کے فیوض و برکات سے ان کے ویران قلب کو رشک گلزارِ جنت بنائیں اور  
 ان کے ارواح کو نفوس کی آلودگیوں سے اور عالم آب و گل کی کثافتوں سے  
 منزہ و مبرا اور مطہر و مزکی بنائیں اور ان خاکی نہادوں کو نوری صفات  
 بنائیں اور بقول ملائکہ من یفسد فیہا ویسفک الدماء کے مصداق  
 بننے والوں کو انی اعلہ ما لا تعلمون کا مزا شاکریں بلکہ رشک ملائکہ بنائیں  
 اور یہ حقیقت محتاج بیان نہیں کہ اگر سبھی مکلفین صحیح عقائد اور درست  
 اعمال اپنائے رہتے تو ان کے لیے ان مُرشدینِ کرام اور ہادیانِ اسلام کے  
 مبعوث فرمانے کی حاجت اور ضرورت نہ تھی بلکہ جیسا ان میں عقیدہ و عمل  
 کے لحاظ سے بگاڑ پیدا ہوا اور یہ اثرات المخلوقات بدترین جانوروں  
 کی پست ترین سطح اور نشیب میں گرنے لگے تو اللہ تعالیٰ کی رحمت نے  
 جوش مارا اور ان کی دستگیری کے لیے اہتمام فرمایا اور ضلالت و کفر کی اتھاہ  
 گہرائیوں میں گرنے اور بدکاری و بدکرداری و ہوائے نفسانی اور اغوائے  
 شیطانی کے دام فریب اور جبالہ مکہ میں پھنسنے اور گرفتار ہونے سے بچاؤ  
 اور تحفظ اور عصمت و صیانت کا سامان کرنے کے لیے ان نفوسِ قدسیہ  
 کو مبعوث فرمایا اور معجزات و خوارقِ عادات کے ذریعے ان کی تائید و  
 تصدیق فرمائی اور انہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے مبعوث ہونے اور اس کے



برحق رسول و نبی اور خلفاء و نائبین ہونے کے واضح نشانات اور امتیازی  
 علامات عطا فرماتے اور ان کی اطاعت کو اپنی اطاعت قرار دیا اور ان  
 کے عصیان کو اپنا عصیان اور ان کے محبوں اور غلاموں کو اپنے محبوب  
 اور دوست قرار دیا اور ان کے باغیوں اور مخالفوں کو اپنے دشمن اور  
 مبغوض و مقہور ٹھہرایا اور اپنی توحید کے ساتھ ساتھ ان کی نبوت و رسالت  
 کے اقرار و اعتراف کو اسلام و ایمان کی بنیاد قرار دیا اور منکر توحید کی طرح  
 منکر نبوت و رسالت کو بھی دولتِ ایمان اور متاعِ اسلام سے محروم اور  
 دارین میں خائب و خاسر اور ذلیل و رسوا ٹھہرایا۔ دنیا میں مستحقِ لعنت اور  
 آخرت میں مستحقِ ناریق ٹھہرایا اور دنیا میں طرح طرح کے عذاب دے کر  
 اہل دنیا کے لیے نمونہ عبرت بنایا اور اپنے رسولانِ گرامی اور انبیاءِ عظام  
 کی آنکھوں کی ٹھنڈک اور دلوں کی راحت کا سامان فرمایا اور جب تک  
 ان مقدس ہستیوں کی بعثت کے ذریعے اتمامِ حجت نہ فرمایا اور لوگوں کیلئے  
 معذرت اور بہانہ سازی کے دروازے بند نہ کر دیئے انہیں عذاب و

عتاب اور تباہی و بربادی کا نشانہ نہ بنایا۔ قال اللہ تعالیٰ :

وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِينَ حَتَّىٰ نَبْعَثَ رَسُولًا ۝ (بنی اسرائیل آیت ۱۵)

لِيَلَّا يَكُونَ لِلنَّاسِ عَلَى اللَّهِ حُجَّةٌ بَعْدَ الرُّسُلِ ۙ

(سورہ ناز آیت ۱۶۵)

اور جب حجت تمام ہو چکی اور معذرت خواہی اور بہانہ سازی کا سدباب  
 ہو چکا تو پھر انبیاء و رسل کے مخالفین اور باغیوں کو اس عداوت و بغاوت



و عصیان کی پاداش میں حرفِ غلط کی طرح صفحہ ہستی سے مٹا دیا گیا اور ان کا نام و نشان مٹا کر رکھ دیا گیا۔

## عبدیت و بندگی کا تقاضا

چاہیے تو یہ تھا کہ بندے اللہ تعالیٰ کے تمام تر انعامات و احسانات کا شکریہ ادا کرتے اور بالخصوص اس انعام و احسان کا کہ ان کی دنیا و آخرت سنوارنے کے لیے اور کفر و شرک اور گمراہی و ضلالت سے بچانے کے لیے انبیاء و رسل کی بعثت کا سامان فرمایا اور اللہ تعالیٰ کی وحدانیت و احدیت اور توحید و تفرید کا اقرار و اعتراف کرتے اور شب و روز اس کی عبادت و پرستش میں مصروف و مشغول رہتے اور اس کے خلفاء و نائبین اور رسل و انبیاء کی اطاعت و اتباع اور غلامی و خدمت کو اولین فریضہ سمجھتے اور بلا چوں و چرا ان کے احکام و ارشادات پر عمل پیرا ہوتے مگر افسوس کہ من حیث المجموع اس طرح نہ ہو سکا بلکہ پتھر کی مورتیوں کو پوچھنے پر تو اصرار کیا اور اللہ تعالیٰ واحد کے حضور سرِ نیاز خم کرنے پر آمادہ نہ ہوئے اور پتھروں سے تراشیدہ بے جان مجسموں کو الہ ماننے والوں نے اللہ تعالیٰ کے بھیجے ہوئے ان ہادیانِ برحق کو رسول اور نبی ماننے سے بھی انکار کر دیا۔ اللہ واحد کے ساتھ متعدد الٰہ تسلیم کر لینے والوں نے اور آتش و آب اور سورج و چاند اور ستاروں میں نیز اپنے تراشیدہ بے جان مجسموں میں الوہی کمالات تسلیم کر لیے اور ان کو اپنی



عبادت اور پرستش کا حقدار تسلیم کر لیا مگر سورج کو اُلٹے پاؤں چلانے والوں، اس کو گردش و حرکت سے باز رکھنے والوں، چاند کو اشارہ سے چیر ڈالنے والوں اور آگ کو سرد کر دینے والوں، دریاؤں کو خشک کر دینے والوں، اور درختوں کو جڑوں پر چلانے والوں اور کنکریوں سے اپنے گلے پڑھالینے والوں اور پتھر کی چٹانوں سے چٹانوں جیسی تنو مند و قد آور حاملہ اُونٹنیاں پیدا کر دکھانے والوں اور مادر زاد اندھوں کو چشمِ بینا اور مہٹی کے مجسموں کو پھونک مار کر اڑتے پرندوں میں ڈھالنے والوں اور صد سالہ مُردوں کو قبور سے زندہ کر کے کھڑے کر لینے والوں اور غیب کی خبریں دینے والوں کو پیغمبر ماننے کو بھی تیار نہ ہونے کیونکہ یہ بظاہر ان جیسے بشر تھے۔ قال اللہ تعالیٰ :

وَأَسْرُوا النَّجْوَى الَّذِينَ ظَلَمُوا هَلْ هَذَا إِلَّا

بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ (سورہ انبیاء ۳)

اور ظالموں نے خفیہ میٹنگ کی کہ نہیں ہیں یہ مگر تمہاری طرح بشر۔

قال اللہ تعالیٰ :

مَا أَنْتُمْ إِلَّا بَشَرٌ مِّثْلَنَا وَمَا أَنْزَلْنَا مِنَ شَيْءٍ

إِنْ أَنْتُمْ إِلَّا تَكْذِبُونَ (سورہ یسین ۱۵)

نہیں تم مگر بشر مانند ہمارے اور رحمن نے کوئی شے نازل نہیں فرمائی

اور نہیں ہو تم مگر جھوٹ بولنے والے۔

قال تعالیٰ :



فَقَالُوا أَبَشَرٌ يَهْدِيهِمْ وَنَا كُفَرُوا (الایۃ) (سورہ تغابن ۶)  
 پس انہوں نے کہا کیا بشر ہمیں ہدایت کرتے ہیں انہوں نے کفر کیا۔  
 وغیر ذلک من الایۃ - حالانکہ جن کو معبود کا درجہ دیا وہ نہ دیکھنے  
 کے قابل، نہ سُننے کے لائق اور نہ ان میں پکڑنے کی استعداد و استطاعت  
 اور نہ ہی چلنے پھرنے کی۔

کما قال تعالیٰ :

الْهَمُّ أَرْجُلٌ يَمْشُونَ بِهَا زَامٌ لَهُمْ أَيْدٍ يَبْطِشُونَ بِهَا  
 أَمْ لَهُمْ أَعْيُنٌ يُبْصِرُونَ بِهَا زَامٌ لَهُمْ أِذَانٌ يَسْمَعُونَ بِهَا

(سورہ اعراف ۱۹۵)

بلکہ اگر مکھی ان سے کوئی شے لے کر بھاگ جائے تو وہ اس حقیر و ضعیف  
 سے اس قدر حقیر چیز بھی واپس لینے پر قادر نہیں۔

کما قال تعالیٰ :

وَإِنْ يَسْأَلُهُمُ الذُّبَابُ شَيْئًا لَّا يَسْتَنْقِذُوهُ مِنْهُ  
 ضَعْفَ الطَّالِبِ وَالْمَطْلُوبِ ۝ (سورہ حج ۷۳)

لیکن اپنے سے عاجز اور کمترین مخلوق کو خدائی درجہ دینے والوں نے  
 اس قدر بلند و بالا مقام و مرتبہ کے مالک اور امتیازی اوصاف و کمالات  
 سے موصوف و متصف حضرات کو اللہ تعالیٰ اور بندوں کے درمیان واسطہ  
 و وسیلہ و سفیر و رسول اور اس کا خلیفہ و نائب بھی تسلیم کرنا گوارا نہ کیا اور  
 ان کو دعوائے توحید و رسالت میں سچا ماہنے کو تیار نہ ہوئے اور اللہ تعالیٰ



کے اس عظیم انعام و احسان کی ناشکری کی انتہا کر دی۔

## بعض لالائے کے وارثوں کا کردار

لیکن اللہ تعالیٰ کی الوہیت و وحدانیت کے قائلین میں سے کچھ بد نصیب ایسے بھی تھے جنہوں نے کہا کہ رسل کرام اور انبیاء کرام کی کیا ضرورت ہے۔ ہماری عقل رسا اور فہم و فراست ہی صحیح اور غلط عقائد اور اچھے اور بُرے اعمال کی تمیز کے لیے کافی ہے اور بعض نے اس سے بھی دُور کی کوڑی لاتے ہوئے کہا کہ بعثت رسل کو بندگانِ خدا کے لیے ادا مردنواہی کے ساتھ مکلف ٹھہرانا لازم ہے اور ایسے اعمال شاذہ کے ساتھ مکلف ٹھہرانا اور مشغول رکھنا اللہ تعالیٰ کی ذات میں استغرات اور اس کی معرفت کے حصول میں انہماک سے مانع ہے اور اس کے حق میں جائز اور ممتنع امور کا فیصلہ کرنے اور ان کے متعلق غور و فکر کرنے میں مانع ہے اور یہ لوازم باطل و فاسد اور ناقابلِ تحمل اور ناگوار ہیں لہذا نبوت و رسالت بوجہ ان مفسد کے مستلزم ہونے کے محال ہے۔ ملاحظہ ہو شرح مواقف ص ۶۷۲ و شرح مقاصد ص ۱۷۵ ج ۲۔

اور بعض نے اپنے آپ کو مستغرق فی التوحید قرار دیتے ہوئے کہا:

الرسول سوی اللہ وکل ما سواہ فهو حجاب عنہ  
 جل شانہ فالرسول حجاب عنہ وکل ما هو  
 حجاب لاحابہ للخلق الیہ فالرسول



لا حاجة للمخلوق اليهم (روح المعاني ص ۵۵ جلد ۱۳)

یعنی رسل اللہ تعالیٰ کا غیر اور ماسوا ہیں اور ماسوا اللہ اس سے حجاب ہے لہذا رسل بھی اس سے حجاب اور باعثِ حرمان ہیں اور ہر وہ چیز جو اللہ تعالیٰ سے حجاب بنے مخلوق کو اس کی حاجت نہیں ہو سکتی لہذا رسل و انبیاء کی کوئی حاجت اور ضرورت نہیں ہے۔ العیاذ باللہ۔ حالانکہ یہ الحاد اور زندقہ ہے کیونکہ رسل کرام اللہ تعالیٰ تک رسائی اور وصول کا ذریعہ و وسیلہ ہیں اور اس کی صحیح معرفت اور پہچان کے لیے آئینہ حق نما ہیں اور کوئی عقلمند یہ باور نہیں کر سکتا کہ بادشاہ کا نائب مملکت اس کے لیے حجاب ہے لیکن انہوں نے بہر حال رسالت و نبوت کو بھی اللہ تعالیٰ کے لیے حجاب اور اس کی معرفت سے مانع قرار دے کر اسے شرک کا شعبہ بنا ڈالا۔ اور اس کے اقرار و اعتراف کو واجب اور لازم سمجھنے کی بجائے اس کے کفر و انکار کو واجب و لازم ٹھہرا دیا اور اللہ تعالیٰ کے لطف و کرم اور عظیم انعام و احسان کی ناشکری کی اور کفرانِ نعمت کیا۔

## درجہ جدید کے موحدین کی بیباکی و جسارت

اور اس قسم کے توحیدیوں میں سے وہ لوگ بھی ہیں جو ان کو طارش اور چٹھی رسال کا درجہ دیتے ہیں اور مزید کوئی مرتبہ و برتری ان کیلئے ماننے کو تیار نہیں بلکہ اس وقت تو وہ ہاتھ کی لاٹھی کو بھی نبی مکرم اور امام المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے زیادہ مفید اور کارآمد سمجھتے



ہیں۔ چنانچہ علامہ حسین احمد مدنی دیوبندی صاحب نجدیوں کے متعلق لکھتے ہیں:  
 ”شان نبوت اور حضرت رسالت علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام میں  
 وہابیہ نہایت گستاخی کے کلمات استعمال کرتے ہیں اور اپنے آپ کو مماثل  
 ذاتِ سرورِ کائنات خیال کرتے ہیں اور نہایت تھوڑی سی فضیلت زمانہ  
 تبلیغ کی مانتے ہیں اور اپنی شقاوتِ قلبی اور ضعف الاعتقادی کی وجہ سے  
 جانتے ہیں کہ ہم عالم کو ہدایت کر کے راہ پر لارہے ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ  
 رسول مقبول علیہ السلام کا کوئی حق اب ہم پر نہیں ہے اور نہ کوئی احسان  
 اور فائدہ ان کی ذاتِ پاک سے بعدِ وفات کے ہے اور اس وجہ سے توسل  
 و دعائیں آپ کی ذاتِ پاک سے بعدِ وفات ناجائز کہتے ہیں۔“

ان کے بڑوں کا مقولہ ہے معاذ اللہ معاذ اللہ ”نقل کفر کفر نباشد“  
 کہ ہمارے ہاتھ کی لاٹھی ذاتِ سرورِ کائنات علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ہم کو  
 زیادہ نفع دینے والی ہے۔ ہم اس سے کتے کو بھی دفع کر سکتے ہیں اور  
 ذاتِ فخرِ عالم سے تو یہ بھی نہیں کر سکتے۔ العیاذ باللہ تعالیٰ۔

(شہاب ثاقب ص ۱۲)

اب ذرا علماء دیوبند کے مقتدار و پیشوا اور ان کے مسلم ولی اللہ مولوی  
 اسماعیل دہلوی کی بارگاہِ نبوت میں جسارت و بیباکی اور بے ادبی و گستاخی  
 ملاحظہ فرمائیں =

۱۔ یقین جان لینا چاہیے کہ ہر مخلوق بڑا ہو یا چھوٹا وہ اللہ کی شان  
 کے آگے چار سے بھی ذلیل ہے۔ (تقویۃ الایمان ص ۱)



۲- یعنی جتنے پیغمبر آئے وہ اللہ کی طرف سے یہی حکم لائے ہیں کہ اللہ کو ماننے اور اس کے سوا کسی کو نہ مانے۔

(تقویۃ الایمان ص ۱۱)

۳- ہمارا جب خالق اللہ ہے اور اس نے ہم کو پیدا کیا تو ہم کو بھی چاہیے کہ اپنے ہر کاموں پر اسی کو پکاریں اور کسی سے ہم کو کیا کام جیسے جو کوئی ایک بادشاہ کا غلام ہو چکا تو وہ اپنے ہر کام کا علاقہ اسی سے رکھتا ہے دوسرے بادشاہ سے بھی نہیں رکھتا اور کسی چوہڑے چمار کا تو کیا ذکر ہے۔

(تقویۃ الایمان ص ۱۳)

۴- انبیاء و اولیاء کو جو اللہ نے سب لوگوں سے بڑا بنایا ہے سو ان میں بڑائی یہی ہوتی ہے کہ اللہ کی راہ بتلاتے ہیں اور بُرے بھلے کاموں سے واقف ہیں سو لوگوں کو سکھلاتے ہیں (تا) اور اس بات کی ان میں کچھ بڑائی نہیں کہ اللہ نے ان کو عالم میں تصرف کرنے کی کچھ قدرت دی ہو (تا) سب بندے بڑے اور چھوٹے برابر عاجز اور بے اختیار ہیں۔

(تقویۃ الایمان ص ۱۴)

۵- یعنی جو کچھ کہ اللہ اپنے بندوں سے معاملہ کرے گا خواہ دُنیا میں خواہ قبر میں خواہ آخرت میں سو اس کی حقیقت کسی کو معلوم نہیں نہ نبی کو نہ ولی کو نہ اپنا حال نہ دوسرے کا۔ (ص ۱۵)

۶- ان باتوں میں (سوداگری میں نفع، لڑائی میں فتح وغیرہ) سب بندے



بڑے ہوں یا چھوٹے سب یکساں بیخبر اور نادان ہیں۔

۷۔ یعنی اللہ سے زبردست کے ہوتے ہوئے ایسے عاجز لوگوں کو پکارنا کہ کچھ فائدہ اور نقصان نہیں پہنچا سکتے محض بے انصافی ہے کہ ایسے بڑے شخص کا مرتبہ ایسے ناکارہ لوگوں کو ثابت کیجیے۔

۸۔ جس کا نام محمد یا علی ہے وہ کسی چیز کا مالک و مختار نہیں۔ (ص ۲۸)

۹۔ اللہ کی شان بہت بڑی ہے کہ سب انبیاء اور اولیاء اس کے روبرو ایک ذرہ ناچیز سے بھی کمتر ہیں۔ (تقویۃ الایمان ص ۳۸)

۱۰۔ غیب کی بات اللہ ہی جانتا ہے رسول کو کیا خبر؟ (ص ۳۴)

۱۱۔ سارا کار و بار جہان کا اللہ تعالیٰ کے چاہنے سے ہی ہوتا ہے رسول کے چاہنے سے کچھ نہیں ہوتا۔ (ص ۳۱)

۱۲۔ یعنی انسان آپس میں سب بھاتی ہیں جو بڑا بزرگ ہو وہ بڑا بھاتی سو اس کی بڑے بھاتی کی سی تعظیم کیجیے۔ اولیاء و انبیاء امام اور امام زادے پیر اور شہید یعنی جتنے اللہ کے مقرب بندے ہیں وہ سب انسان ہی ہیں اور بندے عاجز اور ہمارے بھاتی۔ (ص ۴۲)

۱۳۔ یعنی میں بھی ایک دن مرکز مٹھی میں ملنے والا ہوں۔ (ص ۳۱)

۱۴۔ اور اگر غیب دانی میرے قابو میں ہوتی تو پہلے ہر کام کا انجام معلوم کر لیتا اور اگر بھلا معلوم ہوتا تو اس میں ہاتھ ڈالتا اور اگر بُرا معلوم ہوتا تو اس میں کاہے کو قدم رکھتا (گویا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بڑے کاموں میں بھی قدم رکھتے رہے ہیں۔) (العیاذ باللہ) (ص ۳۱)



۱۵۔ شیخ یا اس جیسے اور بزرگوں کی طرف خواہ جناب رسالتاً ہی ہوں اپنی ہمت کو لگا دینا اپنے بیل اور گدھے کی صورت میں مستغرق ہونے سے بدرجہا بدتر ہے۔

(صراطِ مستقیم فارسی ص ۸۶)

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں رحمۃ اللہ علیہ کی زبان میں ان عبارات کے متعلق اتنا عرض کرنا ہی کافی ہوگا۔

یہ ہے دین کی تقویت اس کے گھر اور یہ ہے مستقیم صراطِ شریعت

جو شقی کے دل میں ہے گاؤں خرتو زباں پر چوڑھا چار ہے

لیکن صرف یہ نہیں کہ مولوی اسمعیل صاحب نے ہی کلمہ پڑھانے والے

اور خدا تعالیٰ کا راستہ دکھلانے والے نبی کے احسان کا بدلہ اس انداز سے

چکایا بلکہ دیگر علماء دیوبند نے بھی اس کا ریشہ میں محرومی برداشت نہ کرتے

ہوتے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا ہے۔ چنانچہ مولوی خلیل احمد انبیٹھوی اور علامہ

رشید احمد گنگوہی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق یوں گوہر افشانی فرمائی:

۱۔ مجھے (محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) دیوار کے پیچھے کا علم نہیں ہے

۲۔ خود فخرِ عالم فرماتے ہیں وَاللّٰهُ لَا اَدْرِ مَا يَفْعَلُ بِي وَلَا بِكُمْ

المحدث۔ یعنی بجز مجھے معلوم نہیں میرے ساتھ کیا کیا جائے گا

اور نہ یہ کہ تمہارے ساتھ کیا کیا جائے گا۔

۳۔ الحاصل غور کرنا چاہیے کہ شیطان اور ملک الموت کا حال دیکھ کر

علم محیط زمین کا فخرِ عالم کو خلافِ نصوصِ قطعیہ کے بلا دلیل محض قیاسِ فاسدہ



سے ثابت کرنا شرک نہیں تو ایمان کا کون سا حصہ ہے۔ شیطان اور ملک الموت کو یہ وسعت نص سے ثابت ہوئی فخرِ عالم کی وسعتِ علم کی کونسی نص قطعی ہے؟

(براہین قاطعہ ص ۵۱)

اور علامہ اشرف علی تھانوی صاحب یوں رقمطراز ہیں :  
۴۔ پھر یہ کہ آپ کی ذاتِ مقدسہ پر علمِ غیب کا حکم کیا جانا اگر قبول زید صحیح ہو تو دریافتِ طلب یہ امر ہے کہ اس غیب سے مراد بعض غیب ہے یا کل غیب اگر بعض غیب مراد ہیں تو اس میں حضور ہی کی کیا تخصیص ہے ایسا علمِ غیب تو زید و عمرو بلکہ ہر صبی و مجنون بلکہ جمیع حیوانات اور بہائم کے لیے بھی حاصل ہے۔

(حفظ الایمان مصنفہ علامہ تھانوی صاحب ص ۵۱)

الغرض جو کچھ نجدیوں نے اسارت اور بے ادبی بارگاہِ رسالت مآب میں روارکھی اور اس کو بزعم خویش شرک سے بیزاری کا لازمی تقاضا اور توجید پر ثبات اور یقینِ کامل کا لازمی ثمرہ اور نتیجہ سمجھ لیا اسی طرح ان علما نے بھی جوشِ توجید میں اور شرک سے برارت و نزاہت کے زعم میں عظمتِ رسالت اور رفعتِ نبوت کو نظر انداز کرنا بلکہ اس مرتبہ و مقام اور منصبِ جلیل اور درجہ رفیع کی تنقیص اور توہین کو ضروری سمجھا اور اسے کمترین درجہ اور پست ترین مقام بنانے کی سعی نامشکور کی حالانکہ اگر انبیاء و رسل کے لیے بالعموم اور سید الرسل صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے بالخصوص صرف اور صرف لے صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم۔



یہ جہت اور پہلو احسان کا ہی ملحوظ رکھتے کہ اللہ واحد کا تعارف انہوں نے کرایا اور کفر و شرک کی خارزار وادیوں میں بھٹکنے سے بچاؤ کا سامان انہوں نے کیا تو بھی ایسی جسارت اور بیباکی کا مظاہرہ نہ کر سکتے اور اس بے ادبی اور گستاخی سے باز رہتے۔

اور تم پر میرے آقا کی عنایت نہ سہی

نجدیو کلمہ پڑھانے کا بھی احسان کیا

## ضرورتِ نبوت و رسالت

حالانکہ سلسلہ اسباب و مسببات کے تحت اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمتِ بالغہ سے کام لیتے ہوئے ان مقدس ہستیوں کی بعثت ہماری ہدایت و رہنمائی کے لیے ضروری سمجھی اور ان کی اتباع و اطاعت میں ہی ہماری بھلائی اور خیر خواہی کو مضمحل کرنا کیونکہ انسان مدنی بطبع ہے اور وہ اپنے معاملات میں خود کفیل نہیں بلکہ دوسروں کے تعاون و اشتراک کا محتاج ہے اسی لیے اس حکیم و دانا اور کارساز خداوند جل و علیٰ نے ہر شخص میں علیحدہ علیحدہ صلاحیت و استعداد و ولایت فرمائی اور ہر ایک کو کسی نہ کسی خاص شعبہ کی طرف مائل اور راغب فرمایا تاکہ ہر ایک کی ضروریات دوسروں کی معاونت سے پوری ہوتی رہیں۔ اگر ہر شخص آپ اناج پیدا کرنے لگے اور اس کے لیے ضروری آلات اور اسباب جمع کرنے لگے اور اپنے جوتوں اور لباس کی تیاری کا سامان بھی آپ کرنے اور بیماری کی صورت میں علاج معالجہ کا بھی اور مکان وغیرہ بھی



خود تعمیر کرے اور اس کے لیے مطلوب اینٹیں اور گاڈر اور ٹی آر وغیرہ بھی خود تیار کرے وغیرہ وغیرہ تو یہ ناممکن ہے اور اس کی زندگی وبال بن کر رہ جائے لہذا حکمت و دانائی کا تقاضا یہی ہے کہ تقسیم کار کر لی جائے اور زندگی کے لازمی تقاضے پورے کرنے میں ایک دوسرے کی معاونت کی جائے۔ اسی طرح عقائد و نظریات اور اعمال و اخلاق میں سے کونسا صحیح ہے اور کونسا غلط اور کونسا مفید ہے اور کونسا مضر اور کونسی شے حلال ہونی چاہیے اور کونسی حرام، کونسی مفید ہے اور کونسی مضر اس کے لیے ہر آدمی آپ تحقیق شروع کر دے تو زندگی ختم ہو جائے اور وہ دو تین عقائد و نظریات اور اعمال و اخلاق اور حلال و حرام اشیاء کے متعلق بھی حتمی رائے قائم نہ کر سکے تو اس عظیم تر مقصد کے لیے بھی مخصوص افراد درکار ہیں جو دوسروں کو اس جدوجہد اور محنت و مشقت اور کادش و کادش سے بچائیں اور ان کی رہنمائی کا ذمہ اٹھائیں۔

لہذا اللہ تعالیٰ نے ازراہ لطف و کرم اور جود و نوال چند قدسی نفوس اور نورانی اشخاص پیدا فرمائے اور ان کے دل و دماغ اور حواس و مشاعر کو عام لوگوں سے مختلف بنایا اور اپنی ذات اور ملائکہ کے ساتھ رابطہ و تعلق کے قابل بنایا اور انہیں عقائدِ حقہ اور اعمالِ صالحہ اور اخلاقِ حسنہ اور حلال و حرام اور طیب و خبیث اور پاک و پلید میں تمیز اور پہچان عطا فرمائی اور انہیں مخلوق کی ہدایت و رہنمائی اور قیادت و رہبری کا فریضہ سونپا اور لوگوں پر ان کی تقلید و اطاعت اور اقتدار و اتباع لازم فرمائی۔



کما قال تعالیٰ :

وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُولٍ إِلَّا لِيُطَاعَ بِإِذْنِ اللَّهِ

(سُورَةُ النَّارِ ۶۴)

ہم نے ہر رسول اور نبی صرف اور صرف اس لیے بھیجا کہ اس کی اللہ تعالیٰ کے امر اور اذن سے اطاعت کی جائے اور ان کے احکام کی تعمیل کی جائے۔

بالخصوص پیغمبرِ آخر الزمان صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو اعلیٰ ترین اختیارات اور تصرفات کے ساتھ مبعوث فرمایا اور ان کے حکم کو اپنا حکم، ان کے فیصلہ کو اپنا فیصلہ اور ان کی اطاعت کو اپنی اطاعت اور ان کے عصیان کو اپنا عصیان، ان کے کلام کو اپنا کلام، ان کی بیعت کو اپنی بیعت اور ان کے ہاتھ کو اپنا ہاتھ اور ان کے مارنے کو اپنا مارنا اور ان کے ادب و احترام کو اپنی عبادت اور انکی تعظیم و توقیر کو اپنی توحید و تقویٰ کا لازمی تقاضا قرار دیا۔ ان کی بارگاہ کی حاضری کو اپنی بارگاہ کی حاضری، اور ان کی طرف ہجرت کو اپنی طرف ہجرت قرار دیا اور اپنی بخشش کے حتمی حصول کے لیے محبوب کی شفاعت و سفارش کو ضروری اور لازمی قرار دیا اور ان کی عطا کو اپنی عطا اور ان کی منع کو اپنی منع ٹھہرایا۔

ان کا مالک و مولا ہو کر ان کی بارگاہ کے آداب خود سکھلاتے، کبھی اونچا بولنے سے منع کیا اور لا پرواہی سے پکارنے کو حرام ٹھہرایا اور خلاف درزی پر تمام اعمال برباد کر دینے اور سب محنت و مشقت اور کمائی



پروپانی پھیر دینے کی دھمکی دی اور کبھی ان کے حریم ناز میں داخل ہونے کے آداب بتلاتے اور ان کی ازواجِ مطہرات کے مرتبہ و مقام کو ملحوظ رکھنے اور انہیں ایذا پہنچانے سے اجتناب و احتراز کا حکم دیا اور کبھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ چلنے کا ادب اور سلیقہ سکھلایا اور کہیں ان کو اپنی طرف متوجہ کرانے کی کیفیتِ نذر اور خطاب سے آگاہ فرمایا اور کبھی ان کے بلاوے کی اہمیت اور فوری حاضری کے وجوب و لزوم پر روشنی ڈالی اور تغافل و سرد مہری اور لاپرواہی کے امکانات کا سدباب کیا وغیرہ وغیرہ جیسے کہ اہل علم اور قرآن و حدیث سے باخبر حضرات پر مخفی نہیں ہے۔ تاکہ لوگ ان کی عظمت و رفعت اور بلندی مقام و مرتبت کو ذہن نشین کر لینے کے بعد ان سے کما حقہ مستفید ہو سکیں اور ان کی اطاعت و اتباع کو اور غلامی و خدمت کو شرک اور منافی توحید و ایمان نہ سمجھنے لگیں بلکہ واضح فرما دیا کہ ان کی بعثت کے بعد انبیاء و رسل کو بھی ان کی اتباع و اطاعت اور ان کی پیروی اور اقتدار کے بغیر چارہ نہیں۔

کما قال تعالیٰ :

ثُمَّ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ  
لَتُؤْمِنُنَّ بِهِ وَلَتَنْصُرُنَّهُ

(آل عمران آیت ۸۱)

روزِ روشن کی طرح عیاں کر دیا کہ کسی بندے کا محب اور مخلص ہونا اور مطیع و فرمانبردار ہونا قابل اعتبار اور لائق اعتداد نہیں جب تک



اس محبوب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی غلامی کا طوق اس کے گلے میں نہ  
 ہوا اور اگر ان کی غلامی اور اطاعت کا قلاوہ گلے میں ڈال لیا تو پھر نہ صرف  
 یہ کہ اس کا محب ہونا قبول ہوگا بلکہ اس کو محبوب بنا لیا جائے گا اور حریمِ ناز  
 میں مسندِ تکریم پر بٹھایا جائے گا اور عرشِ بریں سے فرشتہ زمین تک اس کے  
 اس منصبِ رفیع اور مقامِ منیع کی جبریل امین علیہ السلام کے ذریعے منادی کرا  
 کر ساری مخلوق ارضی و سماوی اور خاکی و آبی، آتشیں اور ہوائی اور  
 روحانی اور نورانی کو اس کا محب بنا دیا جائے گا اور سب کے ہاں واجب الاحترام  
 والتعظیم اور مفترض التوقیر والتکریم بنا دیا جائے گا (جیسے کہ نصوص کلامِ مجید  
 اور احادیث صحاح سے ثابت اور اہل علم اور اباب دین و ایمان پر واضح ہے)۔  
 اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب علیہ السلام کا خالق و مالک ہونے کے باوجود  
 اپنے آپ کو ان کا محب گردانا اور پھر اس محبت کے تقاضے اس طرح  
 پورے کیے کہ ان کے قول کی عظمت اُجاگر کرتے ہوئے فرمایا:

وَقِيلَ يَا رَبِّ إِنَّ هَؤُلَاءِ قَوْمٌ لَا يُؤْمِنُونَ ۝ (الزخرف آیت ۸۸)

اور ان کی زندگانی کی اہمیت اُجاگر کرتے ہوئے فرمایا:

لَعَمْرُكَ إِنَّهُمْ لَفِي سَكْرَتِهِمْ يَعْمَهُونَ ۝

(الحج آیت ۷۲)

ان کے زمانہ سعادت نشان کی امتیازی نشانی ظاہر کرتے ہوئے فرمایا:

وَالْعَصْرِ ۝ إِنَّ الْإِنْسَانَ لَفِي خُسْرٍ ۝ - (سورہ عصر ۱-۲)



اور ان کے قدموں سے مساس کا شرف حاصل کرنے والی مکہ مکرمہ کی گلیوں کے ذرّہ ہائے خاک کی قدر و قیمت کو اس طرح نمایاں فرمایا :

لَا أُقْسِمُ بِهَذَا الْبَلَدِ ۚ وَأَنْتَ حِلٌّ بِهَذَا الْبَلَدِ ۚ

(سورہ بلد - ۱ -)

بلکہ ان کے پیاروں سے بھی پیار و محبت اور ان کی سواریوں بلکہ ان کے سموں سے لگنے والی مٹی اور سم پتھروں پر پڑنے سے اڑنے والی چنگاریوں کی قسم اٹھا کر اپنے دعویٰ محبت کو نبھایا اور ہمیں یہ درس اور سبق دیا اور تعلیم و تربیت فرمائی کہ محبت صرف محبوب تک محدود ہو تو دعوائے محبت خام اور ناتمام ہوتا ہے بلکہ محبوب کے آشناؤں محبوبوں اور غلاموں سے بھی بلکہ ان سے متعلق اشیاء بلکہ ان سے تعلق رکھنے والی مٹی اور غبار سے بھی محبت ضروری ہے۔ کما قال :

وَالْعُدِيَّتِ ضَبْحًا ۚ فَالْمُورِيَّتِ قَدْحًا ۚ فَالْمُغِيرَاتِ  
صُبْحًا ۚ فَالْمُؤَرَّتِ نَبْعًا ۚ فَالْمُؤَرَّتِ نَبْعًا ۚ فَالْمُؤَرَّتِ نَبْعًا ۚ

(سورہ عادیات - ۱)

ایمان و ایقان اور اسلام و اطاعت گزارمی اور اللہ تعالیٰ سے محبت کا یہ تقاضا ہرگز نہ تھا کہ ان مقبولانِ بارگاہ کے خیال کو العیاذ باللہ اپنے اوپر حرام کر لیا جاتے بلکہ گدھے اور بیل کے خیال میں استغراق سے اس محبوب کی طرف میلانِ قلب کو بدرجہا بدتر قرار دیا جائے اور اس توجہ اور صرف ہمت کو شرک ٹھہرایا جائے اور ان کو چار سے ذلیل سمجھ لیا جائے



اور مجبور و بے بس اور ذرّہ ناچیز سے کمتر قرار دیا جائے۔ نعوذ باللہ۔  
 ہر ادنیٰ سمجھ والا مسلمان جانتا ہے کہ والدین جو صرف جسمانی تربیت کا سبب  
 ہیں ان کا حق اولاد پر یہ ہے کہ انہیں اُف نہیں کہہ سکتے۔ جھڑک نہیں سکتے  
 بلکہ ان کے حضور نرم و دھیمے لہجہ میں بات کرنے کے پابند ہیں۔

کَمَا قَالَ تَعَالَى :

فَلَا تَقُلْ لَّهُمَا أُفٌ وَلَا تَنْهَرُهُمَا وَقُلْ لَهُمَا

قَوْلًا كَرِيمًا ۝ (بنی اسرائیل ۲۳)

تو جو ہستی مقدّس اور ذاتِ والا صفاتِ اسلام و ایمان اور سلوک و  
 وصول کا ذریعہ ہو اور عذابِ دوزخ سے نجات اور جنت کی ابدی رحمتوں  
 کے حصول کا وسیلہ ہو اور روحانی ترقی اور بارگاہِ صمدیت میں مسندِ کریم  
 پر جا بیٹھنے اور دارین میں عظمت و عزّت کے ساتھ مختص ہونے اور کونین میں  
 شرف و فضل کے ساتھ بہرہ ور ہونے کے کفیل و ضامن ہوں ان کا ادب  
 و احترام اور تعظیم و تکریم کس قدر لازم اور ضروری ہوگی اور جو رحیم و کریم  
 خداوندِ قدّوس ان مادی اور جسمانی وسیلوں کی ایذا و تکلیف اور اسارت  
 و بے ادبی گوارا نہیں فرماتا وہ ربِّ کریم اور خداوندِ قدّوس ایسے روحانی  
 اور نورانی وسائل و ذرائع اور وسائط کی ایذا و تکلیف اور بے ادبی و گستاخی  
 اور ان کے حضور جسارت و بیباکی کو کیونکر گوارا فرماتے گا بلکہ وہ اس کو اپنی  
 ایذا و اسارت و بے ادبی قرار دیتے ہوئے ایسے لوگوں کو اپنے  
 قہر و غضب کا نشانہ بناتے گا اور ان کے ساتھ اعلانِ جنگ کر کے انتہائی



ذلت و خواری کے ساتھ انہیں صفحہ ہستی سے مٹا کر رکھ دے گا۔ کما قال:

من عادى لي ولياً فقد اذنته بالحرب -

جب ولی کے ساتھ دشمنی رکھنے والوں کا انجام یہ ہے تو نبی الانبیاء

امام المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے گستاخوں اور بے ادبوں اور ان کے  
ایذار رسانوں کا انجام کیا ہوگا۔ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

من اذانى فقد اذى الله و من اذى الله فيوشك ان ياخذہ

جس نے مجھے ایذا دی اس نے اللہ تعالیٰ کو ایذا دی اور جس نے

اللہ تعالیٰ کو ایذا دی تو عنقریب اللہ تعالیٰ اس کو اپنے قہر و غضب کی

گرفت میں لے لے گا۔

(مشکوٰۃ ، فضائل صحابہ رضی اللہ عنہم)

اور اگر والدین اولاد کی پرورش اور تربیت جسمانیہ کے لیے محنت و

مشقت برداشت کریں اور مختلف النوع تکالیف اور شدائد کے متحمل ہوں تو

ان کے احسانات کا بدلہ چکانے کے لیے اللہ تعالیٰ اپنی عبادت کے وجوب

و لزوم کے ساتھ ہی ان کے ساتھ نیکی اور بھلائی اور اخلاص و خیر خواہی کا

حکم دیتے ہوئے فرماتے ، قال تعالیٰ :

وَقَضَىٰ رَبُّكَ أَلَّا تَعْبُدُوا إِلَّا إِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا ط

إِمَّا يَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ أَحَدُهُمَا أَوْ كِلَهُمَا فَلَا

تَقُلْ لَهُمَا أُفٍّ وَلَا تَنْهَرَهُمَا وَ قُلْ لَهُمَا قَوْلًا كَرِيمًا ۝

(سورہ بنی اسرائیل آیت ۲۳)



اور تیرے رب نے فیصلہ دے دیا ہے کہ نہ عبادت کرو مگر اس کی اور ماں  
 باپ کے ساتھ احسان کرو اور حُسن سلوک سے پیش آؤ۔ اگر ان میں سے ایک یا  
 دونو تمہاری موجودگی میں بڑھاپے کو پائیں تو انہیں اُف نہ کہو اور نہ سرزنش کرو  
 اور ان کے سامنے نرم انداز میں باتیں کرو اور ان کے لیے اذروئے مرحمت  
 تواضع اور انکساری کے پہلو اور بازو جھکاؤ اور دُعا کرتے ہوئے کہو اے  
 میرے پروردگار ان دونوں پر رحم فرما جیسے کہ انہوں نے صغیر سنی میں میری  
 تربیت کی۔

تو رسولِ معظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں دینِ اسلام عطا کرنے کے لیے  
 اور دوزخ کی دہکتی آگ سے بچانے کے لیے اور جنت کے ابدی راحتوں والے  
 مقام تک پہنچانے کے لیے اور بارگاہِ خداوندِ تعالیٰ تک پہنچانے اور اس  
 کے حریمِ قدس میں مسندِ کرامت پر بٹھانے کے لیے کیا کیا محن و  
 تکالیف اور مصائب و شدائد برداشت کیے، پتھر کھائے،  
 تلواروں کے وار سے، زخمی اور لہولہان ہوئے، وطن سے  
 بے وطن ہوئے اور شب و روز سجدہ میں گم کر ہماری مغفرت و بخشش  
 کے لیے دُعائیں فرمائیں اور اب بھی مزارِ پُر انوار میں دُعا گو ہیں جیسے  
 کہ فرمایا:

حیاتی خیر لکم و مماتی خیر لکم تعرض  
 علی اعمالکم فما کان من حسن حمدت اللہ  
 علیہ و ما کان من سئ استغفرت اللہ لکم -  
 (خصائص کبریٰ ص ۲۸۱ جلد ۲ اور الوفا لابن الجوزی ص ۸۰۹ ص ۸۱)



اور مغفرتِ ذنوب اور تکفیرِ سیئات اور عفوِ گناہ کے لیے دستِ بدعا  
 ہیں اور قیامت کے دن کبھی پل پر کبھی میزان کے پاس عاصیوں کی شفاعت  
 اور سفارش کے لیے موجود ہوں گے اور کبھی حوض پر دستِ کرم سے جامِ کوثر  
 پلا کر ہمیشہ کے لیے پیاس کی مشقت و محنت سے رہائی اور خلاصی دلانے  
 کے لیے کوشاں اور ساعی ہوں گے تو کیا ایسے رحیم و کریم، مرتبی اور محسن  
 اور ہی خواہ اور سراپا شفقت و رحمت نبی کا ادب و احترام اور عزت و  
 توقیر اور تعظیم و تکریم اللہ تعالیٰ کے نزدیک واجب و لازم نہیں ہوگی اور  
 کیا اللہ تعالیٰ ان کی توقیر و تکریم کو اپنی عبادت قرار دینے کی بجائے شرک  
 اور کفر قرار دے گا؟ نعوذ باللہ من ذلک۔ ہرگز ہرگز ایسا نہیں ہے  
 اور نہ ہو سکتا ہے۔

## بارگاہِ رسالت کے ادب و احترام کا وجوب لزوم

الغرض رسل کرام اور انبیاء عظام بلکہ تمام اولیاء کرام کا ادب و احترام  
 اور عزت و تکریم جانِ اسلام اور روحِ ایمان ہے اور تقویٰ و اخلاص کا  
 مغز اور زبدہ و خلاصہ ہے اور توحیدِ خداوند تعالیٰ کی شہادت اور اللہ تعالیٰ  
 کی عبادت رسالت کے اعتراف و تسلیم کے بغیر اور مقامِ نبوت کی تعظیم و تکریم  
 کے بغیر قطعاً قابلِ قبول اور لائقِ اعتبار نہیں اور نہ اس کا کوئی ثمرہ اور  
 نتیجہ برآمد ہو سکتا ہے بلکہ انکارِ رسالت انکارِ خداوند تعالیٰ کے مترادف  
 ہے۔ اسی لیے فرمایا:



وَمَا قَدَرُوا اللَّهَ حَقَّ قَدْرِهِ إِذْ قَالُوا مَا أَنْزَلَ اللَّهُ

عَلَىٰ بَشَرٍ مِّنْ شَيْءٍ ط (سورة الانعام ۹۱)

انہوں نے اللہ تعالیٰ کی قدر نہیں کی جبکہ انہوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے کسی بشر پر کوئی چیز نازل نہیں فرمائی۔

اور اگر ان کے حضور لا پرواہی سے کسی کی آواز ان کی آواز پر بلند ہو جائے یا ان کو عامیانا انداز میں مخاطب ٹھہرایا جاتے تو سارے اعمالِ صالحہ اور عبادتِ صحیحہ پر گاہ کی حیثیت نہ رکھیں اور بالکل رائیگاں اور برباد ہو کر رہ جائیں

کما قال تعالیٰ :

لَا تَرْفَعُوا أَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ وَلَا

تَجْهَرُوا لَهُ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ

أَنْ تَحْبَطَ أَعْمَالُكُمْ وَأَنْتُمْ لَا تَشْعُرُونَ ۝

(سورة الحجرات ۲)

اور طرفہ تلاشا یہ ہے کہ اس خسرانِ عظیم اور حرمانِ کبیر کا شعور و احساس بھی دنیا میں نہیں ہونے دیا جائے گا اور توبہ و انابت اور ندامت و پشیمانی کا موقعہ بھی نہیں دیا جائے گا اور صرف و صرف آخرت میں کشف و حجاب اور انکشافِ حقیقت ہوگا تاکہ تلافی و تدارک کی کوئی سبیل و صورت نہ اپنائی جاسکے اس مقام پر عقل و خرد اور ہوش و حواس کو اور فہم و فراست کو پوری طرح بروئے کار لا کر سوچنے کی ضرورت ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس قدر معظّم و مکرم اور مستحقِ آداب و تکریمات ہستیوں کو نظر انداز کرنے اور ان کے متعلق بے پرواہی و بے اعتنائی برتنے کا کوئی جواز ہو سکتا ہے؟



## گلدستہ توحید

علمائے دیوبند کی نظر میں کفار و مشرکین کی مخالفت کا حقیقی سبب

علامہ سرفراز کی نظر میں سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایذا رسانی کا سبب صرف اور صرف یہ تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے توحید کی اشاعت کیوں شروع کی اور اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کا پرچار کیوں کیا اور لا الہ الا اللہ کا اعلان کیوں کیا اور صحابہ کرام نے اس معاملہ میں آپ کا ساتھ کیوں دیا۔ بس اور کوئی وجہ نہیں تھی چنانچہ لکھتے ہیں :

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ تکالیف جو انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام کو دیں ان کا سبب علت اور وجہ کیا تھی؟ کیا آپ مشرکین کو اللہ تعالیٰ کی ہستی اور ذات منوانا چاہتے تھے اور وہ اس کا انکار کرتے تھے؟ قطعاً نہیں کیا آپ ان کے سامنے شریعت کے ادا کر یعنی نماز و روزہ اور زکوٰۃ و حج وغیرہ پیش کرتے تھے جن کے ماننے میں مشرکین کو تامل تھا؟ یہ بھی نہیں۔ تو کیا آپ ان کے سامنے نواہی یعنی شراب نکاح متعہ، بے پردگی، حرام جانوروں کے کھانے سے روکنا وغیرہ پیش کرتے تھے جس سے وہ رُک نہ سکتے تھے اور آپ کا مقابلہ کیا؟ لیکن یہ بھی نہیں تو کیا انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے جھوٹ سنا (العیاذ باللہ) جس کی پاداش میں مصائب کا یہ بے پناہ طوفان اُٹھ آیا؟ نہیں بالکل نہیں چنانچہ



تمام قبائل قریش نے متفقہ طور پر آپ سے عرض کیا ”ہم نے آپ سے صرف سچ ہی سنا ہے“ اور ایک روایت میں ہے کہ ہمارا تجربہ ہے کہ آپ نے کبھی جھوٹ نہیں کہا۔

(بخاری ص ۲۰۷ جلد ۲، مسلم ص ۱۱۴ جلد ۱)

بادشاہ روم نے جناب ابوسفیان سے دریافت کیا کہ انہوں نے کبھی جھوٹ بولا؟ حضرت رضی اللہ عنہ نے بھرے مجمع میں اقرار کیا کہ نہیں۔ اور اس نے دریافت کیا کہ کبھی غدر اور عہد شکنی کی ہے؟ تو انہوں نے کہا نہیں۔

(بخاری ص ۱ جلد ۱، مسلم ص ۹۷ جلد ۲)

آپ حیران ہوں گے پھر بات کیا تھی کہ مشرکین آپ کا ساتھ نہیں دیتے تھے ابو جہل نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ بے شک ہم جانتے ہیں کہ آپ صلہ رحمی کرتے ہیں اور باتیں بھی سچی کرتے ہیں۔ ہم آپ کو نہیں جھٹلاتے بلکہ اس چیز کو جھٹلاتے ہیں جس کو آپ لے کر آتے ہیں۔

(ترمذی ص ۱۳۲ جلد ۲ اور مستدرک ص ۳۱۵ ج ۲)

اور اس پر قرآن مجید میں مندرجہ ذیل ارشاد نازل ہوا:

قَدْ نَعْلَمُ إِنَّهُ لَيَحْزَنُكَ الَّذِي يَقُولُونَ فَإِنَّهُمْ لَا يُكَذِّبُونَكَ وَلَٰكِنَّ الظَّالِمِينَ بآيَاتِ اللَّهِ يَحْدُونَ

(سورہ النعام - ۳۳)

یعنی ہم کو معلوم ہے کہ تجھے غم میں ڈالتی ہیں ان کی باتیں سو وہ تجھ کو نہیں جھٹلاتے لیکن یہ ظالم تو اللہ تعالیٰ کی آیتوں کا انکار کرتے ہیں۔



مذکورہ حدیث اور قرآنی آیت سے معلوم ہوا کہ مشرکین خصوصاً ابو جہل  
 آپ کو سچا اور با اخلاق مانتے تھے۔ البتہ اللہ تعالیٰ کی آیتوں کا انکار کرتے  
 تھے۔ اس مضمون سے یہ بات بھی ثابت ہو گئی کہ ابو جہل وغیرہ مشرکوں کو  
 توحید سے عناد تھا نہ کہ ذاتِ رسول اور ان کے مکارم اخلاق سے۔



## گلشنِ توحید و رسالت

تکذیبِ آیاتِ تکذیبِ نبوت ہے اور تکذیبِ نبوت تکذیبِ الوہیت ہے، علامہ صاحب موصوف نے بڑی لمبی چوڑی تقریر کے بعد خلاصہ یہ نکالا کہ مشرکین کو نہ آپ کی ذات سے عناد تھا اور نہ آپ کے مکارمِ اخلاق سے بس صرف توحید سے عناد تھا اور یہی سبب اور باعث تھا تمام تر عدوت و دشمنی اور عناد و مخالفت کا اور بس اور علامہ صاحب نے ابوہبل کی حرف بحرف تصدیق کر دی حالانکہ معمولی سوجھ بوجھ والا شخص بھی اس حقیقت سے غافل اور بے خبر نہیں رہ سکتا کہ پورے قرآن یا اس کی کسی آیت کو جھٹلانا اور اسے کلامِ خداوندِ تعالیٰ تسلیم نہ کرنا اور اس کے معنی و مفہوم کو باطل اور غلط قرار دینا خود نبی کریم علیہ السلام کی تکذیب ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جھٹلانا ہے۔ ابوہبل کے نزدیک تو ذاتِ رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اور منصبِ رسالت اور کلامِ رسول اور کلامِ خداوندِ تعالیٰ الگ الگ ہو سکتا ہو گا اور ایک کی تکذیب دوسرے کی تکذیب نہیں ہوتی ہوگی لیکن ایک مسلمان اور مومن اور عالم و فاضل اور بزرگم خویش ماہر ترین محدث و مفسر ایسی حماقت کیسے کر سکتا ہے کہ قرآنِ کریم اور کلامِ خداوندِ تعالیٰ کی تکذیب کو رسولِ برحق صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تکذیب نہ مانے۔

نیز آیتِ کریمہ کا معنی و مفہوم بھی بالکل غلط سمجھا گیا اور اس کی تعبیر میں ہر سر



تحریف سے کام لیا گیا اور یہ بھی ساری نحوست ابو جہل کی تقلید و اتباع کی ہے  
 ورنہ آیت کریمہ کا مطلب اور مقصود و مدعا صرف اور صرف یہ ہے کہ آپ کو  
 کفار کے جھٹلانے سے پریشان اور مضطرب نہیں ہونا چاہیے کیونکہ وہ بحیثیت  
 رسول کے جب آپ کے قول و ارشاد کو جھٹلاتے ہیں تو وہ صرف آپ کو نہیں  
 بلکہ ہمیں اور ہماری آیات کو ہی جھٹلاتے ہیں اور یہ اندللا و اسلوب بالکل  
 وہی ہے جو اللہ تعالیٰ نے **وَمَا رَمَيْتَ إِذْ رَمَيْتَ وَ لَكِنَّ اللَّهَ**  
**رَمَىٰ ج** (سورة الانفال ۱۷) میں اختیار فرمایا یعنی تمہارا مارنا الگ نہیں اور  
 ہمارا مارنا الگ نہیں بلکہ تمہارا مارنا ہی اللہ تعالیٰ کا مارنا ہے اور جو اللہ تعالیٰ  
 نے فرمایا :

**إِنَّ الَّذِينَ يُبَايِعُونَكَ إِنَّمَا يُبَايِعُونَ اللَّهَ يَدُ اللَّهِ**  
**فَوْقَ أَيْدِيهِمْ ج**  
 (سورة الفتح ۱۰)

بیشک جو لوگ تمہارے ساتھ بیعت کرتے ہیں وہ صرف اور صرف  
 اللہ تعالیٰ کے ساتھ بیعت کرتے ہیں (نہ کہ غیر کے ساتھ) اللہ تعالیٰ کا ہاتھ  
 ان کے ہاتھوں پر ہے

**وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ ۗ إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ ۗ**

(سورة النجم ۳-۴)

وہ خواہشِ نفس سے نہیں بولتے بلکہ وہ قول تو صرف وحیِ الہی ہے جو  
 ان پر نازل کیا جاتا ہے یعنی قولِ نبوی قولِ خداوند تعالیٰ ہے۔ قولہ تعالیٰ:  
**فَانهَم لَا يَكْذِبُونَكَ** کا حقیقی معنی و مفہوم۔



۱۔ اور یہی معنی و مفہوم اس آیت کریمہ کا علامہ شبیر احمد عثمانی دیوبندی نے

بیان کیا ہے :

ان آیات میں آپ کو تسلی اور ان اشقیاء کو دھمکی دی گئی ہے کہ آپ ان کے اعراض اور تکذیب سے اس قدر دلگیر اور بے چین نہ ہوں۔ یہ لوگ جو تکذیب کر رہے ہیں فی الحقیقت آپ کو نہیں جھٹلاتے (تا) مکذبین کو یاد رکھنا چاہیے کہ ان کی جنگ حقیقہً محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات سے نہیں بلکہ رب محمد سے ہے جس نے ان کو اپنا سفیر اعظم اور معتمد علیہ بنا کر کھلے نشانات کے ساتھ بھیجا ہے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب ان خدائی نشانات کی تکذیب ہے۔

۲۔ علامہ نظام الدین نیشاپوری نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نہ جھٹلاتے

جانے اور آیات اللہ کے حجود و انکار میں بظاہر جو تعارض ہے اس میں تطبیق

دیتے ہوئے چار اقوال ذکر فرمائے جن میں سے ایک یہ ہے کہ یہ آیت کریمہ

قول باری تعالیٰ، ان الذین یبايعونک انما یبايعون اللہ کی مانند ہے اور دوسرا

قول یہ ذکر فرمایا کہ یہ آیت کریمہ : وَجَحَدُوا بِهَا وَاسْتَيْقَنَتْهَا اَنْفُسُهُمْ کی

مانند ہے یعنی علانیہ اور بظاہر آپ کی تکذیب بھی کرتے ہیں لیکن قلبی طور پر آپ

کی صداقت اور حقانیت دعویٰ کے معترف بھی ہیں اور تیسرا قول یہ ذکر کیا

ہے کہ وہ آپ کو کاذب نہیں کہتے کیونکہ عرصہ دراز سے آپ کے صدق کا

ان کو تجربہ ہے لکن جحدوا صحۃ نبوتک ورسالتک۔ لیکن

انہوں نے آپ کی نبوت و رسالت کے صحیح ہونے اور برحق ہونے کا انکار

۱۔ سورہ فتح آیت ۱۰ ۲۔ سورہ نمل آیت ۱۴۔



کیا ہے کیونکہ ان کا عقیدہ یہ ہے کہ انہیں عقلی نقص اور ذہنی فتور لاحق ہو گیا ہے اس لیے اپنے آپ کو رسول و نبی سمجھ لیا ہے ورنہ وہ قصد و ارادہ جھوٹا دعویٰ کرنے کا نہیں رکھتے تھے یا اس لیے کہ ان کے نزدیک آپ دیگر اقوال و افعال میں تو صادق و امین تھے مگر اس ایک دعویٰ میں سچے نہیں تھے اور چوتھا قول تفسیر کبیر کے حوالے سے یہ ذکر کیا ہے کہ وہ کفار صرف آپ کو نہیں جھٹلاتے بلکہ وہ معجزہ کی نبی کے صدق پر دلالت کے ہی منکر ہیں اور اس لیے تمام رسل و انبیاء کی تکذیب کرتے ہیں۔

۳۴۔ امام ابن جریر نے اس آیت کریمہ کی تفسیر کا آغاز ہی اس طرح کیا ہے  
 یقول اللہ تعالیٰ :

لنبيّه **مُحَمَّدٌ** صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَدْ نَعَلِمَ  
 يَا **مُحَمَّدُ** اِنَّهٗ يَحْزَنُكَ الَّذِي يَقُولُ الْمَشْرِكُونَ

وَذٰلِكَ قَوْلُهُمْ لَهٗ اِنَّهٗ كَذٰبٌ -

یعنی ہم جانتے ہیں اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کہ آپ کو حزن و ملال میں ڈالتا ہے جو کچھ مشرک کہتے ہیں اور وہ ہے ان کا قول کہ یہ کذاب ہیں اور بعد ازاں مشرکین کے دو گروہ قرار دیتے ہوئے فرمایا کہ ان میں بعض تو بالکل آپ کو جھٹلاتے تھے اور آپ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا کردہ اختصاصِ نبوت کی نفی کرتے تھے پس بعض آپ کو شاعر کہتے اور بعض ساحر اور بعض کاہن اور بعض مجنون کہتے تھے :

وینفی جمیعہم ان یکون الذی اتاہم بہ من



وحی السَّمَاءِ وَمَنْ تَنْزِيلِ رَبِّ الْعَالَمِينَ قَوْلًا -

اور یہ کفار و مشرکین سبھی اس پر متفق تھے کہ آپ جو کچھ ان کے پاس لائے وہ آسمانی وحی اور ربِّ العالَمین کا نازل فرمایا ہوا قول نہیں ہے۔

جبکہ دوسرا فریق وہ ہے جس کو قلبی طور پر آپ کے برحق نبی ہونے کا یقین ہے لیکن وہ حسد اور عناد کی بنا پر جمود و انکار کرتے ہیں اور ان کا حال اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کے مطابق ہے ”يَعْرِفُونَهُ كَمَا يَعْرِفُونَ آبْنَاءَهُمْ“ یعنی اہل کتاب آپ کو اس طرح جانتے ہیں اور کما حقہ عرفان رکھتے ہیں جیسے کہ اپنے بیٹوں کو جانتے ہیں مگر بائیں ہمہ منکر بھی ہیں۔

الغرض کسی مفسر نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تکذیب اور آیاتِ باری تعالیٰ کی تکذیب میں تفریق اور دوئی ثابت نہیں کی اور یہ تسلیم نہیں کیا کہ کفار کے نزدیک نبی مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تو سچے تھے مگر قرآن جھوٹا تھا العیاذ باللہ۔ بلکہ بقول سدی و ابن جریر آیات اللہ کا مصداق ہی رسول معظم ہیں اور تمام مفسرین کرام نے قولِ باری تعالیٰ وَ لَقَدْ كَذَّبْتَ رَسُولًا مِّنْ قَبْلِكَ فَصَبِرُوا (الایۃ) (سُورَةُ الْاِنْعَامِ - ۳۴) کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے نبی مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے تسلی اور اطمینان دلانے کا موجب قرار دیا ہے کہ آپ سے قبل رسل کرام کی تکذیب کی گئی اور انہوں نے صبر کیا اور اعلیٰ درجات حاصل کیے تو تم اس تکذیب پر صبر کرنے کے زیادہ لائق ہو کیوں کہ رسولِ خلاق ہو۔

فانت اولیٰ بهذا اسیرۃ لانک مبعوث الی کافۃ

لہ صلی اللہ علیہ وسلم۔



المخلاق فاصبر كما صبروا تظفر كما ظفروا نیشاپوری ص ۱۳۶۔

نیز قول باری تعالیٰ :

قَدْ نَعْلَمُ إِنَّهُ لَيَحْزَنُكَ الَّذِي يَقُولُونَ  
(سورة الانعام ۲۳)

تحقیق ہم جانتے کہ آپ کو حزن و ملال میں ڈالتا ہے وہ جو کفار و مشرکین

کہتے ہیں۔

تو اس کے متعلق بھی تمام مفسرین کرام یہی تصریح کر رہے ہیں کہ اس سے مراد ان کا آپ کو ساعر، شاعر، کاہن اور مجنون قرار دینا ہے اور آپ کے دین کو قبول نہ کرنے کا اعلان اور آپ کے دعوائے نبوت و رسالت کی تکذیب کرنا اور آپ کو جھٹلانا ہے۔

الحاصل علامہ صاحب نے اس آیت کریمہ کے ماقبل پر غور کیا اور نہ مابعد پر اور نہ خود اس حصہ پر نظر غائر ڈالی جس سے اپنا مطلب کشید کر سکی سعی ناتمام فرما رہے تھے اور نہ ہی اقوال مفسرین کو حتیٰ کہ اپنے علماء کے اقوال تفسیریہ کو بھی مد نظر نہ رکھا اور نہ ہی لائق اعتناء اور قابل اعتبار سمجھا صرف ابوہل کے قول پر اپنے دعوائے کی بنیاد رکھ لی اور درحقیقت سمجھ اس کو بھی نہ سکے کیونکہ اس کا مطلب یہ تھا کہ اگر ہم ان کے دعوائے نبوت و رسالت کی تائید و تصدیق کر دیں تو ان کی بالادستی اور فوقیت برتری تسلیم کرنا پڑے گی، اور فی الواقع سچے ہوں تو بھی ہم ان کی نبوت و رسالت کو کبھی بھی برحق نہیں مانیں گے اور ہر حال میں اس کو جھٹلانے اور اس کے رد و انکار میں پوری قوت صرف کر دیں گے۔



لہذا علامہ صاحب کا یہ نتیجہ برآمد کرنا کہ مشرکین بالعموم اور ابوہل، بخصوص آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سچا اور بااخلاق مانتے تھے اور ان کو صرف توحید سے عناد تھا نہ کہ ذاتِ رسول اور ان کے مکارم اخلاق سے یہ سراسر تحکم اور سینہ زوری ہے اور اللہ تعالیٰ کے کلام میں تحریف و تبدیلی ہے اور واقعات و حقائق سے دیدہ دانستہ آنکھیں بند کرنے اور دیانت و امانت کا منہ چڑانے کے مترادف ہے۔

## کیا کفار و مشرکین کو رسالتِ نبوی سے عناد نہیں تھا؟

۱۔ کیا انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنے جیسا بشر قرار دے کر آپ کی نبوت و رسالت کا دعویٰ رد نہیں کیا تھا؟ قال تعالیٰ:

وَاسْرُوا النَّجْوَى الَّذِينَ ظَلَمُوا هَلْ هَذَا إِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ

(سورة الانبياء۔ ۳)

قال تعالیٰ:

وَمَا مَنَعَ النَّاسَ أَنْ يُؤْمِنُوا إِذْ جَاءَهُمُ الْهُدَىٰ  
إِلَّا أَنْ قَالُوا أَبَعَثَ اللَّهُ بَشَرًا رَسُولًا ۝

(سورة بنی اسرائیل۔ ۹۴)

۲۔ کیا انہوں نے نبی کریم علیہ السلام کے ساتھ مساوات کا دعویٰ کرتے

ہوتے اپنے نبی و رسول بناتے جانے کا مطالبہ نہیں کیا تھا اور نبوت نہ

ملنے کی صورت میں ان کی نبوت کو نہ ماننے کا اعلان نہیں کیا تھا؟

لہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔



قال تعالى :

وَإِذْ جَاءَتْهُمْ آيَةٌ قَالُوا لَنْ نُؤْمِنَ بِكَ حَتَّىٰ نُؤْتَىٰ  
مِثْلَ مَا أُوتِيَ رُسُلُ اللَّهِ ۗ اللَّهُ أَعْلَمُ حَيْثُ  
يَجْعَلُ رِسَالَتَهُ ۗ

(سُورَةُ النَّعَامِ - ۱۲۳)

۳۔ کیا کفارِ مکہ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر مکہ مکرمہ اور  
طائف کے روسار کو فوقیت دیتے ہوئے یہ نہیں کہا تھا۔ قال تعالى :

وَقَالُوا لَوْلَا نُزِّلَ هَذَا الْقُرْآنُ عَلَىٰ رَجُلٍ مِّنَ  
الْقُرَىٰ بَيْنِ عَظِيمٍ ۝

(سُورَةُ زُحُرْفٍ - ۳۱)

اور آپ پر نازل ہونے والے قرآن کے لیے آپ کی اہلیت و استعداد  
کو محلِ تنقید اور نشانہ تضحیک نہیں بنایا تھا ؟

۴۔ کیا کفارِ مکہ نے آپ کو شاعر اور قرآن مجید کو شعر نہیں کہا تھا :

قال تعالى :

أَمْ يَقُولُونَ شَاعِرٌ ۗ نَّتَرَبَّصُ بِهِ رَيْبَ الْمَنُونِ ۗ (سُورَةُ طٰوٰهٍ - ۳)

۵۔ کیا کفارِ عرب اور مشرکینِ مکہ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی لائی ہوئی

کتاب اور وحی کو بیہودہ خواب و خیال اور من گھڑت کلام اور شعر قرار نہیں

دیا تھا۔ قال تعالى :

بَلْ قَالُوا أَضْغَاثٌ أَحْلَامٍ ۗ بَلْ افْتَرَاهُ بَلْ هُوَ شَاعِرٌ مُّجْتَمِعٌ

(سُورَةُ الْأَنْبِيَاءِ - ۵)

اور کیا شاعروں کو گمراہوں کا مقتدار پیشوا نہیں کہا گیا۔ قال تعالى :



وَالشُّعْرَاءُ يَتَّبِعُهُمُ الْغَاوُونَ ۝

(سورة الشعراء ۲۲۴)

۶۔ کیا ابوجہل اور اس کی پارٹی نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جادوگر

اور ساحر نہیں کہا تھا؟ اور کلام مجید کو سحر سے تعبیر نہیں کیا تھا؟ :

هَلْ هَذَا إِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ أَفَتَأْتُونَ السِّحْرَ

وَأَنْتُمْ تَبْصِرُونَ ۝

(سورة انبیاء ۳)

جبکہ عمل سحر کو قرآن مجید نے کفر سے تعبیر کیا ہے۔ قال تعالیٰ :

إِنَّمَا نَحْنُ فِتْنَةٌ فَلَا تَكْفُرْ ط

(سورة البقرہ ۱۰۲)

نیز سحر کہنے کے ساتھ ساتھ کلام مجید کو انسان کا بنایا ہوا کلام قرار

دیا اور کہا :

فَقَالَ إِن هَذَا إِلَّا سِحْرٌ يُؤْتِيهِمْ ۝ إِن هَذَا إِلَّا قَوْلُ الْبَشَرِ ط

(سورة مدثر ۲۴)

۷۔ کیا کفار و مشرکین نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جنات کے ساتھ

رابطہ رکھ کر غیبی خبریں بتانے والے اور ان کے جھوٹ موٹ پر اعتماد کرنے،

والے قرار نہیں دیا تھا؟

۸۔ کیا انہوں نے آپ کو مجنون اور دیوانہ نہیں کہا تھا؟ جس کا رد کرتے

ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا :

فَذِكْرٌ فَمَا أَنْتَ بِمَجْنُونٍ وَلَا بِمُجْنُونٍ ط

(سورة طور ۲۹)

نیز فرمایا : وَلَا يَقُولُ كَاهِنٌ قَلِيلًا مَّا تَدَّكُرُونَ ۝

(سورة الحاقة ۴۲)



اور ارشادِ باری تعالیٰ ہے :

وَمَا أَنْتَ بِنِعْمَةِ رَبِّكَ بِمَجْنُونٍ ۚ وَإِنَّ لَكَ لَأَجْرًا  
غَيْرَ مَمْنُونٍ ۚ وَإِنَّكَ لَعَلَىٰ خَلْقٍ عَظِيمٍ ۝ (سورہ قلم ۲)

ہم حیران ہیں کہ قرآن مجید کے صریح نصوص سے کفار و مشرکین کے اس قدر سنگین الزامات اور افتراءات نبی مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حق میں ثابت ہونے کے باوجود علامہ صاحب کو یہ دعویٰ کرنے کی جرأت و جسارت کیسے ہوتی کہ ان کفار و مشرکین کو نہ ذاتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عناد تھا اور نہ ان کے مکارمِ اخلاق سے کیا شاعر و ساعر اور کاہن و مفری اور مجنون و دیوانہ ہونا سبھی مکارمِ اخلاق ہیں اور رسول کی ذاتِ والا میں ان کا پایا جانا درست اور قابلِ تسلیم ہے۔

بسوخت عقل زحیرت کہ ایں چہ بو العجبی ست

اور اگر یہ مکارمِ اخلاق ہیں تو اللہ تعالیٰ کا رسولِ معظم صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کی نفی کرنا اور ذاتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اس گرو و غبار سے محفوظ و معصوم ہونے کا دعویٰ غلط ہونا چاہیے۔ العیاذ باللہ۔ حالانکہ وہ قسمیں اٹھا کر ان عیوب و نقائص کی نفی کر رہا ہے اور ان کے برعکس آپ کے لیے روز افزوں اجر اور خلقِ عظیم پر غلبہ و تسلط ثابت فرما رہا ہے۔ لہذا علامہ سرفراز صاحب نے یہ دعویٰ کر کے صرف اہل اسلام پر ہی نہیں بلکہ خود اپنی جان پر بھی ظلمِ عظیم کیا ہے۔ اور دانستہ یا نادانستہ طور پر قرآن مجید اور اللہ تبارک و تعالیٰ کو جھٹلانے کی سعی نامشکور اور جہد نامسعود



فرمائی ہے۔

## علامہ صاحب کی معذوری

لیکن ہم علامہ صاحب کو مشرکین و کفار کی وکالت اور ترجمانی میں معذور سمجھتے ہیں کیونکہ اگر علماء دیوبند کے اکابرین نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور دیگر معلمین کو چار سے ذلیل اور ناکارہ لوگ جان کر اور ذرہ ناچیز سے کمتر اور مجبور و بے بس اور اپنے انجام سے بھی بیخبر اور مرمر مٹی میں ملنے والے مان کر اور شیطان سے بھی علم میں کمتر اور ان کے تصور و خیال کو گدھے اور بیل کے خیال سے بدرجہا بدتر مان کر اور آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا علم بچوں، پاگلوں اور حیوانات کی مانند تسلیم کر کے بھی انتہائی کامل مومن اور متادب اور سراپا خلوص اور مجسمہ محبت و عقیدت ہیں تو وہ لوگ کافر و مشرک ہو کر ایسے کلمات کہہ دیں تو انکا ذاتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے مکارم اخلاق سے عناد کیسے ثابت ہو سکتا ہے؟ ولقد صدق اللہ تبارک و تعالیٰ :

وَكَذَلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا شَاطِئِينَ  
الْإِنْسِ وَالْجِنِّ يُوحِي بَعْضُهُمْ إِلَى بَعْضٍ زُخْرَفَ  
الْقَوْلِ غُرُورًا وَلَوْ شَاءَ رَبُّكَ مَا فَعَلُوهُ فَذَرْهُمْ  
وَمَا يَفْتَرُونَ ۝

(سورہ انعام ۱۱۳)

اور ایسے ہی بناتے ہم نے دشمن پہلے ہر نبی کے انسانوں اور جنوں،



میں سے شیطان القا کرتے ہیں ان میں سے بعض طرف بعض کے طمع شدہ باتیں بطور دھوکہ دہی کے اور اگر اللہ تعالیٰ چاہتا (ان کا اس طرح نہ کرنا) تو وہ نہ کرتے لہذا چھوڑو ان کو ان کے بہتان تراشی والے حال پر

## کیا مشرکین کو صرف توحید سے عناد تھا؟

علامہ صاحب موصوف کی ساری تک و دو اور جد و جہد اور سعی و کوشش یہ ہے کہ کفار عرب کو صرف توحید کا معاند اور مخالف ثابت کیا جائے اور بس حالانکہ وہ سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رسالت کے معاند و مخالف تھے اور کسی بھی بشری صورت والی قدسی صفات اور توری نہاد شخصیت کو رسول اور نبی ماننے کو تیار نہ تھے اور ان کی کھوپڑی میں یہ بات سما بھی نہیں سکتی تھی کہ صورت بشری میں بھی نور آسکتا ہے؟ اس لیے ہر دور کے مشرک انکار رسالت کی بنیاد اسی واہمہ پر رکھتے رہے:

إِنَّكُمْ إِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا (سورہ ابراہیم آیت ۱۱) اَبَعَثَ اللَّهُ

بَشَرًا رَسُولًا (سورہ اسراء آیت ۹۵) مَا هَذَا إِلَّا بَشَرٌ

مِثْلَكُمْ لَا يُرِيدُ أَنْ يُتَفَضَّلَ عَلَيْكُمْ (سورہ مؤمنون ۲۲)

مَا هَذَا إِلَّا بَشَرٌ مِثْلُكُمْ يَا كُلِّ مِمَّا تَأْكُلُونَ (مؤمنون ۳۳)

(فقالوا ابشر يهودونا فكفروا وتولوا وعنيد

ذلك من الايت) -

اور اللہ تعالیٰ نے بار بار اپنی طرف سے اور رسل کرام کی زبانی اس



شائبہ اور توہم کا ازالہ فرمایا کہ بشریت اور رسالت میں کوئی منافات نہیں ہے لہذا یہ بظاہر تمہاری طرح بشر ہونے کے باوجود اپنے نورانی باطن اور امتیازی صلاحیتوں کی وجہ سے رسالت کے لائق ہیں اور اللہ تعالیٰ نے ان کی اسی امتیازی حیثیت کی وجہ سے ان کو یہ منصب سونپا ہے۔ قال تعالیٰ:

اللہ اعلم حیث يجعل رسالتہ -

اور چونکہ افاضہ و استفاضہ کے لیے قانونِ قدرت کے تحت باہمی مناسبت ضروری ہے اس لیے ہم اگر نوری فرشتہ کو بھی رسول بنا کر بھیجیں تو ظاہری شکل اس کی بھی بشری ہی ہوگی۔ کما قال تعالیٰ:

قُلْ لَوْ كَانَ فِي الْأَرْضِ مَلَائِكَةٌ يَّمْشُونَ  
مُطْمَئِنِّينَ لَنزَّلْنَا عَلَيْهِم مِّنَ السَّمَاءِ مَلَكًا  
رَّسُولًا ۝ (سورہ اسرار ۹۵)

یعنی اگر زمین میں فرشتے آباد ہوتے تو ان کے لیے رسول بھی فرشتہ اتارتے لیکن چونکہ تم انسانوں کی ہدایت مطلوب ہے، لہذا:

وَلَوْ جَعَلْنَاهُ مَلَكَ جَعَلْنَاهُ رَجُلًا وَلَلَبَسْنَا  
عَلَيْهِمْ مَا يَلْبَسُونَ ۝ (سورہ انعام ۹)

اگر رسول فرشتہ کو بھی بنائیں تو اس کی ظاہری صورت مردوں والی اور فردِ انسانی والی ہی بنائیں اور ان پر وہی التباس و اشتباہ ڈالیں گے جس میں وہ اب مبتلا ہیں اور اس قانونِ قدرت کا بیان 'قولِ باری تعالیٰ:

فَارْسَلْنَا إِلَيْهَا رُوحَنَا فَتَمَثَّلَ لَهَا بَشَرًا سَوِيًّا ۝ (سورہ مریم آیت ۱۷)



سُورہ مریم میں ہے کہ حیریل امین علیہ السلام اللہ تعالیٰ سے حضرت مسیح  
 کلمۃ اللہ والا تحفہ وصول کر رہے تھے تو بشری حالت اپنانے کی ضرورت  
 محسوس نہ ہوئی مگر جب حضرت مریم علیہا السلام کو وہ امانت سونپنے لگے  
 تو کامل، مکمل بشر بن کر سوئپی۔

نوٹ : اس مسئلہ پر مفصل و مدلل بحث ہماری کتاب "تنویر الابصار"  
 میں ملاحظہ فرمادیں۔ یہاں صرف یہ بتلانا ہے کہ کفار کو صرف اللہ تعالیٰ  
 کی توحید سے ہی نہیں بلکہ رسولوں سے بھی عناد تھا۔

## کفار کے معاندانہ اعتراضات

۱۔ اور اللہ تعالیٰ پر انہیں یہ اعتراض تھا کہ اگر اس نے یمیم ابوطالب  
 کو رسالت دی ہے تو ہم مکہ کے چودھریوں کو کیوں نہیں دی اور ان کو فقر  
 و درویشی کے باوجود نبوت مل گئی تو طائف اور مکہ میں بسنے والے کسی ہزار  
 کو کیوں نہیں ملی۔ پھر اس نے فرشتہ کو رسول بنا کر کیوں نہ بھیج دیا۔ کیا ضروری  
 تھا کہ ہمیں ایک انسان اور بشر کا غلام بنانا اور اس کا محتاج ٹھہرانا؟

۲۔ نیز کفارِ مکہ کو قرآن مجید پر اعتراض تھا:

إِنْ هَذَا إِلَّا قَوْلُ الْبَشَرِ (سورہ مدثر ۲۵)

یہ انسانی کلام ہے۔ اِنْ هَذَا إِلَّا قَوْلُ الْبَشَرِ (سورہ الانفال ۳۱)

کہانیاں ہیں۔ لَوْ نَشَاءُ لَقُلْنَا مِثْلَ هَذَا (سورہ الانفال ۳۱)

اگر چاہیں تو ہم بھی اس طرح کا قرآن بنا لیں۔ لَوْ لَا نَزَّلَ عَلَيْهِ الْقُرْآنُ



جُمَّلَةً وَوَاحِدَةً ۚ (سُورَةُ فِرْقَانٍ ۳۲) اگَر یہ اللہ تعالیٰ کا نازل کیا ہوا ہے تو اکٹھا کیوں نہیں نازل ہوا تھوڑا تھوڑا کر کے کیوں نازل ہوتا ہے، وغیرہ وغیرہ، جس کا اللہ تعالیٰ نے متعدد مقامات پر رد فرمایا اور انکو مختصر ترین سُورت کی مثل لانے سے بھی عاجز ثابت کر کے قرآن کی حقانیت واضح کی۔

۳۔ علاوہ ازیں وہ عذاب و ثواب، دوزخ و جنت و حشر نشر اور قیامت و رستاخیز کے بھی مُنکر تھے اور گلی سڑی ہڈیوں کا جی اٹھنا ان کا ذہن قطعاً قبول نہیں کرتا تھا اور اس نظریہ پر انہوں نے بہت تعجب اور حیرت کا اظہار کیا۔ کما قال:

مَنْ يُحْيِي الْعِظَامَ وَهِيَ رَمِيمٌ ۝ (سُورَةُ الْيُسُفٰى ۷۸)

اِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا اَنَا لَفِي حَلْقٍ جَدِيدٍ وَغَيْرِ ذَلِكَ  
بلکہ اس نظریہ کی تبلیغ و اشاعت پر انہوں نے رسولِ معظم صلی اللہ علیہ وسلم کو اقرار پر داز، بہتان تراش اور مجنون ہونے کا طعنہ دیا۔ کما قال تعالیٰ:  
وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا هَلْ نَدُلُّكُمْ عَلَىٰ رَجُلٍ يُنْبِئُكُمْ  
اِذَا مَزِجْتُمْ كُلَّ مُمَدَّقٍ ۚ اِنَّكُمْ لَفِي حَلْقٍ جَدِيدٍ ۚ

(سُورَةُ سَبَا ۷۷)

اَفْتَرَىٰ عَلَىٰ اللّٰهِ كَذِبًا اَمْ يَهْتَدِيْ بِهٖ جِنَّةٌ ۗ بَلِ الَّذِيْنَ  
لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ فِي الْعَذَابِ وَالضَّلٰلِ الْبَعِيْدِ ۝

(سُورَةُ سَبَا ۷۸)

اور کافروں نے کہا کیا ہم تمہیں ایسے شخص کی طرف رہنمائی کریں جو



تمہیں خبر دیتا ہے کہ جب تم تمام تر ممکنہ ذرات اور ریزوں میں تبدیل کر دیتے جاؤ گے تم نے نئی تخلیق میں ڈھلنا ہے۔ کیا اس شخص نے اللہ تعالیٰ پر افتراء اور بہتان سے کام لیا ہے یا اس کو سودا اور جنون ہے (کچھ بھی نہیں) بلکہ آخرت پر ایمان نہ لانے والے عذاب میں ہیں اور راہِ راست سے بہت دُوری اور گمراہی میں ہیں ان کی ہر وقت رٹ یہی تھی :

ان ہی الاحیاءنا الدُّنیا نموت ونحیٰ

بس یہی دنیوی زندگی ہے مریں گے اور زندہ رہیں گے (اس دنیا میں) شہداء کرام کی حیات اور ان کے رزق دیتے جانے کو اور ابدی نعمتوں اور راحتوں سے بہرہ ور ہونے کو وہ خام خیالی اور توہم پرستی اور شاعرانہ تخیلات سے تعبیر کرتے ہوئے قرآن کریم کو شعر اور نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو شاعر کہتے تھے جس کا اللہ تعالیٰ نے متعدد جگہ پر رد فرمایا۔

۴۔ نیز وہ تقدیر اور قضا و قدر کے بھی قائل نہیں تھے اسی لیے ملائکت کو گردشِ زمانہ کی طرف منسوب کر دیتے تھے۔ کما قال تعالیٰ :

وَمَا يَهْلِكُنَا إِلَّا الدَّهْرُ ۚ  
(سورہ جاثیہ ۲۴)

اور اللہ تعالیٰ کی رزاقی پر بھی اعتماد نہیں رکھتے تھے اسی لیے رزق میں تنگی اور فقر و فاقہ کے خوف کے تحت اولاد کا قتل روا سمجھتے تھے۔

کما قال تعالیٰ :

وَلَا تَقْتُلُوا أَوْلَادَكُمْ خَشْيَةَ إِمْلَاقٍ ۖ بَلْ مَنَعُ

تَرْزُقُهُمْ وَإِيَّاكُمْ ۗ  
(سورہ بنی اسرائیل ۳۱)



اور بعض بچیوں کی ولادت کو عار سمجھتے ہوئے ٹھکانے لگا دیتے جو اللہ تعالیٰ کی تقدیر اور قضا و قدر پر ناپسندیدگی اور نفرت و کراہت کا اظہار کیا ہے

۵۔ پھر اللہ تعالیٰ کے لیے بیٹیاں ثابت کرتے اور ملائکہ کو بنات اللہ مانتے تھے گویا اللہ تعالیٰ کی بھی توہین اور ملائکہ کی شان میں بھی اسارت و بے ادبی کا ارتکاب کرتے تھے۔ جن بچیوں سے خود نفرت و کراہت کا اظہار کرتے تھے انہیں کا اللہ تعالیٰ کے لیے اثبات کر کے غیر منصفانہ تقسیم کے مرتکب ہوتے تھے۔ کما قال تعالیٰ :

تِلْكَ إِذْ أَسْمَةُ ضَيَّرِي ۝ (سورہ نجم ۲۲)

۶۔ نیز اللہ تعالیٰ کو تمام کائنات کے انتظام و انصرام میں عاجز و بے بس سمجھتے ہوئے اس کے معاونین و مددگار فرض کر رکھے تھے۔ اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اعلان توحید پر حیرت و استعجاب کا اظہار کرتے تھے اور اکیلے خداوند تعالیٰ کو اتنی وسیع کائنات میں قدیر و مقدر مدبّر اور متصرف مطلق ماننے کو تیار نہ تھے۔

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی فرماتے ہیں :

كان ضلالهم الشرك والتشبيه والتحريف  
وانكار المعاد واستبعاد رساله صلى الله عليه وسلم  
وشيوع الاعمال القبيحة والمظالم فيما  
بدينهم وابتداع الرسوم الفاسدة واندراس

العبادات - (الفوز الكبير)



یعنی کفارِ عرب کی ضلالت و گمراہی یہ اشیاء تھیں، شرک اور تشبیہ یعنی اللہ تعالیٰ میں بشریت کا اثبات اور تحریف یعنی ملتِ حنیفیہ کو بت پرستی وغیرہ میں بدلنا اور عمرو بن لُحی کی اتباع کرنا اور قیامِ قیامت کا انکار کرنا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کو مستبعد سمجھنا اور خلافِ عقل قرار دینا نیز اعمالِ قبیحہ اور مظالم کا عام ہونا اور رسومِ فاسدہ کا اختراع کرنا اور عبادات کا مٹ جانا۔

لہذا ان کی گمراہی اور ضلالت کو صرف شرک اور انکارِ توحید میں منحصر کرنا بالکل لغو اور باطل ہے۔

اگر ان کی طرف سے یہ مطالبہ کیا گیا تھا کہ اس قرآن کی بجائے کوئی دوسرا قرآن لا دیا اسمیں تغیر و تبدل کرو۔

قال تعالیٰ : **وَإِذَا نُنزِلُ عَلَيْهِمْ آيَاتُنَا بَيِّنَاتٍ  
قَالَ الَّذِينَ لَا يَرْجُونَ لِقَاءَنَا إِنَّا بِقُرْآنٍ غَيْرِ هَذَا  
أَوْ بَدِّلْهُ** ط  
(سورہ یونس ۱۵)

اور جب ان پر ہماری آیاتِ بیّنات تلاوت کی جائیں تو ہماری ملاقات کی امید نہ رکھنے والے اور مرنے کے بعد زندہ ہونے کے منکر کہتے ہیں اس کے علاوہ کوئی دوسرا قرآن لا دیا اس کو تبدیل کر دو، تو اس کا لازمی نتیجہ یہ کیونکر ہو گیا کہ وہ صرف توحیدِ خداوند تعالیٰ پر مشتمل آیات سے بیزاری کا اظہار کرتے تھے اور بس۔ کیا دیگر شدید بد عقیدگیاں ان میں موجود نہیں تھیں اور وہ ان کو آسانی سے چھوڑ سکتے تھے؟ کیا



کیا آیات بینات صرف توحید پر مشتمل آیات ہی ہیں؟ نیز قرآن مجید کے اس عام کو کس دلیل قطعی سے مخصوص ٹھہرایا جا رہا ہے؟ پھر الذین لایرجون لقاءنا کیوں فرمایا گیا مشرکوں اور الذین یعبدون غیر اللہ وغیرہ صریح الدلالت الفاظ کیوں نہ ذکر کر دیتے گئے؟ لہذا یہ سب کچھ علامہ سرفراز صاحب کی اختراع ہے اور محض منصب رسالت کو غیر اسم کن ایمانی ثابت کرنے کی مذموم کوشش ہے ورنہ کسی بھی صاحب علم پر یہ حقیقت مخفی نہیں ہے کہ توحید کا اقرار و اعتراف بغیر رسالت کے اقرار و اعتراف کے بے نتیجہ اور بے فائدہ ہے اور کسی بھی حتمی طور پر ثابت عقیدہ کا انکار انکار توحید بھی ہے اور انکار رسالت بھی اور موجب نار بھی ہے اور سب اعمال خیر کی بربادی کا موجب اور علت تامہ بھی۔ مزید تفصیل اگلے صفحات پر ملاحظہ فرمائیں۔

## پادشاہِ روم کے مکالمہ کی حکایت میں غلطی،

علامہ صاحب لکھتے ہیں کہ ۶ھ میں ہرقل روم نے حضرت ابوسفیان اور ان کے چند دیگر تجارہ رفقہ کو بلا کر (جو ابھی مسلمان نہیں ہوئے تھے) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق چند سوالات کیے جن میں دو سوالات یہ بھی تھے، کیا اس (یعنی جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم) نے کبھی جھوٹ کہا ہے؟ حضرت ابوسفیان نے بھرے مجمع میں اقرار کیا کہ نہیں!



پھر سوال ہوا کہ اس نے کبھی غدر اور عہد شکنی کی ہے؟ حضرت ابوسفیان

نے کہا نہیں۔ (بخاری شریف جلد اول ص ۹۷، مسلم شریف ص ۹۷)

حالانکہ تیرہ سالہ مکئی زندگی میں آپ کے خلاف کذب بیانی اور بہتان تراشی اور افسار پر دازی کے الزام عائد کیے جاتے رہے، اور علامہ صاحب نے خود ص ۱۲ پر ابولہب کی زبانی نقل کیا ہے، اندہ صابئ کاذب (مستدرک جلد اول ص ۱۵) بیشک وہ بے دین جھوٹا ہے، العیاذ باللہ اور پھر بدر کی جنگ اور احد کی لڑائی اور خندق کے موقعہ پر چڑھائی کیا آپ کے اعلان صداقت کے لیے تھیں اور اہل دنیا پر آپ کی حقانیت واضح کرنے کے لیے تھیں؟ جب آپ کے لائے ہوئے دین کو آپ کے نبوت و رسالت کے دعویٰ کو جھوٹ سمجھتے تھے اور آپ کو کاذب سمجھتے ہوئے آپ کو اور آپ کے غلاموں کو شہید کرنے اور مذہب اسلام کو خاتم بدہن غلط سمجھتے ہوئے حرف غلط کی طرح مٹانے کے درپے تھے تو پھر سچا ماننے کا تصور اعلان نبوت کے انیسویں سال میں کیونکر ہو سکتا تھا۔ لہذا عقلاً اور درایتاً اور واقعاً و حقیقتاً یہ بات غلط ہونے کے علاوہ ترجمہ اور معنی و مفہوم کی ادائیگی میں خیانت اور بددیانتی پر بھی مشتمل ہے۔ کیونکہ شہنشاہِ روم کا سوال یہ تھا، "هل كنتم تتصمونہ بالكذب قبل ان يتول ما قال" کیا تم انہیں کبھی جھوٹ کے ساتھ متہم کرتے تھے قبل اس دعویٰ کے جو انہوں نے کیا اور پہلے اس قول کے جو کیا تو جناب ابوسفیان نے کہا نہیں یعنی یہ سوال کذب کے اتہام و الزام کے متعلق اعلان نبوت سے قبل



کے ور کے متعلق تھا نہ کہ اعلانِ نبوت کے وقت سے اس مکالمہ تک جا رہا ہے۔ یہ تو ہرقل کو بھی معلوم تھا کہ یہ لوگ ان کے مخالف ہیں اور انکو اعلانِ نبوت میں اور دیگر عقائدِ اسلام کے بیان میں جھوٹا سمجھتے ہیں اسی لیے اس نے ان پر چوٹ کرتے ہوئے اور سوراہی اور غلط سوچ پر تنقید کرتے ہوئے کہا کہ :

فقد اعرف انه لم یکن لیذر الکذب علی

النّاس ویکذب علی اللّٰہ - (بخاری شریف ص ۴ ج ۱)

میں البتہ اس حقیقت کو جانتا ہوں کہ یہ نہیں ہو سکتا کہ وہ لوگوں پر تو جھوٹ نہ باندھیں اور ان کے ساتھ غلط بیانی نہ کریں اور اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھنے لگیں اور بہتان تراشی کریں اور نبی و رسول نہ ہونے کے باوجود دعویٰ کر دیں کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے نبی و رسول بنایا ہے۔

نیز دوسرے سوال کے جواب میں بھی ممکن حد تک دوسوہ اندازی کی کوشش کی لیکن ہرقل نے اس کو کوئی اہمیت نہ دی کیونکہ جناب ابوسفیان نے کہا تھا پہلے تو عہد شکنی اور بدعہدی نہیں کی لیکن :

”نحن فی مدة منه لا ندری ما هو فاعل فیہا قال

ولم یکنی کلمة ادخل فیہا شیئا غیر

”هذه الکلمة“

ہم اب ان کے ساتھ ایک مدت تک مصالحت کے عہد پر ہیں نہیں معلوم کہ وہ اس میں کیا کریں، حضرت ابوسفیان کہتے ہیں کہ مجھے کسی جوابی جملہ



میں کوئی لچک اور کمزوری پیدا کرنے کا موقع نہ ملا سوائے اس جملہ کے۔  
 اور اس صاف گوئی اور حقیقت کے اظہار کا موجب کیا تھا۔ ذرا اس پر  
 بھی نظر رہے۔ فرماتے ہیں :

فوالله لو لا الحياء ان ياثروا على كذبا لكذبت عليه  
 بخدا اگر یہ حیا دامن گیر نہ ہوتا کہ میرے ساتھی میرے متعلق جھوٹا ہونے  
 کا پرچار کریں تو میں ضرور ان پر جھوٹ باندھتا لیکن اس حیا نے مجھے  
 اس اقدام سے باز رکھا کہ لوگ مجھے جھوٹا اور کاذب نہ سمجھیں۔

## مقامِ عبرت ہے امرکان کذب کے قائلین کے لیے

یہاں علامہ صاحب اور ان کی جماعت کے لیے سامانِ عبرت ہے کہ  
 کافر بھی جھوٹ کو صفت نقصان اور قبیح امر سمجھتے تھے حالانکہ وہ شریعت  
 کے اور دین اسلام کے منکر اور مخالف تھے تو معلوم ہوا کہ کذب اور جھوٹ  
 از روئے عقل قبیح ہے اور موجب نقص ہے، اور جو امر عقلاً قبیح اور  
 صفت نقصان ہو اس کا اللہ تعالیٰ میں پایا جانا محال ہے اور اس پر  
 اہل اسلام اور علماء اعلام کا اجماع و اتفاق ہے مگر حیرت و تعجب ہے  
 علماء دیوبند پر کہ وہ اللہ تعالیٰ کے حق میں دلائل شرعیہ سے اس کا امکان  
 ثابت کرنے کے درپے ہیں۔ کم از کم علامہ صاحب حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ  
 سے اتنا ہی سبق حاصل کر لیتے!

مگر یہ تو آپ کے مقاصد سے بعید تر ہے آپ تو صرف تلبیس و تدلیس



اور دھوکہ دہی اور فریب کاری کے ہی درپے ہیں اور ظاہر ہے ان کے مقدر کو ہم تو بدلنے سے قاصر ہیں اور جس کے بس میں ہے وہ انہیں وَاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُونَ کے اندھیروں میں رکھنا چاہتا ہے اور الَّذِينَ صَلَّوْا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَهُمْ يَحْسَبُوْنَ اَنْهُمْ يُحْسِبُوْنَ صُنْعًا (سورہ کہف ۱۰۲) کے مطابق کھوکھلی خوش فہمیوں میں گرفتار دیکھنا چاہتا ہے۔

گلیم بخت کسے کہ باند سیاہ  
 باپ کو ثروت سنیم سفید نتواں کرو

## گلدستہ توحید

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دفعہ سوق ذوالحجاز میں ارشاد فرمایا، يَا أَيُّهَا النَّاسُ قُولُوا لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ تَفْلَحُوا تو ابولہب نے کہا یہ بے دین جھوٹا ہے۔ العیاذ باللہ۔ یہ وہی ابوجہل ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو سچا ماننا تھا اور یہ بھی کہتا تھا کہ ہم آپ کو نہیں جھٹلاتے لیکن جو مسئلہ توحید آپ بیان کرتے تھے اس کو سن کر وہ آپ سے باہر ہو جاتا تھا۔ بس یہی حال آج بھی ہے کہ شرک کے شیدائی حضرت محمد رسول اللہ کو سچا مانتے اور عقیدت کا دم تو بھرتے ہیں مگر جو مسئلہ آپ نے بیان فرمایا تھا اس کا انکار بھی ہے جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو اور حضرات صحابہ کرام کو یہ تمام تکالیف صرف خدا تعالیٰ کی الوہیت اور توحید خالص سنانے کی وجہ سے پیش آئیں اور حقیقت میں توحید کا لطف ہے ہی تب آتا ہے جب



اس کو صاف اور کھلے لفظوں میں بیان کر کے صرف ایک ہی خدا کو حاجت ڈالنا اور مشکل کشا اور مسجود یقین کیا جائے گو دنیا سب ناراض ہو جائے۔

توحید تو یہ ہے کہ خدا حشر میں کہے

یہ بندہ دو عالم سے خفا میرے لیے ہے

## گلشن توحید و رسالت

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ ہم اپنے آپ کو توحیدِ خالص پر کار بند سمجھتے ہیں اور فی الواقع ہیں بھی توحیدِ خالص پر مگر ہم توحید کے اس مفہوم کے خلاف ہیں کہ ہم اللہ تعالیٰ کے سامنے یہ ثابت کرنے کی کوشش کریں کہ ہم تیری خاطر تیرے رسلِ کرام اور اولیاءِ عظام سے بھی خفا ہیں اور ان کو چار سے ذلیل اور ناکارہ لوگ سمجھتے ہیں اور ذرّہ ناچیز سے کم تر اور شیطان لعین کو علم میں ان پر فوقیت دیتے ہیں اور ان کے خیال و تصور کو گدھے اور بیل کے خیال سے بدرجہا بدتر سمجھتے ہیں، وغیر ذلک، کیونکہ ایسے کلمات کو مقبولانِ بارگاہ کی گستاخی اور بے ادبی سمجھتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ جنگ اور حرب و قتال سمجھتے ہیں۔ جب صفاد مروہ پہاڑیاں حضرت ہاجرہ کے قدموں سے مس ہونے کے بعد اللہ تعالیٰ کے شاعر میں سے بن جائیں اور انکی تعظیم و تکریم اللہ تعالیٰ کی عبادت بن جائے اور اخلاص و تقویٰ کی ضمانت۔ کما قال تعالیٰ :

إِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَائِرِ اللَّهِ ج (سورہ بقرہ ۱۵۸)

وَمَا قَالَ :



وَمَنْ يُعْظِمِ شَعَائِرَ اللَّهِ فَإِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوبِ ۝

(سورة الحج ۳۲)

توسید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اور انبیاء و رسل اور اولیاء و محبوبان خداوند تعالیٰ کا مقام کس قدر بلند و بالا ہوگا اور ان کی تعظیم و تکریم کس قدر عظیم عبادت الہیہ ہوگی؟ اور کامل ترین مومن ہونے کی ضمانت ہوگی نیز ملائکہ سے خفا ہونا بھی اللہ تعالیٰ کے ساتھ خفا ہونے کے مترادف ہے اور سنت یہود ہے کیونکہ وہ جبریل علیہ السلام کو اپنا دشمن سمجھتے تھے اور اللہ تعالیٰ نے ان کے رد میں فرمایا کہ فرما دیجیے کہ جس نے جبریل سے عداوت رکھی تو اس نے قرآن مجید کو آپ کے دل پر نازل کیا اللہ تعالیٰ کے اذن سے قل من كان عدوا لجبرئيل فانه نزله على قلبك باذن الله الاية اور ساتھ ہی واضح فرمادیا کہ جبریل کی عداوت میکائیل اور دیگر تمام ملائکہ کی عداوت ہے بلکہ خود اللہ تعالیٰ کی عداوت ہے اور اس کے رسولوں کی عداوت ہے :

مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِلَّهِ وَمَلَائِكَتِهِ وَرُسُلِهِ وَجِبْرِيلَ  
وَمِيكَائِيلَ فَإِنَّ اللَّهَ عَدُوٌّ لِلْكَافِرِينَ ۝ (سورة بقرہ ۹۸)

نیز دو عالم سے خفا ہونے کا لازمی نتیجہ جنت اور اس کی نعمتوں سے خفگی اور بیزاری ہے اور اللہ تعالیٰ کی نعمتوں پر شکر اور حمد و ثنا لازم ہے اور کفران و خفگی حرام اور کفر ہے۔ کما قال تعالیٰ :  
وَاشْكُرُوا لِلَّهِ وَاللَّهُ شَاكِرٌ عَلِيمٌ



نیز شکر ادا کرنا نعمتوں میں اضافے کا باعث ہوتا ہے اور ناشکری نعمتوں کے سلب ہونے اور عذابِ الیم سے دوچار ہونے کا موجب بنتی ہے  
 کما قال تعالیٰ :

لئن شكرتم لازيدنكم ولئن كفرتم ان  
 عذابی لشديد -

اور جہاں صرف ناشکری ہی نہیں بلکہ خفگی اور ناراضگی پائی جائے تو وہاں اللہ تعالیٰ کا قہر عظیم اور عذابِ شدید نازل ہوگا اور اخروی نعمتیں تو درکنار ایمان و ایقان والی دولت اور پونجی بھی سلب ہو جائے گی اور دنیوی و اخروی خسران اور ذلت و خواری مقدر بن جائے گی۔ لہذا اگر علامہ سرفراز صاحب کو اپنی مصنوعی اور اختراعی توحید کی خاطر ملائکہ اور حُور و غلمان اور جنت سے بھی ناراضگی ہے اور انبیاء و رسل سے بھی خفا ہے تو ہم ان کو اس سے باز تو نہیں رکھ سکتے لیکن وہ انجام کے متعلق خود ہی غور و فکر کر لیں کہ وہ کس قدر خراب اور موجبِ ذلت و رسوائی ہوگا۔ اعاذنا اللہ من ذلك۔ کیونکہ کسی ایک ولی کی دشمنی جب اللہ تعالیٰ کے ساتھ حرب و قتال اور جنگ و جدال کی موجب ہے تو سب انبیاء و رسل اور ملائکہ و روحانین کی عداوت اور حُور و غلمان اور جہان سے نفرت و کراہت کا انجام اور نتیجہ کتنا بھیانک ہوگا۔ لہذا مخلصانہ مشورہ ہے کہ حُب فی اللہ سے بھی کام لیں اور اس کو مدارِ ایمان سمجھیں اور اسی حُب فی اللہ کی وجہ سے اللہ والوں سے محبت فرض سمجھیں۔



دیکھیں اللہ تعالیٰ کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پیار اور محبت ہے تو اس کے تحت اُس نے آپ کے شہر اور اس کی گلیوں کی مٹی سے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عمر شریف اور قول و کلام سے محبت کا اظہار کیا ہے اور کہیں لَا أُقْسِمُ بِهَذَا الْبَلَدِ (سورہ بلدہ-۱) فرمایا تو کہیں لَعَمْرُكَ إِنَّهُمْ لَفِي سَكْرَتِهِمْ يَعْمَهُونَ (سورہ الحجر ۷۲) اور کہیں وقیلہ یارب فرمایا بلکہ اس محبوب کے یاروں سے بھی اپنی محبت کا اظہار فرمایا بلکہ ان کے گھوڑوں کے ہانپنے کی آواز سے، ان کے سُموں سے لگنے والی مٹی سے اور سُموں کے پتھروں پر پڑنے کی صورت میں اُڑنے والی چنگاریوں سے بھی محبت کا اظہار فرمایا۔ قال تعالیٰ :

وَالْعُدَيْتِ ضَبْحًا ۝ فَالْمُورِيَّتِ قَدْحًا ۝ فَالْمَغِيرَاتِ  
صُبْحًا ۝ فَأَثَرُنَ بِهِ نَقْعًا ۝ فَوْسَطُنَ بِهِ جَمْعًا ۝

(سورۃ العُدیت ۱)

لہذا توحید یہ نہیں کہ بندہ دو عالم سے خفا ہو جائے بلکہ ہر اُس شے سے اللہ تعالیٰ کے لیے محبت رکھے جس کا اللہ تعالیٰ سے تعلق اور نسبت ہو اور صرف ان چیزوں سے متنفر اور بیزار ہو جن کا اللہ تعالیٰ سے کوئی تعلق نہ ہو اور نہ اس سے کوئی انتساب ہو۔ خدا جانے قرآن و حدیث کے واضح ارشادات کو چھوڑ کر سرفراز صاحب شاعروں کی اتباع پر کیوں کمر بستہ ہیں۔ رسولِ معظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے :

احبونی لحب اللہ و احبوا اهل بدیتی لحبی ایاہم -

(مشکوٰۃ شریف، فضائل اہل بیت)



مجھے محبوب رکھو اللہ تعالیٰ کی محبت کی وجہ سے اور میرے اہلبیت سے محبت رکھو میرے ان سے محبت رکھنے کی وجہ سے۔ اور جن تین چیزوں پر ایمان کی حلاوت سے لطف اندوز ہونے کا دار و مدار رکھا ان میں پہلی چیز ہے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جمیع ماسوا سے محبوب ترین ہونا اور دوسری چیز یہ بیان فرمائی، و من احب عبداً لا یحبہ الا للہ اور جو کسی بندے سے محبت رکھے صرف اللہ تعالیٰ کے لیے۔ (کتاب الایمان مشکوٰۃ)

الغرض صرف دو عالم سے خفا ہونے کو توحید سمجھنا سراسر غلط ہے بلکہ ان میں اللہ تعالیٰ کے مقبولان، بارگاہ اور عباد صالحین بھی ہیں جن کی محبت لازم اور ضروری ہے اور ان کی تعظیم و تکریم روح ایمان اور جانِ سلام ہے اور ان سے عداوت اور دشمنی اور کدورت و نفرت ایمان و ایقان کی بربادی اور تباہی کی موجب ہے، لہذا توحید کی آڑ میں اتنی بڑی محرومی اور خسران و خذلان برداشت کرنا عقلمندی کا تقاضا بھی نہیں اور ایمان و اسلام کا تقاضا بھی نہیں۔

یہی بنیادی فرق ہے علماء دیوبند اور ہماری سوچ میں کہ وہ ان مقدس ہستیوں کی توہین و تحقیر اور کسرِ شان اور تفریطِ قدر کو توحیدِ خداوندی کا لازمی تقاضا سمجھتے ہیں اور ہم اللہ تعالیٰ کے ساتھ ان کی تقرّب اور وصل والی نسبت کے تحت ان کی تعظیم و تکریم اور عزّت و توقیر کو توحید اور ایمانِ خالص کا لازمی تقاضا سمجھتے ہیں اور ان کی اسارت و بے ادبی اور توہین و گستاخی کو توحید



و ایمان کی بربادی اور دنیوی و آخروی خسران کا موجب و باعث اور علت تاملہ کاملہ یقین کرتے ہیں۔

## علامہ صاحب کی بے شعوبی

ادھر تو ذکر کیا تھا کہ ابو لہب نے جو اس کیا یہ بیدین جھوٹا ہے نعوذ باللہ اور حاشیہ میں بھی ابو لہب کے متعلق ہی لکھا کہ اس نے کہا یہ تمہیں دین آبا سے پھیرنے کی کوشش کرتا ہے، اس کی ایک نہ سنو، مگر درمیان میں فرمایا یہ وہی ابو جہل ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سچا مانتا تھا۔ ہم حیران ہیں ابو لہب ایک سطر بعد ابو جہل کیسے بن گیا اور یہ دو شخص فرد واحد کیونکر بن گئے۔

## ناطقہ سر بگرمیاں ہے اسے کیا کہیے

کیا صرف لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ فلاح و نجات کے لیے کافی ہے؟ علامہ صاحب نے یہ روایت (قُولُوا لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ تَفْلَحُوا) ذکر کر کے یہ غلط تاثر دینے کی سعی فرماتی ہے کہ فلاح و نجات کے لیے صرف لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ کہنا کافی ہے، اور رسالت پر ایمان اور کتابوں اور ملائکہ کی تصدیق اور قیامت اور تقدیر پر ایمان لازم نہیں العیاذ باللہ۔ حالانکہ ان قطعی عقائد کا انکار تو دور کی بات ہے فرائض اور محرمات میں سے کسی کا انکار بھی کفر و بے دینی ہے، اور توحید کا اقرار بھی اس صورت میں بے فائدہ اور بے اثر ہو جاتا ہے۔



حقیقتِ حال یہ ہے کہ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ عنوان ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت اور آپ کے لائے ہوئے دین کا اور جملہ عقائد اور فرائض و محرمات وغیرہ کا اعتراف و اقرار اس میں مندرج ہے۔ اسی لیے آپ نے ارشاد فرمایا :

وَالَّذِي نَفْسِي مَحْجَمٌ بَعِيدٌ لَا يَسْمَعُ بِي أَحَدٌ مِنْ هَذِهِ الْأُمَّةِ يَهُودِيٍّ وَلَا نَصْرَانِيٍّ ثُمَّ يَمُوتُ وَلَمْ يَوْمَنْ بِالَّذِي أُرْسِلْتُ بِهِ إِلَّا كَانَ مِنْ أَصْحَابِ النَّارِ -  
(زواہ مسلم، مشکوٰۃ کتاب الایمان)

اس امت دعوت کا کوئی فرد جتنی کہ یہودی اور نصرانی ہی کیوں نہ میرے متعلق سن لے پھر مر جائے اور میرے ساتھ ایمان نہ لائے تو وہ ہمیشہ کے لیے آتشِ دوزخ میں رہنے والوں میں سے ہوگا۔  
اور اسی لیے وفدِ عبد القیس کو حکم دیا کہ اللہ وحدہ کے ساتھ ایمان لاؤ اور پھر دریافت فرمایا :

اتدرون ما الايمان بالله وحده -

کیا جانتے ہو کہ اللہ وحدہ کے ساتھ ایمان کیا ہے جب انہوں نے عرض کیا اللہ ورسولہ اعلم، تو آپ نے فرمایا :

شهادة ان لا اله الا الله وان محمداً رسول الله  
الله واحد کے ساتھ ایمان نام ہے لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مُحَمَّدٌ رَسُوْلُ اللَّهِ  
کی شہادت کا۔ رسولِ معظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا :



من مات وهو يعلم أنه لا إله إلا الله دخل الجنة  
(رواه مسلم)

جو شخص بھی اس حال میں مرے کہ اس کو لا إله إلا الله کا حتمی اور  
قطعی علم ہو تو وہ جنت میں داخل ہو جائے گا۔

تو علامہ علی القاری نے اس کی شرح میں فرمایا، وهذه الكلمة علم  
لكلمتي الشهادة ولذا اقتصر عليها - ص ۱۱۳ ج ۱ - لا إله إلا الله  
کا کلمہ اور جملہ شہادت توحید اور شہادت رسالت کا علم اور نام ہے۔  
اور دونو شہادتوں کا عنوان ہے اسی لیے اس پر اکتفا کیا گیا ہے۔ اور اس  
مضمون کی دوسری حدیث، مفاتیح الجنة شہادة لا إله إلا الله کے  
تحت فرمایا :

فيه الاستغناء باحد المتلازمين عن الآخر اذ  
لا يعتد باحدى الشهادتين الا مع الاخرى - (ص ۱۱۴)  
یعنی اس حدیث میں دو متلازم شہادتوں میں سے ایک کے ذکر پر  
اکتفا کر لیا گیا ہے اور دوسری شہادت کا ذکر ضروری نہیں سمجھا گیا کیوں کہ  
ان میں سے کوئی ایک بھی دوسری کے بغیر قابل اعتداد اور لائق اعتبار نہیں  
ہے۔ اور خود رسول معظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حلاوت ایمان سے لطف اندوز  
ہونے کے لیے اللہ تعالیٰ کا اور اپنا جمیع ماسوا سے محبوب ترین ہونا لازمی  
قرار دیا اور فرمایا :

ثلاث من كن فيه وجد بهن حلاوة الايمان من



كان الله ورَسُوله احب اليه مما سواهما الحديث  
اور واضح فرما دیا کہ :

ان المعتبر هو المجموع المركب من المحبتين  
لاكل واحدة فانها وحدها ضائعة لاغية واليه  
الاشارة بقوله تعالى :

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاَتَّبِعُوْنِيْ يُحِبِّبْكُمْ اللّٰهُ

(سُورَةُ آلِ عِمْرَانَ ۳۱)

کہ حلاوتِ ایمانی سے لطف اندوز ہونے کے لیے دونوں محبتیں مجموعی طور  
پر پائی جانی ضروری ہیں اور ان میں ہر ایک کا فرداً فرداً پایا جانا ناکافی اور  
بے نتیجہ اور بے ثمر ہے اور قرآن مجید میں اسی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا:  
اے محبوب فرما دیجیے اگر تم اللہ تعالیٰ سے محبت رکھتے ہو تو میری اتباع  
کرو اللہ تعالیٰ تمہیں محبوب بنا لے گا اور تمہارے سارے گناہ معاف فرما  
دے گا اور اللہ تعالیٰ بخشنے والا بہت مہربان ہے۔

(مرقاۃ صفحہ ۱ دکانی فی عمدۃ القاری شرح بخاری صفحہ ۱)

بلکہ خود قرآن مجید اس امر کا شاہد صادق ہے کہ انکارِ رسالت، انکارِ  
توحید ہے اور رسالت کی ناقدری خود الوہیت کی ناقدری ہے قال اللہ تعالیٰ:  
وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهِ اِذْ قَالُوا مَا اَنْزَلَ اللّٰهُ  
عَلٰی بَشَرٍ مِّنْ شَيْءٍ ط

(سُورَةُ النِّعَامِ ۹۱)

اور نہیں قدر پہچانی انہوں نے اللہ تعالیٰ کی، جب کہ کہہ دیا کہ اللہ تعالیٰ



نے کسی بشر پر کوئی شے نازل نہیں فرمائی۔ لہذا علامہ صاحب کی عبرت کے لیے ان کے مسلم قلندر لاہوری کا ارشاد پیش خدمت ہے۔

بمصطفیٰ برسوں خوشیوں کا کہ دیں ہمہ دوست  
گر باد نرسیدی تمام بولہبی ست  
علامہ محمد اقبال رحمہ اللہ۔

محمد عربی کا برسے ہر دوسرا ست  
کسے کہ خاک درشن نیست خاک برسراو

(علامہ سرفراز کا جدید اسلام)

علامہ سرفراز صاحب نے جوش توحید میں اپنے اکابر کے اقوال اور نظریات کو اور ان کی تعلیمات کو بھی نظر انداز کر دیا ہے بلکہ ان کے رد و ابطال کے درپے ہیں، بلکہ نئے اسلام کی بنیاد رکھنے کے درپے ہیں اور پُرانے اسلام سے اہل اسلام کو دور کرنے پر کمر ہمت باندھے ہوئے ہیں۔ علامہ اشرف علی صاحب تھانوی فرماتے ہیں :

سوال : حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے مجھ کو جب ذکر شریف تعلیم فرمایا تھا کہ لا الہ الا اللہ کے وقت یہ خیال کرے کہ جس قدر محبتیں غیر خدا کی ہیں سب نکال کر پس پشت ڈالیں اور الا اللہ کے وقت یہ خیال کرے کہ صرف اللہ تعالیٰ کی محبت قاب میں داخل کی تو اب وسوسہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا رسول اللہ کی محبت کو بھی بروقت ذکر شریف کے ایسا ہی خیال کرے اور حدیث شریف میں ہے کہ جس کے دل میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت نہیں ہوگی تو

صلی اللہ علیہ وسلم۔



وہ مسلمان نہیں۔

جواب : چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت عین خدا کی محبت ہے بلکہ جمیع اہل اللہ کی محبت بھی عین خدا تعالیٰ کی محبت ہے پس مراد اس تعلیم میں یہ ہے کہ جو محبتیں خدا تعالیٰ سے تعلق نہیں رکھتیں ان کو پس پشت ڈال دیا۔

اب کوئی اشکال نہیں، فقط ۳ ربیع الثانی ۱۳۲۴ھ انکشاف ص ۶۴۔

گویا سن مذکور تک تو علماء دیوبند کا عقیدہ و نظریہ یہی تھا کہ صرف لا الہ الا اللہ پر ایمان کافی نہیں اور اللہ تعالیٰ کی محبت نبی الانبیاء اور دیگر محبوبان بارگاہ اقدس کی محبت کے منافی اور مناقض نہیں بلکہ دونوں میں تلازم بلکہ عینیت موجود ہے۔ اگر ۱۳۲۴ھ کے بعد کوئی نیا اسلام آ گیا ہے تو اس جدید ترین اسلام سے ہمیں کوئی واسطہ نہیں ہو سکتا ہم تو رسول گرامی کے عطا کردہ اسلام کی اتباع و اقتداء کے ہی پابند ہیں۔

لے صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔



## بَابُ اَوَّلٍ كَلِمَةُ تَوْحِيدٍ

اس باب میں علامہ سرفراز صاحب نے شرک کی مذمت بیان کی ہے اور متعدد آیات ذکر کی ہیں :

۱۔ حضرت لقمان نے اپنے صاحبزادے کو فرمایا ، اے پیارے بیٹے شریک نہ ٹھہراؤ اللہ کا بے شک شریک ٹھہرانا بھاری نا انصافی ہے۔

يٰۤاِبْنِيَّ لَا تَشْرِكْ بِاللّٰهِ اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ

(سورہ لقمان آیت ۱۳)

۲۔ اللہ تعالیٰ نے اپنا قانون بیان فرمایا۔

بیشک اللہ نہیں بخشتا اس کو جو اس کا شریک ٹھہرائے اور بخشتا ہے اس سے نیچے کے گناہ جس کے چاہے اور جس نے شریک ٹھہرایا اس کا اس نے بڑا طوفان بارہا =

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُشْرَكَ بِهِ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ  
لِمَنْ يَّشَاءُ وَمَنْ يُشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ افْتَرٰى اِثْمًا

عَظِيْمًا ۝ (سورہ نسا، آیت ۴۸)

۳۔ بیشک جس نے شریک ٹھہرایا اللہ کا سو حرام کی اللہ نے اس

پر جنت اور اس کا ٹھکانا دوزخ ہے اور کوئی نہیں گناہگاروں کی مدد کرے گا



إِنَّهُ مَنْ يُشْرِكْ بِاللَّهِ فَقَدْ حَرَّمَ اللَّهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ  
وَمَا وَهُهُ النَّارُ وَمَا لِلظَّالِمِينَ مِنْ أَنْصَارٍ ۝

(سورہ مائدہ آیت ۷۲)

۴۔ اللہ تعالیٰ نے گویا تمام پیغمبروں کا ذکر کر کے آگے فرمایا :  
وَلَوْ أَشْرَكُوا لَحَبِطَ عَنْهُمْ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ۝

(سورہ انعام آیت ۸۸)

یعنی بالفرض خدا تعالیٰ کے پیغمبروں سے بھی شرک سرزد ہوتا تو ان کے  
اعمال بھی بالکل ضائع ہو جاتے اور ان کو کوئی بھی نیکی کا کام مفید نہ ہو سکتا

۵۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب

کرتے ہوئے ارشاد فرمایا :

لَئِنْ أَشْرَكَتَ لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ وَلَتَكُونَنَّ

مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ۝ (سورہ زمر آیت ۶۵)

اگر تو نے شرک کیا تو اکارت جائیں گے تیرے عمل اور تو ہو جائے گا

نقصان اٹھانے والوں میں۔

خلاصہ امر یہ کہ شرک کرنا ظلمِ عظیم ہے اور ہمیشہ کیلئے مشرک بخش خداوندی  
سے محروم ہو جاتا ہے اور اس پر جنت حرام ہو جاتی ہے اور شرک اتنی قبیح  
چیز ہے کہ بالفرض پیغمبروں سے بھی اس کا صدور ہوتا تو ان کے اعمال بھی  
اکارت ہو جاتے۔ الغرض مشرک سے بڑھ کر خدا تعالیٰ کا باغی اور نافرمان  
دوسرا کوئی نہیں ہو سکتا۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم



نے ارشاد فرمایا سب سے بڑا گناہ یہ ہے کہ تو خدا تعالیٰ کا شریک ٹھہرائے  
حالانکہ اسی نے تجھے پیدا کیا ہے۔ (ص ۱۳ تا ص ۱۶)

## گلشنِ توحید و رسالت

شُرک کی طرح انکارِ رسالت اور انکارِ خاتمیت بھی ناقابلِ مغفرت ہے

یہ سب کچھ بجا اور ہمارا اس پر ایمان و ایقان ہے لیکن سوال صرف  
یہ ہے کہ شرک کیا ہے اور آیا اہل السنّت خواص و عوام میں شرک موجود و  
متحقق ہے کیونکہ علامہ صاحب کا اصل مقصد تو اہل السنّت کو شرک ثابت  
کرنا ہے حالانکہ وہ پیچھے اللہ تعالیٰ کے ساتھ ذات و صفات میں اور  
افعال و اعمال میں اور استحقاقِ عبادت وغیرہ کسی بھی امر میں کسی کی شرکت  
تسلیم نہیں کرتے اور اسے وحدۃ لا شریک لہ جانتے اور مانتے ہیں اور  
اسی وحدانیت کا ہر وقت اعلان کرتے ہیں بالخصوص اذان اور اقامت  
میں اور نماز کے تشہد میں ہر وقت اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلَهَ اِلَّا اللّٰهُ کی گواہی  
دیتے ہیں اور سید انبیاء اور امام الرّسل صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھی صرف اور  
صرف اللہ تعالیٰ کا عبد اور رسول مانتے ہوئے یہ شہادت دیتے ہیں اَشْهَدُ  
اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ چہ جائیکہ دوسرے انبیاء یا اولیاء میں  
الوہیت تسلیم کریں اور ان کو اللہ تعالیٰ کا شریک ٹھہرائیں العیاذ باللہ۔  
لیکن ان کا یہ عقیدہ بھی ہے کہ جس طرح شرک کی بخشش نہیں ہو سکتی۔



اسی طرح مُنکرِ نبوت و رسالت کی بخشش بھی نہیں ہو سکتی اور بالخصوص سید  
الرسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خاتمیت کے منکر کی بھی بخشش ناممکن ہے اور اس  
پر جنت ابد الآباد کے لیے حرام ہے۔ توحید و رسالت میں ایمان کے لحاظ  
سے تفرقہ روا نہیں اور نہ شرک اور انکارِ رسالت کی حرمت میں تفرقہ جائز  
ہے۔ ارشادِ خداوند تعالیٰ ہے :

وَمَا قَدَرُوا اللَّهَ حَقَّ قَدْرِهِ إِذْ قَالُوا مَا أَنْزَلَ اللَّهُ عَلَيَّ  
بَشَرًا مِّنْ شَيْءٍ ۗ

(سورہ انعام آیت ۹۲)

اور انہوں نے اللہ تعالیٰ کی صحیح معنوں میں قدر نہیں کی اور اس کی  
شانِ اقدس کا صحیح اندازہ نہیں لگایا جب انہوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے  
کسی بشر پر کوئی شے نازل نہیں کی۔

لہذا رسلِ کرام اور انبیاءِ عظام کی ناقدری و راصل اللہ تعالیٰ کی ناقدری  
ہے اور ان کی نبوت و رسالت کا انکار اللہ تعالیٰ کے انکار کی مانند ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت و رسالت کی اہمیت و عظمت  
بیان کرتے ہوئے انبیاءِ علیہم السلام کو خطاب فرمایا :

ثُمَّ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لِيُؤْمِنُنَّ بِهِ  
وَلْيَتَّصِرُنَّهُ (الی) فَمَنْ تَوَلَّىٰ بَعْدَ ذَلِكَ فَأُولَٰئِكَ

هُمُ الْفَاسِقُونَ ۝

(سورہ آل عمران آیت ۸۱)

پھر تمہارے پاس آئے وہ رسول جو تصدیق کرنے والا ہے ان تمام

امور کی جو تمہارے ساتھ ہوں تو تم ضرور بالضرور ان پر ایمان لانا اور ان



کی امداد کرنا (تا) پس جو اس عہد و پیمان سے روگردانی کریں گے تو وہی فاسق اور طاعتِ خداوندی سے خارج ہوں گے۔ باوجود منصبِ نبوت و رسالت کے مالک ہونے کے جب انہیں آپ کی اطاعت و فرمانبرداری کے علاوہ چارہ نہیں اور اُمت میں داخل ہونے اور دینِ اسلام کے سپاہی بنے بغیر چارہ نہیں تو دوسرے کسی شخص کے لیے غلامی و فرمانبرداری سے انکار اور سرتابی کی کیا مجال اور اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کا اقرار اور شرک سے دُوری اور بیزاری اس کے کس کام۔ لہذا مشرک جس طرح بخشش اور جنت کے لائق نہیں مُنکرِ نبوت بھی اس طرح ناقابلِ بخشش ہے اور نہ جنت کے لائق۔

ارشادِ خداوند تعالیٰ ہے :

فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتَّىٰ يُحَكِّمُوكَ فِي مَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ

ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِي أَنفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ

وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا ۝

(سورہ نسا آیت ۶۵)

مجھے تیرے پروردگار کی قسم وہ لوگ مومن نہیں ہو سکتے یہاں تک کہ تمہیں حاکم اور فیصل تسلیم کریں اپنے متنازعہ امور میں پھر نہ پائیں اپنے نفوس میں تنگی اور بیقراری آپ کے فیصلہ سے اور دل و جان سے تسلیم کریں جیسے کہ حق ہے تسلیم کرنے کا۔ لہذا واضح ہو گیا کہ اقرارِ توحید اور شرک سے تنفرو بیزاری اپنی جگہ اہم ترین فرائض سے ہیں اور ایمان و اسلام کی بنیاد ہیں، مگر رسالتِ مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت و محکومی اور غلامی و فرمانبرداری کے بغیر اس کا ذرہ بھر فائدہ اور نفع نہیں ہو سکتا۔



## گستاخی انبیاء تمام اعمال کی بربادی کی موجب ہے

بلکہ جوشِ توحید میں اگر ان کی شانِ رفیع اور مقامِ منیع میں بے ادبی اور اسارت کا کلمہ زبان سے سرزد ہو گیا تو تمام اعمال خیر اور حسنات و صالحات بمع توحید کے اکارت اور برباد ہو جائیں گی اور ان کی حیثیت پر کاہ کے برابر بھی نہیں رہے گی۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَرْفَعُوا أَصْوَاتَكُمْ فَوْتَ  
صَوْتِ النَّبِيِّ وَلَا تَجْهَرُوا لَهُ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ  
لِبَعْضٍ أَنْ تَحْبَطَ أَعْمَالُكُمْ وَأَنْتُمْ لَا تَشْعُرُونَ ۝

(سورہ حجرات آیت ۲)

اے ایماندارو نہ بلند کرو اپنی آوازوں کو نبی مکرم کی آواز پر اور نہ بلند آواز سے پکارو انہیں مانند ایک دوسرے کو پکارنے کے (ورنہ) تمہارے تمام اعمال اکارت جائیں گے اور تمہیں اس کا شعور و احساس بھی نہیں ہوگا حتیٰ کہ اس خسارہ کا تدارک اور اسکی تلافی بھی تمہارے لیے ممکن نہ ہو سکے گی۔ علامہ شبیر احمد عثمانی صاحب حاشیہ قرآن میں فرماتے ہیں کہ:

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی حجۃ اللہ البالغہ میں فرماتے ہیں کہ چار چیزیں اعظم شعائر اللہ سے ہیں، پیغمبر، قرآن، کعبہ اور نماز اور ان کی تعظیم وہی کرے گا جس کا دل تقویٰ سے مالا مال ہوگا،

وَمَنْ يَعْظُمْ شَعَائِرَ اللَّهِ فَاِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوبِ (ص ۸۱۲)

لہ (علیہ السلام)۔



نیز مقبولانِ بارگاہِ صمدیت کے ساتھ عداوت اللہ تعالیٰ کے ساتھ  
عرب و قتال اور جنگ و جدال کے مترادف ہے۔

من عادى لي وليا فقد اذنته بالحرب - (بخاری شریف ج ۲ ص ۹۶۳)  
جو شخص میرے کسی بھی دوست اور پیارے کے ساتھ عداوت رکھے گا  
تو میں اس کے ساتھ جنگ کا اعلان کرتا ہوں۔

جب اولیاءِ کرام کے ساتھ عداوت کا یہ حکم ہے تو انبیاءِ علیہم السلام  
کے لیے بطریقِ اولیٰ یہی حکم ہوگا اور بالخصوص سید انبیاء اور امام المرسلین  
خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کا بطریقِ اولیٰ یہی حکم ہوگا لہذا ان مقبولانِ بارگاہ  
کی شان میں تنقیص و تفریط اور ان کے خداداد کمالات و اختصاصات کا انکار  
اور ان کا اصنام و اوثان پر قیاس اور ان کی طرح ان کو بھی سُننے اور جاننے  
سے عاری اور مکھی کے سامنے بے بس اور عاجز جاننا وغیرہ وغیرہ سخت  
بے ادبی اور گستاخی ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے قہر و غضب کا نشانہ  
بننے کا موجب اور توحید سمیت تمام اعمالِ خیر کو برباد کرنے کا موجب  
ہے، لہذا اس خوش فہمی میں ہرگز نہ رہنا چاہیے کہ شرک سے ورے ہر گناہ  
بخشا جاسکتا ہے۔

يَغْفِرُ مَا دُونَ ذَلِكَ لِمَنْ يَشَاءُ  
(سورہ نسا آیت ۱۱۶)

بلکہ یہ گناہ بھی شرک کی طرح ناقابلِ معافی ہے بلکہ اللہ تعالیٰ اپنے  
معاملہ میں حلم اور بردباری کا مظاہرہ فرماتا ہے لیکن اپنے مقبولانِ بارگاہ  
کی ایذا اور ہتک حرمت کو بالکل برداشت نہیں فرماتا۔ خدائی دعوے



کرنے والوں کو بھی عرصہ دراز تک مہلت دیتے رکھی مگر جب خلیل و کلیمؑ سے انہوں نے ٹکر لی تو پھر صفحہ ہستی سے مٹا دیا اور انتہائی ذلیل و خوار کر کے ہلاک کر دیا۔ لہذا مخلصانہ مشورہ یہی ہے کہ جوشِ توحید میں ہوش اور عقل و خرد کا دامن ہاتھ سے چھوٹنے نہ پائے اور مقبولانِ خدا تعالیٰ کی عزت و حرمت اور مرتبہ و مقام کسی وقت اور کسی طرح بھی نظروں سے اوجھل نہ ہونے پائے ورنہ الذین ضل سعيہم فی الحیوة الدنیا وہم یحسبون انہم یحسنون صنعا کا مصداق بن کر رہ جاؤ گے۔ اور تمہارے تمام تر مجاہدات و ریاضات و تقویٰ و پرہیزگاریاں سرابِ ثابت ہوں گی۔ اعاذنا اللہ من ذلک۔

علامہ اقبال مرحوم قلندر لاہوری نے مولوی حسین احمد صاحب مدنی کو جو مشورہ دیا تھا وہ واجب العمل سمجھو اور اس پر صدق دل اور خلوص قلب کے ساتھ عمل کرو۔

بمصطفیٰ برسائلِ خویش را کہ دیں ہمہ اوست

گر بادِ نرسیدی تمام بولہبی ست

۱۰ علیہما السلام ۱۱ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔



# مُشْرک کی کوئی عبادت مقبول نہیں

مشرک حالتِ شرک میں جو بھی عبادت اور کارِ خیر کرتا ہے یا کرے گا اللہ تعالیٰ کے ہاں اس کی کوئی بھی قدر و منزلت نہیں ہوتی اور نہ ہی اس کو درجہ قبولیت حاصل ہو سکتا ہے۔ مشرکینِ مکہ نے اپنی بعض عبادتوں کا ذکر کیا کہ ہم بھی نیکی کے کام کرتے ہیں مثلاً مسجد حرام کی تعمیر کرتے ہیں اور پر دیسی مسافروں، حاجیوں کو پانی پلاتے ہیں، وغیرہ وغیرہ۔ تو اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

أَجَعَلْتُمْ سِقَايَةَ الْحَاجِّ وَعِمَارَةَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ  
كَمَنْ آمَنَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَجَاهَدَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ  
لَا يَسْتَوُونَ عِنْدَ اللَّهِ

(سورہ توبہ آیت ۱۹)

کیا تم نے سمجھ لیا حاجیوں کو پانی پلانا اور مسجد حرام کی تعمیر کرنا برابر اس کے جو ایمان لایا اللہ پر اور قیامت کے دن پر اور اللہ کے راستہ میں جہاد کیا۔ یہ برابر نہیں اللہ تعالیٰ کے نزدیک۔

جناب رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لیے مسجد تعمیر کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے جنت میں مخصوص محل تیار کرے گا۔ نیز مسجد بھی کوئی شاہی نہیں بلکہ کوچ کے گھونسے کے برابر ہی کیوں نہ ہو لیکن مشرکینِ مکہ ابوہبل اور ابولہب وغیرہ نے معمولی



مسجد ہی نہیں بلکہ اُمّ المساجد تعمیر کی تھی اور اس کا چندہ بھی بڑے خلوص سے جمع کیا تھا یعنی صرف اور صرف حلال کی کمائی اور طیب مال سے اس کو تعمیر کیا اگرچہ پورا مکان تیار نہ بھی کر سکے مگر بایں ہمہ وہ کبھی جنت میں داخل نہیں ہو سکتے۔

۲۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے جو شخص حج مبرور کرے گا، وہ گناہوں سے ایسا پاک و صاف ہو جائے گا جیسے کہ ابھی ماں کے پیٹ سے پیدا ہوا لیکن ہر مشرک نے کئی کئی حج کیے ہوتے تھے مگر اہل اسلام جانتے ہیں کہ ان کے یہ حج بالکل ضائع اور اکارت گئے۔ انہیں ان کا کوئی ثواب حاصل نہیں ہو سکتا۔

۳۔ رسول معظم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ عاشورہ کا روزہ رکھنے سے ایک سال کے گناہ معاف ہو جاتے ہیں اور بقول شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی، قریش مکہ عاشورہ کا روزہ رکھتے تھے۔ لیکن کسی مسلمان کو یہ جرات نہیں کہ وہ کہے انہیں روزے فائدہ دے سکتے ہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص ایک غلام کو آزاد کرے اللہ تعالیٰ آزاد کرنے والے کے ہر عضو کو جہنم سے محفوظ کر دے گا لیکن رسول معظم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کے مطابق اسلام قبول کیے بغیر ان کو غلام آزاد کرنے کا کوئی فائدہ نہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کے مطابق قربانی سنت ابراہیم علیہ السلام ہے اور اس کے ہر بال کے بدلے نیکی ملے گی، لیکن مشرک لوگوں کو ان کی قربانیاں



قطعاً مفید نہیں ہو سکتیں۔ (ملخص گلدرتہ ص ۲ تا ص ۲)

## گلشنِ توحید و رسالت

مُشْرک کی طرح مُنکِرِ رسالت اور گُستاخ کی بھی کوئی عبادت قبول نہیں

یہ سب بجا کہ مشرکین کے تمام تر اعمال رائیگاں اور اکارت ہیں، اور ہمارا اس معاملہ میں آپ کے ساتھ مکمل اتفاق ہے لیکن دریافت طلب امر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو ذات و صفات میں اور افعال میں کیا و یگانہ مان لینے کے باوجود اگر کوئی شخص نبوت و رسالت کا انکار کر دے اور ان حضرات کو اپنے جیسے بشر سمجھ کر ان کی اطاعت و اتباع سے انکار کر دے اور کہے:

أَبَشْرًا مِّنَّا وَاحِدًا نَّتَّبِعُهُ إِنَّا إِذَا لَفِيَ ضَلِيلٌ وَسُعِيرٌ ۝

(سورة القمر آیت ۲۳)

کیا ہم اپنے میں سے ایک بشر کی اتباع کریں تب تو یقیناً ہم گمراہی اور آتش دوزخ میں غرق ہونے والے ہیں۔ ارشادِ باری تعالیٰ:

وَأَسْرُوا لِلنَّجْوَى الَّذِينَ ظَلَمُوا هَلْ هَذَا إِلَّا بَشَرٌ

مِثْلُكُمْ ج (سورة انبیاء، آیت ۳)

اور ظالم لوگوں نے خفیہ مشورہ کیا کہ نہیں ہے یہ مگر تم جیسا بشر۔

لہذا اس کی اتباع مت کرو بلکہ کوئی شخص پہلے تمام انبیاء کرام مانے

اور آسمانی کتب و صحائف کا معتقد ہو لیکن نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

کا انکار کر دے بلکہ آپ کو صرف عربوں کا نبی تسلیم کرے تو اس کا بھی

لہ علیہم السلام۔



عقیدہ توحید و رسالت اور تمام اعمال خیر اکارت اور برباد ہو جائیں گے، جیسے کہ یہود و نصاریٰ میں سے اچھے کام کرنے والوں اور انبیاء و رسل کو اللہ کے عباد کا ملین ماننے والوں کا معاملہ ہے۔ بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

والذی نفس بیدہ لو بدالکم موسیٰ فاتبعتموہ و ترکتمونی لضللتم عن سواء السبیل ولو کان حیا وادراک نبوتی لا تبعنی (مشکوٰۃ باب الاعتصام بالکتاب السنہ)

مجھے اپنی جان کے مالک کی قسم ہے اگر موسیٰ علیہ السلام تمہارے سامنے ظاہر ہوں پس تم ان کی اتباع کرو اور مجھے چھوڑ دو تو سبھی راہِ راست سے بھٹک جاؤ گے۔ اور اگر وہ دنیا میں زندہ موجود ہوتے اور میرے زمانہ نبوت کو پاتے تو ضرور میری اتباع کرتے۔

بلکہ اگر کوئی مسلمان نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان رکھے اور نماز و روزہ اور حج و زکوٰۃ کا پابند بھی ہو اور جملہ محرمات بلکہ مکروہات سے منزہ و مبرا بھی ہو مگر کسی ایک نبی کی نبوت کا انکار کر دے تو اس کو یہ توحید ایمان اور عمل و کردار اور تقویٰ و پرہیزگاری ذرہ بھر نفع نہیں دے گی کیونکہ مومن کے لیے انبیاء علیہم السلام کی نبوت کے اقرار و اعتقاد میں تفرقہ جائز نہیں ہے

لَا نَفْرَقُ بَيْنَ أَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهِ تَف (سورہ بقرہ - ۲۸۵)

یعنی نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ان کے سچے غلاموں کا اعلان یہی ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ کے رسولوں میں ایمان و اعتقاد کے لحاظ سے فرق روا نہیں



رکھتے کہ بعض پر ایمان لائیں اور بعض کے ساتھ کفر کریں اور یہود و کفار کا طریقہ بیان کرتے ہوئے فرمایا، قال تعالیٰ :

يُرِيدُونَ أَن يُفَرِّقُوا بَيْنَ اللَّهِ وَرُسُلِهِ (سُورَةُ نَسِآئِتِ ۱۵۰)

کہ وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولوں کے درمیان تفریق روا رکھتے ہیں۔ اور قبل ازیں ذکر کیا جا چکا ہے کہ اگر رسل کرام نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے اور ان کی امداد و اعانت اور نصرت و تعاون کے عہد کو نہ نبھائیں تو ان کا نبی و رسول رہنا تو دور کی بات ہے وہ مومن بھی نہیں ہو سکتے

فَمَنْ تَوَلَّىٰ بَعْدَ ذَلِكَ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْفٰسِقُونَ ۝

(سُورَةُ آلِ عِمْرَانَ آيَةُ ۸۲)

نیز حدیث قدسی گزر چکی کہ جو محبوبانِ خداوند تعالیٰ میں سے کسی ایک کے ساتھ عداوت رکھے تو اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اعلانِ جنگ ہے۔ اور اسی جنگ کا اہل دُنیا نے نتیجہ اس طرح دیکھا کہ بعض موحدین موت کے قریب پیشاب پیتے تھے اور بعض کا پاخانہ مُنہ سے برآمد ہوتا تھا اور بعض کا چہرہ تک دیکھنے کے قابل نہیں تھا۔ انسانی صورت و شکل سے بھی ان کو محروم کر دیا گیا تھا جبکہ بڑے بڑے کافر اور بدکار مرتے ہیں مگر ان کا ایسا عبرتناک انجام نہیں ہوتا۔

علامہ سید محمود آلوسی رحمہ اللہ نے قولِ باری تعالیٰ انا کفینا کے

المستھزئین، یعنی ہم نے آپ کے ساتھ مذاق اور ٹھٹھا کرنے والوں سے آپ کو کفایت ہم پہنچائی کے تحت لکھا کہ حارث بن عطل سہمی بھی انہیں لوگوں



میں سے تھا جس کے پیٹ میں زرد آب پیدا ہو گیا :

حتیٰ خرج رجیعه من فمه فمات - (ص ۳۸ ج ۱۳)

حتیٰ کہ اس کا پاخانہ اس کے مُنہ سے نکلنے لگا اور وہ اس حالت میں مر گیا۔  
چوں خدا خواہد کہ پردہ کس درد

میلش اندر طعنتہ پا کاں زند

لہذا صرف توحید کے نشہ میں مست نہیں رہنا چاہیے بلکہ نبوت و رسالت

پر ایمان اور انبیاء و رسل کے آداب و احترام اور تعظیم و تکریم کو اس طرح اہمیت  
دینی چاہیے جیسے توحید کو کیونکہ ان میں کوئی ایک بھی دوسرے کے بغیر  
کار آمد نہیں ہے۔

نبی مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ تین صفات جس  
شخص میں موجود ہوں گی وہ ان کی بدولت ایمان کی لذت اور چاشنی محسوس  
کرے گا :

من كان الله ورسوله احب اليه مما سواهما

ومن احب عبداً لا يحبه الا الله ومن يكره ان

يعود في الكفر بعد ان انقذه الله منه كما يكره

ان يلقى في النار - (متفق عليه - مشکوٰۃ باب الايمان)

اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول مقبول جس شخص کو ان دونوں کے علاوہ

ہر چیز سے زیادہ محبوب ہوں اور جس بندے سے بھی محبت رکھے صرف

اللہ تعالیٰ کی وجہ سے محبت رکھے اور کفر کی طرف لوٹنا اس کو اس طرح



ناپسند ہو اس سے اللہ کے بچانے کے بعد جیسے کہ آگ میں ڈالا جانا اس کو ناپسند ہے۔

اس متفق علیہ حدیث میں رسولِ محترم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی محبت کو اللہ تعالیٰ کی محبت کی طرح جمیع ماسوا کی محبت سے زائد اور مقدم ٹھہرایا اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ شامل فرما کر تشنیہ کی ضمیر سے تعبیر کیا جس کی حکمت بیان کرتے ہوئے قاضی عیاض علیہ الرحمۃ سے علامہ بدر الدین عینی نے عمدۃ القاری شرح بخاری صفحہ نمبر ۷۵۷ ج ۱ میں اور علامہ علی قاری نے مرقاة شرح مشکوٰۃ میں نقل فرمایا :

تشنیہ الضمیر ہنا للایماء الی ان المعتبر هو المجموع  
المركب من المحبتین لاکل واحدة فانها وحدها  
ضائعة لاغیة والیہ الاشارة - (مرقاة جلد اول ص ۷۵)  
بقوله تعالى :

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُونِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ

(سورہ آل عمران آیت ۳۱)

یہاں ماسوا ہما میں تشنیہ کی ضمیر لانا اس طرف اشارہ کرنے کے لیے ہے کہ حلاوتِ ایمان کے حصول میں اعتبار دونو محبتوں کے مجموعہ و مرکب کا ہے نہ کہ ہر ایک کا الگ الگ کیونکہ ان دونو میں ہر محبت اکیلی ضائع اور لغو ہے اور بے فائدہ و بے نتیجہ اور اسی طرف اشارہ ہے اللہ تعالیٰ کے اس قول میں فرمادیں گے اگر تم اللہ تعالیٰ سے محبت رکھتے ہو



تو میری اتباع کرو اللہ تعالیٰ تمہیں اپنا محبوب بنا لے گا۔ ولنعم ما قیل

وانت باب اللہ ای امری۔ اتاہ من غیرک لا یدخل

یعنی وہ جہنم میں گیا جو ان سے مستغنی ہوا۔

ہے خلیل اللہ کو حاجت رسول اللہ کی

ع

اللہ تعالیٰ کی بارگاہِ ناز میں رسائی اور باریابی اس محبوب کے درِ اقدس

پر جبکہ فرسائی کے بغیر اور ان کا طوقِ غلامی پہننے بغیر اس بارگاہِ عالی کی حاضری

کی سعادت کا حاصل ہونا ناممکن ہے اور نہ ہی آپ کی اطاعت و انقیاد

کے بغیر اس درگاہ تک رسائی ممکن ہے جاتیکہ وہاں کوئی مرتبہ و مقام میسر

آسکے۔

ذکرِ خدا جو ان سے جدا چاہو نجدیو

و اللہ ذکرِ حق نہیں کنجی سقر کی ہے

لہذا توحیدِ خداوند تعالیٰ کا رسالتِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے

الگ کوئی اعتداد و اعتبار نہیں اور نہ اس سے کوئی فائدہ اور نفع حاصل

ہو سکتا ہے۔

## گلدستہ توحید

(ب) مشرک کے لیے کسی کی دعائے مغفرت اور صدقہ و خیرات بھی

ہرگز مفید نہیں۔

۱۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے حقیقی چچا ابوطالب کے لیے

لے علیہما الصلوٰۃ والسلام۔



مغفرت کی دُعا کی تو اللہ تعالیٰ نے تنبیہ نازل فرمائی :

مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِينَ آمَنُوا أَنْ يَسْتَغْفِرُوا لِلْمُشْرِكِينَ  
 وَلَوْ كَانُوا أَوْلِيَا قُرْبَىٰ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّهُمْ  
 أَصْحَابُ الْجَحِيمِ ۝

(سورہ توبہ آیت ۱۱۳)

یہ امر لائق نہیں نبی کو اور مسلمانوں کو کہ بخشش چاہیں مشرکوں کی اگرچہ  
 ہوں قرابت والے جبکہ کھل چکا ان پر کہ وہ دوزخ والے ہیں۔

حالانکہ آپ جانتے ہی ہیں کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ  
 کر خداوند تعالیٰ کا پیارا اور مقبول بندہ اور کوئی نہیں اور نہ ہو سکتا ہے  
 لیکن آپ کی اپنے حقیقی چچا کے حق میں دُعا قبول نہ ہوتی بلکہ آپ کو دُعا  
 سے ہی روک دیا گیا کیونکہ چچا شرک کی حالت میں مرا تھا حالانکہ کم و بیش  
 اڑتیس<sup>۳۸</sup> سال اس نے آپ کی خدمت کی تھی جس کی مثال نہیں ملتی۔

۲۔ عبد اللہ بن ابی رئیس المنافقین جس نے زبانی طور پر کلمہ توحید پڑھ  
 لیا تھا مگر دل میں بدستور کفر و شرک موجود تھا جب وہ مر گیا اور آنحضرت  
 نے اس کا جنازہ پڑھایا اور اس کے لیے دُعا تے مغفرت بھی کی، لیکن  
 اللہ تعالیٰ کا ارشاد نازل ہوا :

اسْتَغْفِرْ لَهُمْ أَوْ لَا تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ إِنْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ سَبْعِينَ مَرَّةً  
 فَلَنْ يَغْفِرَ اللَّهُ لَهُمْ ط

(سورہ توبہ آیت ۸۰)

آپ منافقوں کے لیے دُعا مانگیں یا نہ مانگیں، اگرچہ آپ ان کیلئے  
 ستر دفعہ بھی دُعا تے مغفرت کریں تو اللہ تعالیٰ ان کو ہرگز نہیں بخشے گا بلکہ  
 لہ صلی اللہ علیہ وسلم۔



احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے ستر مرتبہ سے بھی زیادہ دُعائے مغفرت کرنے کا ارادہ فرمایا لیکن اللہ تعالیٰ کی طرف سے ممانعت نازل ہوگئی۔

(بخاری جلد ۲ ص ۶۷۳)

۳۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام قیامت کے دن اپنے باپ کی مغفرت کیلئے اپیل کریں گے لیکن اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کو جواب ملے گا:

انی حرمت الجنة علی الکافرین (متفق علیہ، مشکوٰۃ ص ۳۸۳)

کہ بیشک میں نے کافروں اور مشرکوں پر جنت کو حرام کر دیا ہے۔

ابراہیم علیہ السلام ایسے اولوالعزم نبی کی دُعا مشرک والد کے لیے قبول نہ ہو سکی اور جب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دُعا اپنے حقیقی چچے کیلئے اور رئیس المنافقین عبد اللہ بن ابی کے لیے قبول نہ ہو سکی تو دوسروں کی دعائیں مشرکوں کے حق میں کیونکر قبول ہو سکتی ہیں۔ (ص ۲ تا ص ۲۲)

## گلشنِ توحید و رسالت

مشرک کی طرح مُنکر رسالت بھی قابلِ مغفرت اور لائقِ شفاعت نہیں

قطعِ نظر اس سے کہ آذر ابراہیم علیہ السلام کا باپ تھا جیسے کہ علامہ

سرفراز کا خیال ہے یا چچا تھا جیسے کہ علماءِ اعلام کے جم غفیر کا مذہب مختار ہے۔

علامہ صاحب کو یہ بتانا ہوگا کہ اس نے حضرت ابراہیم کی نبوت و رسالت،

کو تسلیم کر لیا تھا؟ اور اس کا جنت سے محروم ہونا اور ابراہیم خلیل علیہ السلام

کی شفاعت سے محروم ہونا صرف اور صرف شرک کی وجہ سے تھا، حالانکہ



حقیقتِ حال یہ ہے کہ: وہ آپ کی نبوت و رسالت کا بھی منکر تھا بلکہ اس نے آپ کو سنگسار کرنے کی دھمکی دی تھی جیسے کہ کلام مجید نے اس امر کی تصریح فرمائی ہے لَنْ لَمْ تَنْتَه لَادِجَمْنِكَ لِهَذَا وَاصِحْ هُوَ كَمَا كِه اس کی حراماں نصیبی کا موجب انکارِ توحید اور ارتکابِ شرک کے ساتھ ساتھ انکارِ نبوت اور وجودِ رسالت بھی تھا اور رسولِ برحق کی ایذا و تکلیف اور اسارت و بے ادبی بھی اس کا باعث تھی لہذا صرف شرک کی وجہ سے اس کو ناقابلِ مغفرت قرار دینا منصبِ نبوت کو غیر اہم ثابت کرنے کے مترادف ہے۔

نیز آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچے جناب ابوطالب کے بارے میں بھی علماءِ اعلام کا اختلاف ہے۔ علامہ احمد بن زینی دحلان اور بعض دیگر اکابر ان کے ایمان کے قائل ہیں اور علامہ موصوف کی اس موضوع پر مستقل کتاب، اسنی المطالب فی نجات ابی طالب۔ چھپی ہوئی ہے اور علامہ سہیلی نے مسعودی کے حوالے سے بھی ذکر کیا ہے کہ ابوطالب صاحبِ مشرف باسلام ہو گئے تھے۔ (فتح الباری ص ۱۳۹ ج ۷)

اور قولِ باری تعالیٰ: "مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِينَ آمَنُوا انْ يَسْتَغْفِرُوا لَلْمُشْرِكِينَ" میں عام مشرکین کا حکم بیان کیا گیا ہے جناب ابوطالب کی اسمیں تخصیص اور تنصیص نہیں ہے۔ باقی رہا معاملہ روایات کا تو وہ اخبارِ احاد ہیں ان سے قطعی عقیدہ ثابت نہیں ہو سکتا تو کسی کے عقیدہ و ایمان کی نفی و انکار پر ان سے قطعی دلالت کیسے حاصل ہو سکتی ہے۔ جب کہ محمد بن اسحق نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے بوقتِ مرگ



ہوٹے ہلاتے دیکھا تو کان لگاتے کہ کیا کہتے ہیں :

فقال يا ابن اخي والله لقد قال اخي الكلمة التي

امرته ان يقولها - (فتح الباری ص ۱۲۸ ج ۷)

تو پکار اٹھے اے میرے بھتیجے بخدا میرے بھائی نے وہ کلمہ پڑھا ہے جس کا آپ نے پڑھنے کا اسے حکم دیا تھا۔ گو یہ روایت ضعیف ہے لیکن حدیث کفر کی قطعیت کا دعویٰ تو ختم ہو جائے گا زیادہ سے زیادہ راجح مرجوح والا فرق ثابت ہو گا تو جس طرح اسادات کے لحاظ سے بوجہ خبر واحد ہونے کے قطعیت نہیں تھی مضمون اور مفہوم حدیث کے لحاظ سے بھی قطعیت باقی نہیں رہے گی۔

نیز قطع نظر ان کے ایمان دار ہونے اور صحیح عقیدہ اپنانے سے، دریافت طلب امر یہ ہے کہ جناب ابو طالب بت پوجا کرتے تھے؟ اگر صورت حال واقعی اس طرح ہوتی تو وہ اپنے خدائوں کی عزت و ناموس کے خلاف کوئی بات اپنے بھتیجے کی کیونکر برداشت کر سکتے تھے؟ اور دیگر مشرکین کو ان کے پاس یہ شکایت کرنے کی ضرورت کیوں پیش آتی تھی اور وہ انہیں باز رکھنے کا مطالبہ آپ سے کیونکر کرتے تھے؟ نیز قحط سالی کے موقع پر بارش کے لیے بتوں سے استغاثہ و استمداد نہیں کرتے تھے، بلکہ محمد کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے استغاثہ و استمداد کرتے ہوئے آپ کے بچپن کے زمانہ میں آپ کے معصوم اور نورانی ہاتھ اٹھا کر اللہ تعالیٰ سے بارانِ رحمت کے لیے التجا کرتے تھے اور اصل مراد ہو کر پکار اٹھتے تھے:



وَابْيَضُ يَسْتَقِي الْغَنَامُ بِوَجْهِهِ

شمال الیتامی عصمتہ للارامل

يلوذ به الهلاك من آلِ هاشم

فهم عنده في نعمة و فواضل

(خصائص ص ۸۶ جلد ۱)

یعنی وہ سفید چمکیلی رنگت والے جن کی وجاہت و آبرو کے طفیل برستے بادلوں کی التجا کی جاتی ہے۔ یتیموں کا سہارا ہیں اور بیوگان کی عصمت کا سامان، آلِ ہاشم کے تباہ حال لوگ ان کی پناہ لیتے ہیں پس وہ ان کی موجودگی میں نعمتوں اور راحتوں میں ہیں۔

جب کبھی سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بارش کے لیے دعا فرمائی اور اجابت و قبولیت نے اس کو بڑھ کر گلے سے لگا یا اور فوری طور پر موٹا دھا مینہ برسنے لگا تو حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے جناب ابوطالب کا یہ شعر پڑھنا شروع کر دیا۔

(بخاری شریف جلد اول ص ۱۳۷)

بلکہ بیہقی اور ابن عساکر نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے حدیث نقل کی ہے جس میں اعرابی نے سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بارش کے لیے دعا فرمانے کی التجا کی اور اپنی حالت زار عرض کی۔ آپ نے ازراہ لطف و کرم اس التجا کو شرف قبولیت بخشا اور آپ کی دعا سے فوری طور پر موٹا دھا بارش شروع ہو گئی اور اس زور سے برسنے لگی کہ نشیبی علاقوں والے فریاد کرنے لگے یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) الغرق الغرق، اے رسول خدا



ہمیں غرق ہونے سے بچائیے غرق ہونے سے بچائیے۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عرض کیا، اَللّٰهُمَّ حَوَالِنَا وَلَا عَلَيْنَا۔ اے اللہ ہمارے ارد گرد ہو اور ہم پر نہ ہو تو بادل فوراً چھٹ گیا۔

فَضْحَكَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتَّى بَدَتْ نَوَاجِذُهُ  
ثُمَّ قَالَ لِلَّهِ دَرُّ أَبِي طَالِبٍ لَوْ كَانَ حَيًّا قَرَّتْ عَيْنَاهُ  
فَقَالَ عَلِيُّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ كَأَنَّكَ أَرَدْتَ قَوْلًا : هـ

ابيض يستسقى العنمام بوجهه

شمال اليتامى عصمة للارامل

(خصائص کبریٰ ص ۱۶۲ ج ۲)

تو آپ ہنسے یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی داڑھی مبارک نمودار ہوئیں پھر آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے ابو طالب کی بہتری اور بھلائی اگر وہ زندہ ہوتے تو ان کی آنکھیں (یہ دوسرا معجزہ دیکھ کر) ٹھنڈی ہو جاتیں تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے عرض کیا گویا آپ کی مراد ان کا یہ قول ہے : ہـ

وابيض يستسقى العنمام بوجهه

شمال اليتامى عصمة للارامل

العرض اگر وہ مُشْرک ہوتے تو ہبل وغیرہ سے استغاثہ واستمداد کرتے اور ان کی پناہ طلب کرتے محبوب کریم علیہ السلام کو وسیلہ نہ بناتے اور ان کی پناہ طلب نہ کرتے اور ان کے توکل سے اللہ تعالیٰ سے دُعا نہ



کرتے بلکہ مشرکین کے اعتقاد کے مطابق ”هُوَلَاءِ شَفَعَاءُ نَاعِنْدَ اللّٰهِ“  
ان اصنام و اوثان کو شفیع بناتے اور جب اعلانِ نبوت سے قبل آپ کے  
ساتھ ان کی عقیدت و محبت کا یہ حال تھا تو اعلانِ نبوت کے بعد کیا وہ  
محبت و عقیدت نعوذ باللہ ختم ہو گئی تھی؟ اور کیا حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ  
اور حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ ان کی اجازت اور رضا مندی کے بغیر مشرف  
باسلام ہو گئے تھے؟ جب نہیں اور یقیناً نہیں بلکہ انکی اجازت اور رضا مندی  
سے ہی اسلام و ایمان کے ساتھ بہرہ ور ہوئے تھے تو آخر انہوں نے  
لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ پڑھنے اور اس پر ایمان لانے کی اجازت اپنے عقیدہ  
و نظریہ کے برعکس کیونکر دے دی؟ اور اپنے خداؤں کی خدائی کی نفی اور  
انکار پر رضی کیسے ہو گئے؟ لہذا صاف ظاہر ہے کہ وہ موحدین جاہلیت  
کے قبیل سے تھے اور انہیں اصنام و اوثان سے قطعاً کوئی تعلق نہیں تھا۔  
بلکہ انہوں نے تمام بنی عبدالمطلب کو اپنے مرضِ وصال کے موقعہ پر بلا کر کہا:  
لَنْ تَزَالُوا بِخَيْرٍ مَا سَمِعْتُمْ مِنْ مُحَمَّدٍ وَمَا اتَّبَعْتُمْ  
امره فاتبعوه و اعينوه ترمشدا -

(خصائص کبریٰ ص ۸۶ بڑا بیت ابن عساکر)

تم ہمیشہ خیر اور بھلائی کے ساتھ رہو گے جب تک محمد کریم صلی اللہ علیہ وسلم  
کے ارشادات سنتے رہو گے اور ان کی اتباع کرتے رہو گے لہذا ان کی اتباع  
کو اور امداد و اعانت کرو تو رشد و بھلائی تمہارا مقدر بن جائے گی۔  
نیز جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے کلمہ پڑھنے کا



مطالبہ کیا جبکہ وہ مرض الموت میں مبتلا تھے اور ابو جہل و عبد اللہ بن ابی امیہ جو پاس بیٹھے تھے انہوں نے کہنا شروع کر دیا :

يا ابا طالب اترغب عن ملة عبد المطلب فلم يزل  
يكلمانه حتى قال اخر شئ كلهم به على

ملة عبد المطلب  
(بخاری شریفین مع فتح الباری ص ۱۴۹ ج ۷)

اے ابو طالب کیا تم عبد المطلب کی ملت سے روگردانی کرنے لگے ہو؟  
تو دونوں اسی طرح اصرار کرتے رہے حتیٰ کہ آخری جملہ جو ان کی زبان سے  
سرزد ہوا یہ تھا کہ میں عبد المطلب کی ملت پر ہوں حالانکہ علماءِ اعلام کے  
جمہ غفیر کا مذہب مختار یہی ہے کہ جناب عبد المطلب موحد تھے اور نجاست  
شُرک سے ہرگز ہرگز ان کا دامن آلودہ نہیں تھا جیسے کہ عنقریب ذکر کیا  
جاتے گا۔ لہذا جناب ابو طالب کے مشرک ہونے کا دعویٰ بھی سراسر غلط اور  
بے بنیاد ہے۔

## کلمہ اعلانیہ پڑھنے کی وجہ

البتہ یہ امر قابل تحقیق اور لائق تفتیش ہے کہ انہوں نے آپ کو صادق  
و امین مانا اور آپ کے دعویٰ رسالت و نبوت کو برحق جانا جیسے کہ ان  
کا قول ہے :

و دعوتنی و علمت انک صادق -

ولقد صدقت و کنت قبل امینا



تم نے مجھے دعوت دی اور مجھے یقینی طور پر معلوم ہے کہ تم سچے ہو اور مجھذا  
 تم نے سچ کہا اور قبل ازیں بھی تم امین اور لائق اعتماد و وثوق تھے لیکن بائیں  
 کلمہ طیبہ اور کلمہ شہادت اعلانیہ پڑھ کر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حلقہ  
 غلامی میں داخل نہ ہوئے ورنہ حضرت حمزہ اور حضرت عباس رضی اللہ عنہما  
 کے ایمان لانے میں جس طرح کوئی اختلاف وقوع پذیر نہیں ہوا آپ کے  
 ایمان لانے میں بھی کسی کو اختلاف کرنے کی گنجائش نہ ہوتی تو علامہ شہاب  
 خفاجی نے شرح شفاء میں اس حکمت اور مصلحت سے پردہ اٹھایا اور  
 بتلایا کہ ان سے قبل علامہ ابن القیم نے الہدی النبوی میں اور صاحب امتاع  
 نے بھی یہی حکمت و مصلحت بیان کی ہے۔ (ملاحظہ ہو نسیم الریاض ص ۳۵۲ ج ۳)

واعلم ان اباطالب كانت محبة الرسول الله صلى الله عليه وسلم  
 ومعرفة بانه رسول الله وتصديقه في قلبه محققة  
 لكن الله لم يهدده للاسلام وفيه حكمة عظيمة و  
 هو انه صلى الله عليه وسلم كان في جواره وحمايته  
 ظاهراً حتى ما كان يجدي عليه احد فلو اسلم  
 لم يقبلوا جواره اذ لا جوار للمسلمين عندهم  
 فختم الله على لسانه لذلك ولذا المامات لزمت  
 الهجرة لرسول الله صلى الله عليه وسلم واهلبيته  
 وهذا ما تفتن له بعض العلماء كابن القيم في  
 الهمدي النبوي وصاحب الامتاع -



یقین جانیے کہ جناب ابو طالب کی رسولِ محترم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت و مودت اور آپ کے رسول برحق ہونے کی معرفت اور تصدیق قلبی یقیناً موجود و متحقق تھی لیکن بایں ہمہ اللہ تعالیٰ نے انہیں اسلام کی ہدایت و توفیق مرحمت نہیں فرمائی تو اس میں عظیم حکمت ہے اور وہ یہ ہے کہ رسولِ کریم علیہ السلام بظاہر ان کی پناہ اور حفظ و امان میں تھے حتیٰ کہ کوئی کافر و مشرک آپ کے خلاف اقدام کی جرأت نہیں کر سکتا تھا لیکن اگر آپ اسلام لاتے تو پھر کفار و مشرکین آپ کے حفظ و امان اور عہد و پیمان کو قطعاً قبول نہ کرتے کیونکہ ان کے نزدیک مسلمانوں کے کسی کو پناہ دینے کی کوئی حیثیت نہیں تھی تو اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان کی زبان کو اس اعلان سے سہمہ کر دیا اور یہی وجہ ہے کہ جب ان کا انتقال ہو گیا تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے اہل بیت کو (اور حلقہ غلامی میں داخل ہونے والوں کو) مجبوراً ہجرت کرنی پڑی۔

**سوال :** بخاری شریف میں ہے کہ جناب ابو طالب کے اس جواب کے بعد کہ میں ملت عبدالمطلب پر ہوں، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: لَا يَسْتَغْفِرَنَّ لَكَ مَا لَمْ اَنْدِهْ عَنْهُ فِي تَيْرٍ يَوْمَئِذٍ لِيَاذُرَكَ مِنَ السَّمَاءِ لَوْ كَانُوا اُولٰٓئِكَ يَفْقَهُوْنَ مَا تَقُولُ وَلَا يَسْتَغْفِرَنَّ لَكَ مَا لَمْ اَنْدِهْ عَنْهُ فِي تَيْرٍ يَوْمَئِذٍ لِيَاذُرَكَ مِنَ السَّمَاءِ لَوْ كَانُوا اُولٰٓئِكَ يَفْقَهُوْنَ مَا تَقُولُ۔

فَنَزَلَتْ مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِينَ آمَنُوا أَنْ يَسْتَغْفِرُوا  
لِلْمُشْرِكِينَ وَلَوْ كَانُوا اُولٰٓئِكَ قُرْبٰى اِلٰيْهِ وَنَزَلَتْ اِنَّكَ  
لَا تَهْدٰى مِنْ اٰحِبِّت -



تو یہ آیت کریمہ نازل ہوئی کہ نبی اور ایمانداروں کو لائق نہیں کہ مشرکین کے لیے استغفار کریں اگرچہ قرابت دار ہوں اور یہ آیت نازل ہوئی، ”تم ہدایت نہ فرماتے اسے جس کو محبوب رکھو“ تو پہلی آیت میں مشرکین کا لفظ مذکور ہے لہذا ابوطالب کا مشرک ہونا قرآن مجید سے ثابت ہو گیا۔

**جواب :** اہل عرب چونکہ بالعموم مشرک تھے اس لیے جو ان میں مشرک نہیں تھے لیکن نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت و رسالت کا اقرار بھی نہیں کرتے تھے ان کو بھی مشرک کے لفظ سے تعبیر کر دیا گیا جس طرح اللہ تعالیٰ نے فرمایا :

ان الله لا يغفر ان يشرك به ويغفر ما دون ذلك لمن يشاء

کہ میں شرک کو نہیں بخشوں گا اور اس کے علاوہ گناہوں کو جس کے حق میں چاہوں گا بخش دوں گا تو لازم آئے گا کہ انبیاء و رسل اور ملائکہ اور کتب سماویہ اور قیامت کے منکرین و کفار بھی بخشے جاسکتے ہیں حالانکہ ہرگز ہرگز وہ لوگ نہیں بخشے جائیں گے لہذا جس طرح اس آیت کریمہ میں ذکر خاص شرک کا ہے لیکن اس سے مراد عام ہے یعنی کفر اسی طرح آیت مذکور بالا میں بھی ذکر مشرکین کا کیا گیا مگر معنی عام مراد ہے یعنی کفار والا۔ اگر کسی کو اس پر اصرار ہو کہ نہیں نہیں یہاں پر مشرکین کا لفظ اپنے مخصوص معنی میں ہی استعمال ہوا ہے تو انہیں دیگر کفار کے لیے بخشش طلب کرنے کا جواز تسلیم کرنا پڑے گا جو کہ قطعاً باطل ہے۔



نیز مسند امام احمد میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جناب  
ابو طالب نے کہا:

لولا ان تعیرنی قریش یقولون ما حملہ علیہ الاجزع

الموت لا قررت بها عینک -

اگر یہ ڈرنہ ہوتا کہ قریش مجھے عیب و عار لگائیں گے اور کہیں گے کہ  
کلمہ پڑھنے پر اس کو صرف اور صرف موت کی گھبراہٹ اور خوف نے برا لگیختہ  
کیا ہے تو میں کلمہ پڑھ کر تمہاری آنکھ ٹھنڈی کرتا اور تمہیں خوش کرتا۔

واخرج ابن اسحاق من حدیث بن عباس نحوہ

(فتح الباری ص ۱۲۹ ج ۷)

اور محمد بن اسحاق نے بھی حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے  
اس طرح حدیث نقل کی ہے۔

گویا حضرت ابو ہریرہ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی دونوں  
حدیثوں سے یہ معلوم ہوا کہ انہوں نے صرف اس عار اور عیب اور تہمت و  
الزام باطل کی وجہ سے کلمہ بر ملا نہیں پڑھا ورنہ اوثان و اصنام کی الوہیت  
کا عقیدہ ہوتا تو صاف صاف کہہ دیتے، میں تو تمہارے قول کی وجہ سے  
اپنے خداؤں کو نہیں چھوڑ سکتا اور صرف ایک خدا نظام کائنات کیونکر  
چلا سکتا ہے جس طرح مشرکین نے لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ سُن کر تعجب و حیرت  
کا اظہار کرتے ہوئے کہا تھا۔

أجعل الآلهة الهاً واحداً ان هذا لشيء عجائب



**سوال :** یہ مانا کہ وہ اعلانیہ اسلام کا اظہار کرتے تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے حفظ و امان اور پناہ و سہارا ثابت نہیں ہو سکتے تھے لیکن جب انہیں اپنی موت سر پر منڈلاتی نظر آ رہی تھی تو اس وقت یہ مصلحت و حکمت اور نظریہ اور خیال تو ختم ہوتا صاف دیکھائی دے رہا تھا پھر کیوں نہ کلمہ پڑھ لیا، کیونکہ موت اسلام پر نہ ہوتی تو بھی بعد از ممات تو آپ کے ملبا و ماویٰ اور سہارا و پناہ ثابت نہیں ہو سکتے تھے لہذا زندگی بھر نبی کریم علیہ السلام کے لیے جس طرح ڈھال بنے رہے تھے وہم آخریں کلمہ پڑھ کر اسلام و ایمان کو اور پیارے مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنے لیے ڈھال اور ملبا و ماویٰ بنا لیتے اور اخروی عذاب سے تحفظ حاصل کر لیتے

**جواب :** اوپر والی روایت سے اس کا جواب آچکا کہ بعد میں تنگ و عار والے توہم کی بنا پر اعلانیہ کلمہ نہ پڑھا نہ کہ مشرک ہونے اور اوثان و صنم کے ساتھ عقیدت و محبت اور ان کی الوہیت و معبودیت کے عقیدہ کی وجہ سے اور ہمارا بنیادی مقصد ان کے مومن و مسلم ہونے کا اثبات نہیں ضرر فرماؤ حساب کے دعوائے شرک کا ابطال ہے اور وہ واضح ہو چکا۔

نیز ہو سکتا ہے کہ ان کا خیال یہ ہو کہ قلبی تصدیق کافی ہے اور اس کی بدولت بھی نجات حاصل ہو جائے گی زبانی اور اعلانیہ اقرار و اعتراف ضروری نہیں حالانکہ صاحب شرع کے مطالبہ کے بعد زبانی اقرار و اعتراف بھی ضروری تھا لیکن وہ غلط فہمی کا شکار ہو کر اپنی حالت کو ان لوگوں پر قیاس کر بیٹھے جن کے دل میں تصدیق و ایمان ہو اور مطالبہ نہ پاتے جانے کی وجہ سے زبانی



اقرار و اعتراف نہ کریں تب بھی وہ ابدی عذاب سے نجات و خلاصی کے لیے کافی ہوتا ہے۔ اقرار و اعتراف صرف ذنیوی طور پر احکام جاری کرنے کے لیے ضروری ہوتا ہے گو یہ قیاس غلط تھا۔ واللہ اعلم بحال عبادہ۔

## مبحث ایمان ابراہیمی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

چونکہ علامہ سرفراز صاحب نے آذر کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کا حقیقی باپ تسلیم کر لیا اس سے بھی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سلسلہ آباء و اجداد میں کافر و مشرک کا موجود ہونا لازم آگیا۔

نیز جناب ابوطالب نے دمِ آخر میں کہا ہو علی ملۃ عبد المطلب تو مشرک ماننے سے جناب عبد المطلب کا بھی مشرک ہونا لازم آتا ہے اسلئے اس امر کی تحقیق ضروری ہے کہ نبی مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تمام آباء و اجداد میں شرک اور کفر پایا گیا یا نہیں؟ تو ہمارے نزدیک جمہور علماء اسلام کا مذہب یہی ہے کہ نبی مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تمام آباء و اجداد حضرت آدم علیہ السلام مومنین اور موحدین تھے اور جبرامت مفسر صحابہ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے قول باری تعالیٰ و تقلبک فی الساجدین سے اس مدعا پر استدلال فرمایا جیسے کہ تفسیر درمنثور جلد پنجم ص ۹۸ پر منقول ہے:

اخرج ابن ابی حاتم وابن مردویہ و ابونعیم فی الدلائل (الی) ما زال النبی صلی اللہ علیہ وسلم یقلب فی اصلاب الانبیاء حتی ولدته۔ اخرج



ابن مردودیہ عن ابن عباس سالت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم  
(الی) لم یلتق ابواي قط علی سفاح لم یزل اللہ  
ینقلنی من الاصلاب الطلیبة الی الارحام الطاهرة  
الحديث -

قاضی عیاض علیہ الرحمہ نے شفاء شریف میں حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ  
سے نقل کیا، اور سیوطی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس حدیث کو ابن ابی عمر العدنی  
نے اپنی مسند میں ذکر کیا ہے :

ثم لم یزل اللہ ینقلنی من الاصلاب الکریمۃ و  
الارحام الطاهرة حتی اخرجنی من بین ابوی  
(شفاء مع نسیم الریاض ص ۲۳۵ ج ۱)

علامہ سید محمود آلوسی حنفی روح المعانی میں فرماتے ہیں :

انه ابن عباس (رضی اللہ عنہ) فسرت قلب فیہم  
بالتنقل فی اصلابہم حتی ولدتہ املہ (الی)  
یراد بالساجدین المؤمنون -

خلاصہ مفہوم تمام عبارات کا یہ ہے کہ ابن ابی حاتم، ابن مردودیہ اور  
ابو نعیم نے دلائل میں حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے  
کہ ساجدین میں قلب سے مراد یہ ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم  
انبیاء علیہم السلام کے اصلاب میں یکے بعد دیگرے منتقل ہوتے رہے تاکہ  
انہیں والدہ ماجدہ نے جنم دیا اور ابن مردودیہ نے حضرت عبد اللہ بن عباس



سے نقل کیا ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سوال کیا کہ جب آدم علیہ السلام جنت میں تھے تو آپ کہاں تھے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم مسکراتے (پھرہنٹے) یہاں تک آپ کی ڈاڑھیں مبارک نمودار ہو گئیں پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، انی کنت فی صلبہ وھبط الی الارض میں آدم کی پشت میں تھا جبکہ وہ زمین کی طرف اترے (تا) میرے ماں باپ (کسی بھی مرتبہ کے ہوں) کبھی بھی زنا پر جمع نہیں ہوئے اللہ تعالیٰ ہمیشہ مجھے پاکیزہ پشتوں سے پاک رحموں کی طرف منتقل کرتا رہے۔

(الحديث وكذا في الشفاء لقاضي عياض مع شرح ص ۴۳۵ جلد اول)

علامہ آلوسی فرماتے ہیں کہ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے قلبك فی المساجدین کی تفسیر میں فرمایا کہ اس سے مراد ہے کہ سجدہ کرنے والوں میں آپ کا یکے بعد دیگرے منتقل ہونا یہاں تک کہ آپ کو والدہ ماجدہ نے جنم دیا اور اس تقدیر پر ساجدین سے اہل ایمان مراد ہونگے۔ علامہ سید محمود آلوسی فرماتے ہیں:

والذی ادین اللہ بہ نجاتہ ابوہ صلی اللہ علیہ وسلم  
وقد الفت رسائل فی ذلک رغما لانف علی القاری  
ومن وافقہ واعتقدان جمیع اباہ علیہ الصلوٰۃ والسلام  
لا سیما من والدہ بلا واسطۃ او فر الناس حضا  
ما اوتی هناك من السعادة والشرف وسمو القدر

(روح المعانی ص ۴۹ ج ۳)



وہ امر کہ میں اس کو دینِ خداوند تعالیٰ سمجھ کر اپناتا ہوں وہ ہے آپ کے والدین کریمین کا نجات پانا اور اس موضوع پر کئی رسائل تالیف کیے گئے ہیں اور اس امر کو میرہن انداز میں ثابت کیا گیا ہے۔ ملا علی قاری اور ان کے ہم نواؤں کے نظریہ کے برعکس اور میں یہ عقیدہ رکھتا ہوں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تمام آباؤ اجداد خصوصاً بلا واسطہ ابوبن تمام لوگوں کی نسبت زیادہ حصہ پانے والے ہوں گے اس سعادت اور فضل و شرف اور بلندی مرتبت سے جو آپ کو روزِ حشر عطا ہوگی۔

یہی علامہ والدین کریمین کے ایمان کے بارے میں فرماتے ہیں :  
 وانا اخشى الكفر على من يتول فيهما رضى الله عنهما  
 على رغم انف على القارى واضرابه بضد ذلك

(صفحہ نمبر ۱۲۲ ج ۱۹)

اور میں اس شخص پر کافر ہو جانے کا خوف رکھتا ہوں جو ان میں ایمان کا قائل نہیں ہے، علی قاری اور ان کے ہم نواؤں کے علی رغم الانف اور ان کی رضا و رغبت کے برعکس۔

الغرض حضرت ابراہیم علیہ السلام کے حقیقی باپ کا ایمان و اسلام اور اس کا ناجی ہونا تسلیم کرنا لازمی ہے اور آذر آپ کا حقیقی باپ نہیں بلکہ چچا ہے اور چچے کو بطور مجاز اب کہنا جائز اور صحیح ہے جیسے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام کے بیٹوں نے حضرت اسمعیل علیہ السلام کو آپ کے آباہ میں شمار کیا۔ کما قال تعالیٰ :



قالوا نعبد الهك والذ اباءك ابراهيم واسماعيل  
واسحق الها واحداً (الاية)

اور یہی جمہور علماء اسلام کا مذہب مختار ہے۔

علامہ سید محمود آلوسی حنفی اپنی شہرہ آفاق تفسیر روح المعانی میں فرماتے ہیں:

والذی عول علیہ الجہم الغفیر من اهل السنۃ ان  
اذر لم یکن والذ ابراهیم علیہ السلام وادعوا انہ  
لیس فی اباء النبی صلی اللہ علیہ وسلم کافراً اصلاً  
نقولہ صلی اللہ علیہ وسلم، لم ازل انقل من اصلاب  
الطاہرین الی ارحام الطاہرات، والمشرکون  
نجس وتخصیص الطہارۃ بالطہارۃ من السفاح  
لا دلیل لہ یعول علیہ والعبۃ لعموم اللفظ  
لا لخصوص السبب وقد الفوا فی هذا المطلب  
الرسائل واستدلوا لہ بما استدلوا والقول بان  
ذک قول الشیعۃ کما ادعاه الامام الرازی ناشی  
من قلة التبع واكثر هولاء علی ان آذر اسم لعم

ابراہیم علیہ السلام - (ص ۱۶۹ ج ۷)

اہل السنۃ کے جہم غفیر کا جس امر پر اعتماد ہے وہ یہی ہے کہ آذر

ابراہیم علیہ السلام کا باپ نہیں ہے اور انہوں نے دعویٰ کیا ہے کہ نبی مکرم کے  
آباء و اجداد میں سے کوئی ایک بھی کافر نہیں تھا کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم  
لہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔



کا فرمان ہے، ”میں ہمیشہ پاک پشتوں سے پاک ارحام کی طرف منتقل کیا جاتا رہا۔“ حالانکہ مشرکین نجس اور پلید ہیں اور حدیث شریف میں بیان کر دہ طہارت کو زنا والی نجاست سے طہارت کے ساتھ مخصوص ٹھہرانے پر کوئی قابل قبول اور لائق اعتماد دلیل نہیں ہے جبکہ (از روئے قواعد و اصول) اعتباراً عموم الفاظ کا ہوتا ہے نہ کہ سبب (اور مورد) کی خصوصیت کا، اور علماء اہل السنّت نے اس مطلب و مدعا کے اثبات کے لیے رسال تالیف کیے ہیں اور اس پر بہت سے دلائل قائم کیے ہیں۔

یہ امر کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تمام آباء کے مومن ہونے کا قول شیعہ کا قول ہے جیسے کہ امام رازی رحمہ اللہ نے دعویٰ کیا ہے تو وہ قلت تتبع اور ناقص تحسّس پر مبنی ہے اور اکثر اہل السنّت اسی پر اعتماد کرتے ہیں کہ آذر ابراہیم علیہ السلام کے چچا کا نام ہے اور لفظ آب کا اطلاق چچا پر ثابت ہے۔ قال تعالیٰ:

ام كنتم شهداء اذ حضر يعقوب الموت اذ قال  
 لبنيه ما تعبدون قالوا نعبد الهك والله آباءك  
 ابراهيم واسماعيل واسحق

اور اس قول باری تعالیٰ میں (آپ کے چچے اسمعیل پر جس طرح آب کا لفظ بولا گیا ہے) آپ کے دادا ابراہیم علیہ السلام کو بھی آپکا آب کہا گیا ہے۔

وايد بعضهم دعوى ان ابا ابراهيم عليه السلام



الحقیقی لم یکن کافراً وانما الکافر عمه بما  
 اخرجہ ابن المنذر فی تفسیرہ بسند صحیح عن سلیمان  
 بن سرد رضی اللہ عنہ قال لما اراد وان یلقوا  
 ابراہیم علیہ السلام فی النار جعلوا یجمعون الحطب  
 حتی ان کانت العجوز تجمع الحطب فلما تحقق  
 ذلک قال حسبی اللہ ونعم الوکیل فلما القوه - قال اللہ تعالیٰ:  
 یا نار کونی برداً وسلاماً علی ابراہیم“ فكانت  
 فقال عمه من اجلی دفع عنہ فارسل اللہ علیہ  
 شرارة من النار فوقعت علی قدمه فاحرقته۔ (ص ۱۶۹)

اور علماء اہل السنّت میں سے بعض نے اپنے اس دعویٰ کی (کہ حضرت  
 ابراہیم علیہ السلام کے حقیقی باپ کافر نہیں تھے بلکہ ان کے چچے کافر تھے) کی  
 تائید و تقویت میں وہ روایت پیش کی ہے جس کو ابن المنذر نے اپنی تفسیر  
 میں صحیح سند کے ساتھ حضرت سلیمان بن سرد رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے  
 کہ جب نرودیوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں پھینکنے کا پکارا وہ  
 کر لیا تو لکڑیاں جمع کرنے لگے یہاں تک کہ بوڑھی کھوسٹ عورتیں بھی لکڑیاں  
 جمع کرنے لگیں تو جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اس امر کا یقین ہو گیا تو  
 آپ نے کہا، مجھے اللہ کافی ہے اور وہ اچھا کار ساز ہے۔ جب انہوں  
 نے آپ کو آگ میں پھینک دیا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے آگ ابراہیم پر  
 ٹھنڈی ہو جا اور ہر سلامتی بن جا تو وہ حسب حکم ٹھنڈی ہو گئی تو آپ



کے چچا نے کہا میری وجہ سے ابراہیم سے یہ مصیبت ٹلی ہے اور عذاب دُور  
ہوا ہے تو اللہ تعالیٰ نے اس آگ کا شرارہ اس پر بھیجا جو اسکے قدم پر گرا اور  
وہ جل گیا۔

اور اس روایت سے بھی تائید و تقویت پیش کی ہے جو محمد بن کعب قتادہ  
عجاہد اور حسن بصریؒ وغیرہم سے ابن المنذر نے نقل کی ہے :

ان ابراہیم علیہ السلام لم یزل یستغفر لابیہ حتی  
مات فلما مات تبین له انه عدو الله فلم یستغفره  
ثم هاجر بعد موته وواقعة النار الى الشام ثم  
دخل مصر واتفق له مع الجبار ما اتفق ثم رجع الى  
اشام ومعه هاجر ثم امره الله ان ينقلها وولدها  
اسمعیل الى مكة فنقلهما ودعا هناك فقال  
ربنا انى اسكنت من ذریتی بواد غیر ذی ذرع عند  
بیتک المحرم الى قوله (ربنا اغفر لی ولوالدی وللمؤمنین  
یوم یقوم الحساب) فانه یستنبط من ذلك ان  
المذکور فی القرآن بالكفر هو عمه حیث صرح  
الاثرا الاول ان الذی هلك قبل الهجره هو عمه وذل  
الاثرا الثانی علی ان الاستغفار لوالدیہ کان بعد هلاك  
ابیہ بمدة مدیة فلو كان الهالك هو ابوه الحقیقی  
لم یصح منه علیه السلام هذا الاستغفار له اصلا  
له رضی الله عنہم۔



فالذی یظہر ان المہالک ہوالعم الکافر المعبر عنہ  
بالاب مجازاً وذلک لم یستغفرہ بعد الموت وانما المستغفر لہ ہو  
الاب الحقیقی وليس بأذروکان فی التعبیر بالوالد فی آیۃ الاستغفار  
والاب فی غیرہا اشارۃ الی المنایرۃ - (ص ۱۶۹ ج ۱)

حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے اب (آذر کے لیے استغفار کرتے رہے  
یہاں تک کہ وہ فوت ہو گئے پس جب وہ فوت ہو گئے تو ان پر واضح ہو گیا  
کہ وہ اللہ تعالیٰ کے دشمن ہیں تو آپ نے ان کے لیے استغفار نہ کی پھر انہوں  
نے اس کی موت اور آگ میں پھینکے جانے والے واقعہ کے بعد شام کی طرف  
ہجرت فرمائی بعد ازاں مصر میں داخل ہوئے اور انہیں مصری جبار کے ساتھ  
عظیم واقعہ پیش آیا پھر شام کی طرف مراجعت فرما ہوئے جبکہ آپ کے ساتھ  
حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا بھی تھیں (جو جبار مصر کی طرف سے حضرت سارہ  
کو بطور خادمہ دی گئی تھیں) پھر اللہ تعالیٰ نے ان کو حکم دیا کہ حضرت ہاجرہ  
اور ان کے فرزند اربعمند حضرت اسمعیل علیہما السلام کو مکہ مکرمہ (والی جگہ)  
کی طرف منتقل فرمائیں چنانچہ انہوں نے انکو مکہ مکرمہ والی جگہ کی طرف منتقل فرمایا اور وہاں پر عافرمائی  
”اے ہمارے رب میں نے اپنی اولاد میں سے بعض کو بے آب و گیاہ  
وادی میں تیرے محترم گھر کے پاس ٹھہرایا ہے (تو) اے میرے رب مجھے  
بخش اور میرے والدین اور تمام مومنین کو روزِ حشر بخش“

تو اس دُعا سے مستنبط ہوتا ہے کہ قرآن مجید میں جس کے کفر کا ذکر کیا گیا  
ہے وہ آپ کا چچا ہے کیونکہ پہلی روایت سے بصراحت معلوم ہوتا ہے کہ آپ  
لہ رضی اللہ عنہا۔



کی ہجرت سے قبل فوت ہونے والے آپ کے چچا تھے۔ اور دوسری روایت اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ آپ کی والدین کے لیے مغفرت کی طلب آپ کے باپ کی وفات کے بہت عرصہ بعد پائی گئی۔

لہذا اگر (آپ کی ہجرت سے قبل وفات پانے والے آپ کے حقیقی باپ ہوتے تو قطعاً ان کے لیے آپ کی طرف سے استغفار نہ پائی جاتی لہذا جو کچھ ظاہری طور پر معلوم ہوتا ہے وہ یہی ہے کہ فوت ہونے والا آپ کا فرچچا تھا جس کو مجازی طور پر اَب (باپ) کے لفظ سے تعبیر کیا گیا اور اس کیلئے آپ نے موت کے بعد استغفار نہیں کی بلکہ اپنے حقیقی باپ کے لیے استغفار کی ہے جو آذر نہیں اور گویا استغفار والی آیت میں والد کے لفظ سے تعبیر اور دوسری آیات میں اَب کے لفظ سے تعبیر میں اسی مغایرت کی طرف اشارہ ہے۔

**اقول :** اسی طرح "اذ قال لابیه اذر" میں بھی یہی اشارہ معلوم ہوتا ہے کیونکہ جب باپ کہہ دیا گیا تو تعیین مراد تو اس سے ہو چکی تھی پھر آذر کے اضافہ کی چنداں ضرورت نہ تھی کیونکہ حقیقی باپ تو ایک ہی ہوتا ہے نیز مقام بھی مذمت کا ہے اور ایسے مقامات میں ناموں کی تصریح کی بجائے بطور اشارہ و کنایہ ذکر کرنا ہی مناسب ہوتا ہے جیسے کہ قول باری تعالیٰ :

وما کان للنّبی والذین امنوا ان یستغفروا للمشرکین

اور قول باری تعالیٰ ، انک لا تھدی من احببت الایۃ میں نام کی تعیین شان نزول والی روایات کے ذریعے کی گئی ہے۔ آیات کریمہ میں نام کی تصریح سے گریز کیا گیا ہے تو اس قرینہ سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ



یہاں لفظ آب اپنے ظاہری اور حقیقی معنی پر محمول نہیں تھا اسی لیے ساتھ نام کی صراحت کر دی گئی تاکہ مقصود اصلی اور حقیقی مصداق کی وضاحت ہو جائے۔  
**تشریح :** علامہ سیوطی رحمہ اللہ نے مسالک الحنفیہ فی والدی المصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم میں یہی تحقیق ذکر فرمائی ہے جو علامہ سید محمود آوسی صاحب نے ذکر کی ہے اور قول باری تعالیٰ ، و تقلبک فی الساجدین اور قول رسول صلی اللہ علیہ وسلم لم ازل انقل من اصحاب الطاہرین الی ارحام الطاہرات سے استشاد و استدلال پیش کیا ہے۔

نیز علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے مزید دلائل قائم کر کے اس کو مدلل اور مبرہن انداز میں بیان فرمایا اور مجاہد اور سعدی اور ابن جریر سے صحیح سند روایات کے ساتھ اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے ضعیف سند روایت (جو کہ دیگر روایات کے ساتھ مل کر تقویت حاصل کر چکی ہے) کے ساتھ نقل کیا کہ ابراہیم علیہ السلام کے حقیقی باپ کا نام آذر نہیں تھا بلکہ ان کا نام تارخ یا تیرح یا تارح تھا۔ مزید تفصیل اصل رسالہ میں ملاحظہ فرمادیں اور ان کے دیگر رسائل میں۔

حضرت شیخ محقق شاہ عبدالحق محدث دہلوی اشعۃ اللمعات جلد چہارم میں فرماتے ہیں :

اما آبار کرام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پس ہمہ ایشاں از آدم تا عبد اللہ طاہر و مطہر انداز و نس کفر و نجس شرک چنانچہ فرمود بیرون آمدہ ام از اصلاب طاہرہ بارحام طاہرہ و دلائل دیگر کہ متاخرین علماء حدیث آنرا رحمۃ اللہ علیہ۔



تحریر و تقریر نموده اند و عمری ایسی علمیت کہ حق تعالیٰ سبحانہ، مخصوص گردانیدہ  
 بایں متاخرین را یعنی علم آنکہ آبار و اجداد شریف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم  
 ہمہ بر دین توحید و اسلام بودہ اند و از کلام متقدمین لایح میگرد و کلمات  
 برخلاف آن و ذلک فضل اللہ یوتیہ من یشاء و یختص بہ من یشاء  
 و خدا جزائے و ہدیخ جلال الدین سیوطی را کہ دریں باب رسال تصنیف کردہ  
 افادہ و اجدادہ نمودہ ایں مدعا را ظاہر و باہر گردانیدہ است و حاشا للہ کہ  
 ایں نور پاک را در جائے ظلمانی پلید بنہند و در عرصات آخرت بہ تعذیب و  
 تحقیر آبار اورا محزی و مخذول گردانند - (ص ۳۹۱)

لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آبار کرام تمام کے تمام حضرت  
 آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت عبد اللہ تک کفر کی میل اور شرک کی نجاست  
 سے طاہر و مطہر ہیں جیسے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے کہ  
 پاک پشتوں سے پاک رجموں کی طرف منتقل ہوا ہوں اور دوسرے دلائل بھی  
 قائم کیے گئے ہیں جیسے کہ متاخرین علماء حدیث نے ان کو تحریر فرمایا اور  
 بیان کیا اور مجھے میرے خالی زبیت کی قسم ہے کہ اس علم کے ساتھ یعنی آپ  
 کے آباؤ اجداد کے توحید اور اسلام پر ہونے کے علم کے ساتھ حق تعالیٰ نے  
 متاخرین علماء کو منحصر اور ممتاز ٹھہرایا ہے جبکہ متقدمین علماء کے کلام میں  
 اس کے خلاف کلمات ظاہر ہوتے ہیں یہ اللہ تعالیٰ کا فضل عظیم ہے، اور  
 اللہ تعالیٰ جس کو چاہے اپنے فضل و کرم سے نواز دے اور جس کو چاہے  
 کسی نعمت کے ساتھ منحصر ٹھہرادے۔ اللہ تعالیٰ شیخ جلال الدین سیوطی کو



جزائے خیر عطا کرے جنہوں نے اس مسئلہ پر رسالہ تصنیف فرما کر لوگوں کو عظیم فائدہ اور نفع پہنچایا اور اس مسئلہ کو واضح اور روشن کیا۔

حاشا للہ وپناہ بخدا کہ رسولِ معظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نورِ پاک کو ظلمانی اور پلید جگہ میں رکھیں اور قیامت کے میدان میں آپ کے آبا و اجداد کو عذاب دے کر اور تحقیر و تذلیل کر کے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو رسوائی اور ذلت سے دوچار کریں۔ (العیاذ باللہ)

اقول، فرمان باری تعالیٰ ہے، انما المشركون نجس فلا يقربوا المسجد الحرام۔ الایۃ۔ یعنی مشرکین نجس اور پلید ہیں۔ لہذا وہ مسجدِ حرام کے قریب بھی نہ پھٹکیں اور وہ ہستی مقدس کہ جن کے جسدِ اطہر سے مساس کا شرف حاصل کرنے والی مٹی، بیت المقدس، کعبہ مکرمہ اور عرشِ اعلیٰ نے بھی افضل ہو ان کی ذاتِ اقدس اور حقیقتِ مطہرہ اور نورانی عنصر کو مکمل طور پر نجس اور پلید جگہ میں داخل کر دیا جائے یہ کیسے باور کیا جا سکتا ہے؟ کیا مسجدِ حرام کو سمیٹ کر کسی مشرک کے اندر داخل کرنا جائز ہو سکتا ہے اور اگر نہیں اور یقیناً نہیں تو سیدِ عام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نورانی عنصر اور جوہرِ پاک، کو ایسی پلید جگہوں میں چھپانا کیونکہ گوارا ہو سکتا ہے۔ فتح مکہ سے قبل اہل اسلام میں مشرکین کو مسجدِ حرام سے دُور رکھنے کی قوت و طاقت نہ تھی اس لیے اس حکم کو مؤخر کیا گیا مگر سید الطاہرین محمد کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے جوہرِ نورانی کا اصلاب و ارحام میں منتقل فرمانا اللہ تعالیٰ کا ذاتی فعل اور اختیار و انتخاب تھا لہذا اس میں کسی وقت اور



جگہ کی تعیین و تحدید کی کیا ضرورت ہو سکتی تھی۔

الغرض متاخرین علماءِ اعلام اور اکابرینِ ملت کی طرف سے روشن اور واضح براہین اور دلائل قائم کر دیئے جانے کے بعد اور ان مطلع اور ان سے واقف ہونے کے بعد بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام کے حقیقی باپ اور والد کو کافر اور مشرک قرار دے دینا بہت بڑی جسارت اور بیباکی ہے اور نازیبا اور نالائق حرکت ہے۔ اعاذنا اللہ من ذلک۔

نیز جب یہ امر مبرہن اور مدلل انداز میں ثابت ہو چکا کہ تمام آباء و اجدادِ سید عالم علیہ السلام کے مومن و موحد تھے تو جناب عبدالمطلب کا مومن و موحد ہونا بھی ثابت ہو گیا اور ظاہر ہے کہ جناب ابوطالب اپنے باپ کے نقش قدم پر تھے جیسے کہ انہوں نے زبانی کہا لہذا ان کے متعلق مشرک و بت پرست ہونے کا دعویٰ محل نظر ہے۔

نیز بعض اکابرین نے بعد از وفات ان کے زندہ کیے جانے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لانے کا قول بھی کیا ہے چنانچہ شیخ محقق حضرت شاہ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اخبار الاخیار میں صفحہ نمبر ۱۳۵ پر اور میر عبدالواحد بلگرامی نے سبع سائل شریف صفحہ ۲۸ پر ذکر فرمایا ہے کہ سید محمد گیسو دراز علیہ الرحمہ جو کہ حضرت شاہ نصیر الدین چراغ دہلوی کے عظیم المرتبت خلیفہ ہیں۔ انہوں نے تفسیر ام المعانی کے حوالے سے بیان فرمایا کہ حجۃ الوداع کے موقعہ پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی المرتضیٰ شیر خدارضی اللہ عنہ کو یہ مژدہ سنایا کہ اللہ تعالیٰ

لہ رحمہ اللہ



نے مجھے والدین اور چچے ابو طالب کو زندہ کر کے حلقہ امت میں داخل کرنے کا اذن دیا۔ چنانچہ آپ کے بلانے پر، ہر سہ تن سراز خاک برآوردین ایمان آوردند۔ تینوں حضرات اپنی قبروں سے برآمد ہو گئے اور میرے ساتھ ایمان لے آئے، اور بعد از وفات زندہ ہو کر مشرف باسلام ہونا اور اس اسلام کا عند اللہ مقبول ہونا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خصائص سے ہوگا جیسے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھیوں کو پہلے لن فومن لك حتى نرى الله جهره کہنے کی بنا پر آسمانی بجلی کیساتھ بھسم کر دیا گیا اور پھر آپ کی دعا سے ان کو زندہ کر کے حلقہ غلامی میں داخل ہونے کا موقعہ فراہم کیا گیا اور ان کی توبہ قبول کر لی گئی۔ بلکہ حضرت کلیم علیہ السلام کے امتیوں کی نسبت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مشفق چچا اس رعایت اور عنایت کے زیادہ حقدار تھے اور کلیم طور علیہ السلام کی بجائے کلیم عرش اور کلیم محشر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس اعزاز و اکرام اور اختصاص و امتیاز کے زیادہ لائق اور مستحق تھے۔

علامہ سرفراز صاحب کی جماعت کے ممتاز عالم دین علامہ شبیر احمد عثمانی صاحب اپنے حاشیہ قرآن میں فرماتے ہیں :

”ابو طالب کے ایمان و کفر کو خاص موضوع بحث بنا لینا غیر ضروری ہے۔ بہتر یہی ہے کہ اس قسم کی غیر ضروری اور پُرخطر مباحث میں کف لسان کیا جاوے۔“ (ص ۶۶)

مگر علامہ صاحب کو اپنے اکابر کے ارشادات کے برعکس ہر حال میں



ابو طالب صاحب کو مشرک اور کافر ثابت کرنا اہم فریضہ معلوم ہوتا ہے، اور وہ ہر قیمت پر اس کو ثابت کرنا چاہتے ہیں خواہ اپنا ایمان بھی خطرے میں پڑ جائے۔

علاوہ انہیں وہ بعد از مرگ بھی ایمان بالفرض والتقدیر نہ لاتے ہوں، تو صرف شرک کی وجہ سے ان کا ناقابل بخشش ہونا کیسے ثابت ہو گیا، کیا انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت و رسالت کا اقرار و اعتراف کر لیا تھا اور اگر مطالبہ کے باوجود انہوں نے کلمہ نہیں پڑھا تھا اور لا اِلهَ اِلَّا اللهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللهِ کا اقرار و اعتراف علانیہ نہیں کیا تھا تو پھر آنحضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ان کی شفاعت اور طلب مغفرت سے منع کرنے کا سبب صرف شرک نہ ہوا بلکہ کفر جحود کی وجہ سے ہوا جس میں انکار رسالت بھی داخل ہے جیسے کہ حضرت صدیق رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

من قبل منی الکلمة التي عرضت علی عی

فردھا فھی له نجات - (رواہ احمد، مشکوٰۃ، کتاب الایمان)

یعنی جو شخص مجھ سے اس کلمہ کو قبول کر لے جو میں نے اپنے چچا پر پیش کیا تو اس نے رد کر دیا پس وہ اس کے لیے سراسر نجات ہے۔ علامہ علی بن السلطان القاری مرقات شرح مشکوٰۃ صفحہ نمبر ۱۱۵ ج ۱ پر فرماتے ہیں:

وهی کلمة الشهادة المعبر عنها بالكلمة الطيبة



یعنی اس کلمہ سے مراد کلمہ شہادت ہے جس کو کلمہ طیبہ سے تعبیر کیا گیا ہے  
 وفد عبد القیس کو خطاب کرتے ہوئے رسولِ محترم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم  
 نے فرمایا :

اتدرون ما الايمان بالله وحده قالوا الله و  
 رسوله اعلم قال شهادة ان لا اله الا الله وان  
 محمداً رسول الله (متفق عليه - مشکوٰۃ - كتاب الايمان)

کیا تم جانتے ہو کہ اللہ وحدہ کے ساتھ ایمان کیا ہے؟ انہوں نے  
 عرض کیا اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول علیہ السلام ہی بہتر جانتے ہیں۔  
 تو آپ نے فرمایا اللہ وحدہ کے ساتھ ایمان لانا نام ہے لا اله الا اللہ  
 اور محمد رسول اللہ کی گواہی دینے کا۔

علامہ ابن حجر عسقلانی نے فتح الباری شرح بخاری ص ۱۵۷ ج ۱ میں فرمایا  
 کہ نبی مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جناب ابوطالب کو صرف لا اله  
 الا اللہ کہنے پر قیامت کے دن شفاعت کا وعدہ کیا اور ساتھ ہی  
 محمد رسول اللہ کہنے کا حکم نہ دیا تو اس کی وجہ یہ ہے، لان الكلمتين  
 صارتا كالللمة الواحدة - کہ یہ دونوں کلمات مل کر ایک کلمہ کی  
 مانند ہو چکے ہیں یعنی لا اله الا اللہ گویا صرف اسی شخص نے کہا ہے جس  
 نے ساتھ ہی محمد رسول اللہ بھی کہا ہے اور دل و جاں سے تسلیم کیا۔ علامہ  
 علی قاری نے مرقات میں بھی متعدد مقامات پر اس تلامزم پر تنبیہ فرمائی ہے  
 بلکہ خود قرآن مجید اس پر شاہد صادق ہے، قال اللہ تعالیٰ :



وَمَا قَدَرُوا اللَّهَ حَقَّ قَدْرِهِ إِذْ قَالُوا مَا أَنْزَلَ اللَّهُ

عَلَىٰ بَشَرٍ مِّنْ شَيْءٍ ۗ ط (سُورَةُ النِّعَامِ آيَةُ ۹۱)

اور انہوں نے نہیں قدر کی اللہ تعالیٰ کی جبکہ کہہ دیا اللہ تعالیٰ نے کسی شے پر کوئی شے نازل نہیں فرمائی۔

لہذا جناب ابوطالب کے معاملہ میں اقرار رسالت کو نظر انداز کرنا اور انکار توحید کو انکار رسالت سے علیحدہ کرنا سراسر تحکم اور سینہ زوری ہے۔ نیز توحید و رسالت کا اقرار و اعتراف نہ کرنے کے باوجود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ان کو نفع پہنچانا ثابت ہے۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے عرض کیا:

يَا رَسُولَ اللَّهِ هَلْ نَفَعْتَ ابَا طَالِبٍ شَيْئًا فَاِنَّهٗ كَانَ

يَحُوْطُ لَكَ وَيَغْضِبُ لَكَ -

کیا آپ نے ابوطالب کو کوئی نفع پہنچایا کیونکہ وہ تمہاری حفاظت کیا کرتے تھے اور تمہاری وجہ سے لوگوں سے ناراض ہوا کرتے تھے تو آپ نے فرمایا ہاں میں نے ان کو نفع پہنچایا ہے اس وقت آگ صرف اس کے ٹخنوں تک ہے، اور اگر میں نہ ہوتا (اور ان کے حق میں شفاعت نہ کرتا) تو وہ دوزخ کے نچلے طبقہ میں ہوتا،

وَلَوْ لَا اَنَا لَكَانَ فِي الدَّرَكِ الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ -

(بخاری علی حاشیہ لفتح ص ۱۴۸ جلد ۷)

لیکن اگر وہ دعوت قبول کر لیتے اور ایمان اختیار می کا برملا اظہار کر دیتے تو پھر کس قدر اجر و ثواب اور درجہ و مرتبہ نصیب ہو جاتا۔



**تشریح:** تفسیر ام المعانی والی روایت میں علی تقدیر الصحت اور بخاری شریف کی اس روایت میں کوئی تعارض اور مخالف نہیں کیونکہ اس میں حجۃ الوداع کے موقعہ پر زندہ کیے جانے کا ذکر ہے اور ایمان لانے اور نجات پانے کا جبکہ وفات جناب ابو طالب کی ہجرت سے پہلے سال ہو چکی تھی لہذا عین ممکن ہے کہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کا سوال پہلے زمانہ سے متعلق ہو۔  
واللہ ورسولہ اعلم۔

## کیا رسول معظم ﷺ ابو طالب صاحب کو مومن بنانے سے عاجز تھے؟

علامہ سرفراز صاحب نے صرف ابو طالب صاحب کے مشرک ہونے کی وجہ سے ناقابلِ مغفرت و بخشش ہونے پر اکتفا نہیں کیا، بلکہ اس کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عجز و بے بسی پر بطور دلیل بھی پیش کیا ہے، اور آپ کا تدبیر و تصرف سے اور تزکیۂ نفوس اور تطہیرِ قلوب سے معذور و قاصر ہونا بھی اس سے ثابت کیا چنانچہ لکھتے ہیں:

سوال یہ ہے کہ اگر واقعی دنیا و آخرت کی سب مرادیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اختیار میں ہیں تو دیگر ہزار ہا امور کو چھوڑیے صرف اس کی طرف توجہ کیجیے کہ آپ کے باوجود قلبی خواہش کے اور سچی آرزو کے اپنے مہربان چچا اور مجازی مربی ابو طالب کو دولتِ ایمان و ہدایت دے کر اپنی ہی مراد کیوں نہ پوری کر لی! آخر اس کی وجہ کیا ہے؟ (گلدستہ ۵۵)

مگر ان کو معلوم ہونا چاہیے کہ کسی امر کا محبوب اور پسندیدہ ہونا علیحدہ



امر ہے اور اس کا ارادہ کرنا اور اپنی قدرت و طاقت سے اس کو موجود و مستحق کرنا علیحدہ امر ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم شانِ رحیمی و کریمی کے مالک ہیں لہذا آپ سب کے مومن ہونے کو محبوب رکھتے ہیں اور کافروں کے دوزخ میں داخل ہونے کو ناپسندیدہ اور مبغوض رکھتے ہیں۔ کما قال تعالیٰ :

عزیز علیہ ما عنتم حر لیس علیکم وقال تعالیٰ :

لعلک باخع نفسك علی آثارہم ان لم یومنوا

بہذا الحدیث اسفا

اور یہی اللہ تعالیٰ کی شان ہے کہ وہ ہمارے ایمان و تقویٰ کو محبوب رکھتا ہے اور کفر و عصیان اور شرک و طغیان کو مبغوض رکھتا ہے، اور وہ ربّ العلمین بھی ہے اور ظاہری و باطنی رُوحانی و جسمانی ہر طرح کی تربیت کا سامان بھی مہیا کرتا ہے اور ارحم الراحمین بھی ہے اور علیٰ کل شیء قَدیر بھی ہے فعال لما یشاء بھی ہے لیکن ابوہل و ابولہب و فرعون و ہامان اور نمرود و شداو بھی موجود ہے اور یزید و حجاج بھی پیدا ہوئے جس طرح اس نے جبر و اکراہ کے ساتھ ان کو مومن نہیں بنایا بلکہ صرف راہِ راست واضح کرنے اور دعوتِ ایمان و اسلام پر اکتفا فرمایا اور لوگوں کو اپنے ارادہ و اختیار سے ایمان و کفر اور خیر و شر میں کسی کے انتخاب کا موقعہ دیا۔ من شاء فلیومن و من شاء فلیکفر حالانکہ جبر و اکراہ کی صورت میں وہ سب کو مومن اور متقی بنا سکتا تھا۔ قال تعالیٰ :

لَوْ شَاءْنَا لَأَتَيْنَا كُلَّ نَفْسٍ هَدَاهَا وَلَٰكِنْ حَقَّ الْقَوْلُ



مِنِّي لَأَمْلَأَنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ -

اسی طرح رسولِ معظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی ہدایت و ارشاد اور رہنمائی و تبلیغ و موعظت پر اکتفا فرمایا اور باطنی قوت اور روحانی توجہ کے ذریعے ہر ایک کو مشرف باسلام نہ کیا کیونکہ یہ امر حکمتِ خداوندی کے خلاف تھا اور آپ نائب و خلیفہ خداوند تعالیٰ ہیں اور اس کے کارکنانِ قضا قدر سے ہیں لہذا حق نیابت و خلافت کا تقاضا یہی تھا جس پر آپ کا ربند رہے۔ اللہ تعالیٰ نے ابلیس کو سجودِ آدم کے لیے امر فرمایا اس نے انکار کر دیا تو اس سے اللہ تعالیٰ کا عجز کیسے لازم آگیا۔ اسی طرح اگر سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے جناب ابوطالب کو یا دیگر مشرکین مکہ اور کفارِ عرب کو ایمان لانے کا حکم دیا اور وہ ایمان نہیں لائے تو اس سے محبوبِ کریم علیہ السلام کی محبوبی و معذوری کیسے ثابت ہو گئی؟

علامہ صاحب کی بدقسمتی یہ ہے کہ خود اس کے اکابر اس کی دلیلوں کا تیا پانچا کر دیتے ہیں اور اس کے تار عنکبوت جیسے دلائل و اہیہ کی ہر ہر تار ادھیڑ کر رکھ دیتے ہیں چنانچہ ملتِ دیوبند یہ کے حکیم الامت اور مجدد مائتہ اشرف علی تھا نوری صاحب افاضاتِ یومیہ ص ۲۶۱ ج ۴ پر فرماتے ہیں:

میں تو بجز اللہ اکثر تدابیر سے ہی کام لیتا ہوں وجہ یہ ہے کہ اول تو مجھ میں قوتِ باطنی نہیں ہے ہاں قوتِ لطنی تو ہے دونو وقت پیٹ بھر کر کھالیا لیکن میں کہتا ہوں کہ اگر قوتِ باطنی ہوتی بھی تو میں اس سے کام نہ لیتا اس لیے کہ یہ انبیاءِ علیہم السلام کی سنت نہیں ہے۔ مجال تھی کہ ابو جہل اور



ابولہب ایمان سے رہ جاتے اگر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قوتِ باطنی سے کام لیتے۔ نیز عبدیت کے بھی خلاف ہے۔ خُدا پر چھوڑ دینا چاہیے، اور تدبیر و تبلیغ اس تفویض کے خلاف نہیں کیونکہ اس کا حکم خُداوند تعالیٰ نے ہی دیا ہے۔

کہیے علامہ سرفراز صاحب حکیم الامت الدیوبندیہ سچے ہیں یا آپ اور وہ دینِ اسلام اور توحیدِ باری تعالیٰ کو بہتر جانتے تھے یا آپ؟ اور کیا صرف ابوہبل اور ابولہب آپ کی قوتِ باطنی کے استعمال سے مشرفِ بسلام ہو سکتے تھے جناب ابوطالب نہیں ہو سکتے تھے؟ امید ہے کہ علامہ صاحب اس کے بعد ہی کہتے نظر آئیں گے۔

من از بیگانگان ہرگز نالم

کہ با من ہرچہ کرد آں آشنا کرد

## کیا ریس المٹافقین صرف مک کی وجہ سے قابلِ مغفرت نہیں تھا؟

علامہ صاحب نے عبداللہ بن ابی کے حق میں نبی مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعائے مغفرت قبول نہ ہونے کا سبب اس کے درپردہ مشرک ہونے کو ٹھہرایا ہے تو یہ بھی سراسر دھاندلی اور تحکم و سینہ زوری ہے کیونکہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے اس کے مغفرت و بخشش کے لائق نہ ہونے کا سبب خود ہی بیان فرمایا ہے۔

۱۔ قال اللہ تعالیٰ :



ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهِ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي  
الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ۝

(سورہ توبہ آیت ۸۰)

یعنی آپ منافقین کے لیے مغفرت طلب کریں یا نہ کریں۔ اگر تشریح مرتبہ  
بھی مغفرت طلب کریں اللہ تعالیٰ انہیں ہرگز نہیں بخشے گا اور یہ اس لیے  
کہ انہوں نے کفر کیا ہے ساتھ اللہ تعالیٰ کے اور اسکے رسول صلی اللہ علیہ وسلم  
کے اور اللہ تعالیٰ فاسقوں اور سرکشوں کو ہدایت نہیں دیتا۔

۲۔ قال اللہ تعالیٰ :

وَلَا تُصَلِّ عَلٰٓیْ اَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّا تَابَ اَبَدًا وَلَا تَقُمْ عَلٰی  
قَبْرِہِمْ ۝ اِنَّہُمْ کَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِہِ وَ مَا تُوُوْا وَّ  
ہُمْ فٰسِقُوْنَ ۝

(سورہ توبہ آیت ۸۴)

اور نہ نماز جنازہ پڑھیں اس پر جو مرے منافقین میں سے اور نہ اس کی  
قبر پر کھڑے ہوں اور نہ قدم رکھیں کیونکہ انہوں نے کفر کیا اللہ تعالیٰ کیساتھ  
اور اس کے رسول مقبول کے ساتھ اور مرے اس حالت میں کہ وہ فاسق و  
کافر ہیں۔ ان دونوں آیات میں ان کے ناقابل مغفرت ہونے کا سبب کفر  
بالرسول بھی بتلایا گیا ہے جیسے کہ کفر باللہ تعالیٰ کو سبب ٹھہرایا گیا ہے۔

۳۔ قال اللہ تعالیٰ :

اِذَا جَآءَكَ الْمُنٰفِقُوْنَ قَالُوْا نَشْہِدُ اِنَّکَ لَرَسُوْلُ اللّٰهِ وَاللّٰهُ  
یَعْلَمُ اِنَّکَ لَرَسُوْلُهُ ۝ وَاللّٰهُ یَشْہِدُ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَکٰذِبُوْنَ ۝ (آیت ۱)

(سورہ منافقون)

یعنی منافق بارگاہ رسالت میں حاضری کے وقت آپ کے رسول خدا ہونے



کی شہادت دیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ تم اس کے برحق رسول ہو اور اللہ گواہی دیتا ہے کہ منافق جھوٹے ہیں۔ لہذا اس آیت کریمہ سے بھی واضح ہوا کہ وہ صرف کافر باللہ نہیں تھے بلکہ کافر بالرسول بھی تھے اس لیے لائق بخشش اور قابل شفاعت نہیں تھے۔

۴۔ قال اللہ تعالیٰ:

وَإِذْ أُنزِلَتْ سُورَةُ الْبَقَرَةِ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ وَذُكِرَ فِيهَا وَلُغِيَ فِيهَا جَمْعُ قَوْمٍ بِرُسُلِهِمْ فَظَنَّ الْمَاجِئُ بَدَأَ يُذْهِبَهُمْ صَاعًا بَعْدَ صَاعٍ وَتَسَاءَلُوا عَنْهُمْ حِينَ قَامَ الصُّبْحُ وَوَجَدُوا جَمْعًا نَدْبًا أَلْمَأُوثًا أَذَى يَأْذِي الْقَوْمَ الْفَاسِقِينَ

(سورہ منافقون آیت ۶)

اور جب انہیں کہا جائے آؤ (بارگاہ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم میں) اللہ کے رسول تمہارے لیے مغفرت و بخشش کی دعا کریں تو وہ اپنے سروں کو پھیرتے ہیں اور دیکھو گے انہیں کہ وہ باز رہتے ہیں جبکہ وہ تکبر کا مظاہرہ کرنے والے ہیں۔ ان پر برابر ہے کہ آپ ان کے لیے استغفار کریں یا نہ کریں اللہ تعالیٰ انہیں ہرگز نہیں بخشے گا۔ بیشک اللہ تعالیٰ فاسق قوم کو ہدایت نہیں دیتا۔

اس فرمانِ ذیشان سے بھی صاف ظاہر کہ وہ ازراہ غرور و تکبر نبی مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے زندگی میں دعا کرنے سے سرتابی اور روگردانی کرتے تھے لہذا ان کی سزا یہ ہے کہ دعائے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم



کی منفعت سے ان کو محروم کر دیا جائے اور مکمل طور پر رحمتِ خداوندی سے بایوس کر دیا جائے کیونکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے رحم و کرم کے سزاوار وہی ہیں جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے درِ اقدس پر آئیں اور اللہ تعالیٰ سے معافی مانگیں اور رسولِ معظم علیہ السلام کو اپنا سفارشی بنائیں۔  
 کما قال تعالیٰ :

وَلَوْ أَنَّهُمْ إِذْ ظَلَمُوا أَنفُسَهُمْ جَاءُوكَ فَاسْتَغْفَرُوا  
 اللَّهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُولُ لَوَجَدُوا اللَّهَ تَوَّابًا رَحِيمًا

(سورہ نسا آیت ۶۴)

اور جو اس در سے اعراض اور روگردانی کریں وہ اللہ تعالیٰ سے عریض اور روگردانی کرنے والے ہیں۔

کیونکہ اللہ تعالیٰ کا درِ اقدس زمین پر صرف اور صرف درِ رسولؐ ہی ہے اس لیے توبہ کرنے والوں اور مغفرتِ باری کے طلبگاروں کو یہی در اللہ تعالیٰ نے خود دکھلایا اگر یہ غیروں کا در ہوتا اور من دون اللہ کا در ہوتا تو اللہ اس کی طرف بالکل رہنمائی نہ فرماتا۔

بخدا خدا کا یہی ہے در نہیں اور کوئی مفر مقرر

جو وہاں سے ہو یہیں آ کے ہو جو یہاں نہیں تو وہاں نہیں

علامہ شبیر احمد عثمانی نے کہا :

یہاں سے گناہگار اور بد اعتقاد کا فرق نکلتا ہے (ورنہ) گناہ ایسا کونسا

تھے جو پیغمبر کے بخشوانے سے نہ بخشا جائے۔ وَلَوْ أَنَّهُمْ إِذْ ظَلَمُوا

صلى الله عليه وآله وسلم۔



أَنْفُسَهُمْ جَاءُوكَ (الایۃ) لیکن بد اعتقاد کو پیغمبر کا شہر مرتبہ  
استغفار کرنا بھی فائدہ نہ دے۔ (حاشیہ ۵۸ ص ۲۲۵ سورہ توبہ)

۵۔ بلکہ اللہ تعالیٰ نے ان کی اس محرومی کی وجہ یہ بھی بیان فرمائی ہے :

هُمْ الَّذِينَ يَقُولُونَ لَا تُنْفِقُوا عَلٰی مَنْ عِنْدَ رَسُولِ اللَّهِ

حَتّٰی يَنْفِضُوا وَلِلَّهِ خَزَائِنُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ

وَلٰكِنَّ الْمُنْفِقِيْنَ لَا يَفْقَهُوْنَ ۝ (سورہ منافقون آیت ۷)

یہ وہی لوگ ہیں جو کہتے ہیں کہ جو مہاجرین فقرا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم  
کے پاس ہیں ان پر خرچ مت کرو یہاں تک کہ وہ خود بخود جدا ہو جائیں گے  
اور اللہ ہی کے لیے ہیں آسمانوں اور زمین کے خزانے لیکن منافق نہیں سمجھتے

يَقُولُونَ لَیْنِ رَّجَعْنَا اِلَى الْمَدِيْنَةِ لَيُخْرِجَنَّ الْاَعْرَضُ

مِنْهَا الْاَذَلَّ وَلِلَّهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُولِهِ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَلٰكِنَّ

الْمُنْفِقِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝ (سورہ منافقون آیت ۸)

منافق کہتے ہیں اگر مدینہ کی طرف لوٹیں گے تو عزت والے مدینہ  
سے ذلیل لوگوں کو نکال باہر کریں گے حالانکہ عزت صرف اللہ تعالیٰ اور  
اس کے رسول اور مومنین کے لیے ہے لیکن منافق علم نہیں رکھتے۔

اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ وہ اس سعادت سے محروم اس لیے  
ہیں کہ وہ اہل اسلام مہاجرین فقرا کو ذلیل و حقیر اور اپنا دست منگر اور  
محتاج سمجھتے تھے اور اپنے آپ کو عزت والے اور آبرو مند سمجھتے تھے  
اس گستاخی اور بے ادبی کی وجہ سے ان کو نبی مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعا



اور اس کے فائدہ اور فیضان سے محروم کر دیا گیا اور گویا اللہ تعالیٰ نے فرمایا محبوب تم سر اپا رحمت ہو تم تو دشمنوں کے ساتھ بھی شانِ رحیمی کا مظاہرہ کرو گے مگر میری جو آپ کے ساتھ محبت ہے اور آپ کے طفیل آپ کے یاروں سے محبت ہے اس کا بھی کچھ تقاضا ہے اور وہ یہ ہے کہ میں انہیں اس غرور و تکبر اور بے ادبی و گستاخی کا پورا پورا بدلہ دوں۔ کما قال :

إِنَّ الْمُنْفِقِينَ فِي الدَّرَكِ الْأَسْفَلِ مِنَ النَّارِ

(سورہ نسا، آیت ۱۳۵)

ان کو دوزخ کے نچلے اور سخت ترین طبقہ میں پھینکوں۔ لہذا آپ نہ ان پر نمازِ جنازہ پڑھیں اور نہ ان کی قبر پر قدم رکھیں کیونکہ آپ کی دُعا رد کروں تو تمہاری شانِ محبوبی کے خلاف ہے اور قبول کروں تو میری مجاہدہ شان کے خلاف ہے کہ محبوب کے گستاخوں کو قرارِ واقعی سزا نہ دوں ہر مسلمان پر یہ حقیقت عیاں ہے کہ اگر محبوب کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دُعا اور آپ کے قدم مبارک کی اللہ تعالیٰ کے ہاں کوئی اہمیت نہ ہوتی تو آپ کو دُعا فرمانے سے اور ان کی قبروں پر قدم مبارک رکھنے سے کیوں منع فرماتا۔

کیا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تلخ المناہجین کو بخشوانا چاہتے تھے؟

علامہ سرفراز صاحب نے تاثر یہ دیا ہے کہ نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے عبد اللہ بن ابی کی نمازِ جنازہ پڑھائی اور دُعائے مغفرت کی لیکن وہ فائدہ



نہ پہنچا سکی حالانکہ بخاری شریف میں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس پر نمازِ جنازہ پڑھنے کا ارادہ کیا تو میں نے عرض کیا یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) آپ اس پر نمازِ جنازہ پڑھنا چاہتے ہیں حالانکہ اس نے فلاں فلاں دن ایسی ایسی بات کہی تھی اور میں اس کی گستاخیاں گننے لگا تو آپ مسکرا دیئے اور فرمایا اے عمر! گ ہو جائیے مجھ سے جب میں نے اس معاملہ میں مبالغہ کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا :

انی خیرت فاخترت لواء علم انی ان زدت علی  
السبعین یغفرلہ لزدت علیہ ۔

مجھے ان پر استغفار میں اختیار دیا گیا ہے (کروں یا نہ کروں اور ابھی منع نہیں کیا گیا) پس میں نے استغفار کو اختیار کر لیا ہے (اگرچہ اس کا نتیجہ مغفرت و بخشش کی صورت میں نہیں نکل سکتا) لیکن اگر میں یہ معلوم کر لیتا کہ ستر سے زیادہ مرتبہ میرے دعائے مغفرت کرنے پر اس کی بخشش ہو جائے گی تو میں ستر دفعہ پر اضافہ کر دیتا۔ حضرت عمر فرماتے ہیں کہ آپ نے نمازِ جنازہ پڑھی اور تھوڑا وقت ہی ٹھہرے کہ سورہ توبہ کی یہ دونو آیتیں نازل ہو گئیں :

ولا تصل علی احد منہم (الی) وہم فاسقون  
حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں اس دن اللہ کے رسول پر اپنی اس جرات و جسارت پر حیران ہوا حالانکہ اللہ تعالیٰ اور رسول معظم صلی اللہ علیہ وسلم



بہتر جاننے والے ہیں۔ (بخاری شریف جلد ۲ صفحہ ۶۷۳ - مرقاة صفحہ ۴۱ جلد ۴)  
اس حدیث پاک سے صاف ظاہر ہے کہ آپ کو معلوم تھا کہ اللہ تعالیٰ فرما چکا ہے :

استغفر لهم اولا تستغفر لهم فان تستغفر لهم  
سبعين مرة فلن يغفر الله لهم ط

تو اس کے بعد بخشوانے کے ارادے پر نمازِ جنازہ یا دعائے مغفرت کا تصور کیسے کیا جاسکتا ہے بلکہ آپ نے فرمادیا کہ اگر مجھے معلوم ہوتا کہ ستر دفعہ سے زیادہ استغفار کرنے پر اس کی بخشش ہو سکتی ہے تو میں ستر سے زیادہ مرتبہ کر دیتا لیکن میں جانتا ہوں یہاں ستر بیان کثرت کے لیے ہے تحدید کے لیے نہیں۔ (کما هو مقتضى كلمة لو) لہذا میں استغفار میں اس حد تک مبالغہ نہیں کرتا۔

یہ جاننے کے باوجود کہ ستر مرتبہ سے زیادہ بھی استغفار کرنا اسکی مغفرت کا موجب نہیں ہو سکتا تو پھر نمازِ جنازہ کیوں پڑھائی اور دعائے مغفرت کیوں فرمائی سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خود اس کی وجہ بیان فرمائی ہے :

روى ان النبي صلى الله عليه وسلم كلم فيما فعل  
بعبد الله بن ابي فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم  
وما يعنى عنده قميصى وصداتي من الله والله  
انى كنت ارجو ان يسلم به الف من قومه



مروی ہے کہ نبی مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو سلوک عبد اللہ بن ابی کے ساتھ فرمایا یعنی قمیص پہنانے اور نمازِ جنازہ پڑھنے والا اس بارے میں آپ سے بات کی گئی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اسے میرا قمیص اور نمازِ جنازہ پڑھنا اللہ تعالیٰ کے عذابِ عتاب سے کوئی نفع نہیں دے گا۔ بخدا میں تو (اس سلوک کی بدولت یہ) اُمید رکھتا تھا کہ اسکی قوم سے ہزار آدمی مخلص مسلمان ہو جائیں۔

روی انه اسلم الف من قومه لما رآوه يتبرك  
بقميص النبي صلی اللہ علیہ وسلم - (مرقاۃ ص ۴ ج ۴)  
مروی ہے کہ اسکی قوم سے ایک ہزار آدمی مخلص مسلمان بن گئے جب اسے دیکھا کہ وہ (دومِ آخر) نبی مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قمیص سے برکت حاصل کرنے لگا ہے۔

(دکنانی فتح الباری ص ۲۵۲ ج ۸ - عمدۃ القاری ص ۵۲ ج ۸)

اور یہ حقیقت کسی بھی صاحبِ عقل و فہم پر مخفی نہیں رہ سکتی کہ خیر کثیر کی خاطر شرفیلیل برداشت کر لینا بہتر ہے اس سے کہ شرفیلیل کی خاطر خیر کثیر کو چھوڑ دیا جائے، ورنہ اس طرح شرف کثیر کو اختیار کرنا لازم آئے گا، خصوصاً جبکہ ابھی منافقین کے ساتھ اس قسم کی مدارات کو ممنوع بھی نہیں ٹھہرایا گیا تھا بلکہ ان کے ساتھ اہل ایمان جیسا سلوک کیا جاتا تھا اور یہی حکمت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ بعد میں نازل فرمائی اگر پہلے نازل ہو جاتی تو ہزار آدمی کا مخلص مومن بننا ممکن نہ رہتا کیونکہ نہ آپ



تشریف لے جاتے نہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قمیص اور لعابِ دہن سے تبرک حاصل کرتا اور نہ ہی اس بدترین گستاخ اور بے ادب پر اس کرمِ کریمانہ کا اظہار ہوتا اور نہ ہی وہ لوگ اس کرم نوازی کو دیکھتے اور نہ ہی مشرف بایمان ہوتے ورنہ اللہ تعالیٰ دیکھ رہا تھا کہ محبوبِ کریم علیہ السلام جارہے ہیں تو فوراً آیت نازل فرما کر روک دیتا۔ اسی حکمت و مصلحت کے عدم ادراک کی بنا پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا :

فَعَجِبْتُ مِنْ جُرْأَتِي عَلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ  
يَوْمَئِذٍ وَاللَّهُ وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ -

مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اس دن اپنی اس جسارت پر حیرت ہوتی حالانکہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم زیادہ علم والے ہیں۔

**فائدہ جلیلہ :** بعض بے ادب اور گستاخ لوگ اس موقع پر اس آیتِ کریمہ کے نزول کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر عتاب اور تنبیہ سے تعبیر کرتے ہیں اور سرزنش اور باز پرس قرار دیتے ہیں حالانکہ صورتِ حال واقعی یہ ہوتی تو اللہ تعالیٰ فرماتا لَمْ صَلِّتْ تَمْنَعُ كَيْفَ نَمَازِ جَنَازَةٍ پڑھی! لَمْ قَمْتُ عَلَى قَبْرِهِ تَمَّ اس کی قبر پر کیوں ٹھہرے جب ایسا نہیں تو معلوم ہوا کہ اس مصلحت و حکمت کی تکمیل کے لیے ہی یہی اور ممنوعیت پہلے نازل نہیں کی گئی تھی جب وہ عظیم مقصد پورا ہو گیا تو آئندہ کے لیے ایسی مروّت اور رواداری کو ممنوع ٹھہرا دیا گیا کیونکہ امر اور نہی کا تعلق



زمانہ مستقبل سے ہوتا ہے نہ کہ ماضی کے ساتھ لہذا اس کو عتاب اور سزا نہیں  
قرار دینا سراسر زیادتی بلکہ گستاخی ہے۔

علامہ سرفراز صاحب فرماتے ہیں، بلکہ بعض احادیث سے معلوم ہوتا  
ہے کہ آپ نے ستر مرتبہ سے زیادہ دُعائے مغفرت کرنے کا ارادہ فرمایا  
تھا لیکن اللہ تعالیٰ کی طرف سے ممانعت نازل ہو گئی۔ (بخاری ص ۶۴۳ ج ۲)  
حالانکہ حدیث شریف میں الفاظ یہ بھی ہیں :

لو اعلم انی زدت علی السبعین یغفر لہ لزدت علیہ (ص ۶۴۲)۔  
اور یہ حقیقت کسی صاحب علم سے مخفی نہیں کہ لَوْ کا کلمہ نفی کے لیے ہوتا  
ہے لہذا معنی یہ ہوا کہ مجھے معلوم ہے کہ ستر سے زیادہ مرتبہ استغفار کرنے  
سے بھی اس کی بخشش نہیں ہو سکتی۔ لہذا میں اس کے لیے استغفار میں  
مبالغہ نہیں کرتا لہذا اس جملہ سازیدہ علی السبعین کو اسی معنی پر حمل کیا  
جائے گا اور اس کو انہی شرائط سے مشروط سمجھا جائے گا نہ اس معنی پر کہ  
آپ نے ستر سے زیادہ دُعائے مغفرت کا ارادہ فرمایا تھا۔ علاوہ ازیں  
قرآن مجید محاورات عرب کے مطابق نازل ہوا اور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم  
افصح العرب تھے اور ہر عربی سمجھتا تھا کہ سبعین (۷۰) کا ذکر بیان کثرت  
کے لیے ہے اس میں تحدید اور مفہوم مخالف اور مفہوم عدد مراد نہیں  
تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر یہ معنی و مفہوم مخفی کیونکر رہ سکتا تھا؟  
لہذا ضروری اور لازمی طور پر یہی معنی متعین ہوگا کہ اگر میرے علم میں ہوتا  
کہ ستر سے زیادہ مرتبہ استغفار کرنا نفع دے سکتا ہے تو میں ضرور ستر دفعہ



سے بھی زیادہ استغفار کر دیتا ( تاکہ اُمت کو اور ابنِ ابی کی قوم کو میری  
رحمتِ کاملہ اور رافتِ بے غایت کا علم ہو جاتا )۔

لیکن علامہ صاحب دیدہ دانستہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دُعاؤں  
کی اہمیت گھٹانے کے لیے اور ان کی اہل اسلام کے ہاں استجاہرت و  
قبولیت کے عقیدہ میں تزلزل و تذبذب پیدا کرنے کے لیے سعیِ نامتام کے  
درپے ہیں ورنہ حدیث شریف کے معنی و مفہوم میں ذرہ بھرا ہسام و خفلا  
نہیں تھا۔



## گلدستہ توحید

(۱) قرآن مجید میں اور احادیثِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں جہاں شرک کی تردید آئی ہے وہاں نہایت ہی تعمیم کے ساتھ تردید کی گئی ہے جس سے اور زیادہ تعمیم سمجھ نہیں آ سکتی اسی ضمن میں علامہ سرفراز صاحب نے سات آیاتِ مبارکہ ذکر کی ہیں جن میں شرک سے منع کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے شئی کا عام لفظ ذکر فرمایا مثلاً ابراہیم علیہ السلام کو بیت اللہ کی تعمیر کا حکم دیتے وقت فرمایا: ان لا تشرك بي شيئا وغير ذلك اور سنن سنن احادیث نقل کیں جن میں شرک سے نہی اور ممنوعیت کی صورت میں شئی کا عام لفظ استعمال کیا گیا اور پھر اس پر یہ تفریح مترتب کی۔ حضرات آپ جانتے ہیں کہ شئی کا لفظ تعمیم کے لیے ہوتا ہے اور پھر جب نکرہ ہو تو اس میں اور بھی تعمیم آ جاتی ہے اور پھر جب یہ نفی کے تحت داخل ہو اس میں مزید تعمیم آ جاتی ہے گویا اللہ تعالیٰ نے اور اسکے برحق نبی جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے واضح کر دیا کہ جنت میں داخل ہونے کا اہل وہی ہو سکتا ہے جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ ٹھہرائے

(گلدستہ ص ۲۳ تا ص ۳۵)

(ب) باب چہارم میں نو آیاتِ مبارکہ کا ذکر کیا ہے جن میں اللہ تعالیٰ



نے اپنی طرف سے یا دوسروں سے بطور حکایت شرک سے نہی یا اس کی نفی کے دوران احد کا عام لفظ استعمال فرمایا مثلاً :

لَكِنَّا هُوَ اللَّهُ رَبِّيُّ وَلَا أُشْرِكُ بِرَبِّيُّ أَحَدًا ۝ (سُورَةُ كَهْفٍ ۳۸)

لَا يُشْرِكُ فِي حُكْمِهِ أَحَدًا ۝ (سُورَةُ كَهْفٍ ۲۶)

وَلَا يُشْرِكُ بِعِبَادَةِ رَبِّهِ أَحَدًا ۝ وَغَيْرُ ذَلِكَ -

(سُورَةُ كَهْفٍ آيَاتُ ۱۱۰)

اور پھر نتیجہ یہ اخذ کیا کہ ان تمام آیات میں لفظ احد اور احداً سے یہی سمجھا گیا ہے کہ کوئی بھی ہو نبی ہو یا ولی، فرشتہ ہو یا کوئی اور نیک ہستی اور ذات، خداوند تعالیٰ کا کسی طرح شریک نہیں۔ نہ ذات میں، نہ صفات میں اور نہ افعال میں اور ہر اعتبار اور ہر حیثیت سے وحدہ لا شریک ہے۔ کلمہ شہادت میں اسی بنیادی عقیدہ کا سبق دیا گیا ہے اور اس سبق کو یاد رکھنے کے لیے ہر نماز کے تشهد میں اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلَهَ اِلَّا اللهُ کا پڑھنا ہر نمازی کے فریضہ میں شامل کیا گیا ہے تاکہ وہ اس بنیادی اور اہم عقیدہ کو اپنے ذہن سے اوجھل نہ ہونے دے مگر ہزار افسوس کہ اس سچے اسلام کو اوہام پرستوں اور شرک کے شیدائیوں نے اسلام اور کفر کا ایک ملعونہ بنا کر رکھ دیا۔ الفاظ اسلام کے استعمال کرتے ہیں مگر معانی و مطالب کفر و شرک کے لیے جاتے ہیں۔

( گلدستہ ص ۳۷ تا ص ۴۰ )



## گلشنِ توحید و رسالت

ہم نہیں سمجھتے کہ علامہ سرفراز صاحب کو اس قدر تطویل کی ضرورت صرف یہ تعمیم بیان کرنے کے لیے کیونکہ پیش آتی ہر مسلمان کا عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ وجوب الوجود میں استحقاقِ عبادت میں اور خلق و تکوین اور جملہ تصرفات میں یکتا و یگانہ ہے، اس کے ساتھ ان امور میں کوئی نبی و ولی اور فرشتہ و جن وغیرہ شریک نہیں ہے اور ہر مسلمان لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ پڑھتا ہے اور اس کو دل و جان سے تسلیم کرتا ہے اور آشہدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ میں اسی وحدانیت کی شہادت دیتا ہے اور فخرِ موجودات اور سرورِ کائنات کو صرف منصبِ رسالت کا مالک تسلیم کرتے ہوئے لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ کے ساتھ محمد رسول اللہ کہتا ہے اور شہادت توحید کی طرح نماز کے اَلْحَمْدُ لِلَّهِ فِي شَهَادَةِ عِبَادَةِ رَسَالَتِهِ دیتے ہوئے وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ بھی کہتا ہے تو کیا عبدِ خاص اور رسولِ برحق ماننے کے باوجود بھی شرک لازم آجاتا ہے اور اسلام میں شرک کی ملاوٹ ہو جاتی ہے، کہیں علامہ صاحب کا مذہب زنادقہ اور ملاحدہ باحیہ والا تو نہیں ہو گیا جو نبوت و رسالت کو بنیادِ شرک اور منافی توحید سمجھتے ہیں بلکہ حقیقتِ حال یہ ہے کہ شرک سے مبرا اور مطہر صرف اور صرف وہی شخص ہو گا جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت و رسالت کا اقرار و اعتراف کرے گا اسی لیے کتب سماویہ اور نزول وحی کے انکار کو اللہ تعالیٰ نے اپنی ناقہی

لے صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔



اور ناواقفیت قرار دیتے ہوئے فرمایا :

وَمَا قَدَرُوا اللَّهَ حَقَّ قَدْرِهِ إِذْ قَالُوا مَا أَنْزَلَ اللَّهُ

عَلَىٰ بَشَرٍ مِّنْ شَيْءٍ ط

(سورہ انعام آیت ۹۲)

ورنہ علامہ صاحب کی اس تحریر و تقریر سے لازم آئے گا کہ مغفرت و بخشش اور فلاح اخروی اور دخول جنت کے لیے ایمان بالرسالت بھی ضروری نہیں ہے بلکہ توحید کافی ہے اور شرک سے برائت ہی دخول جنت وغیرہ کی کفیل ہے جیسے کہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث کے ظاہر سے یہی تاثر پیدا ہوتا ہے کہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ سوموار اور جمعرات کو اعمال اللہ تعالیٰ کے ہاں پیش ہوتے ہیں تو جو شخص اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہراتا اس کی مغفرت ہو جاتی ہے مگر وہ شخص جس کا کسی بھائی کے ساتھ (بلاوجہ شرعی) بغض ہو اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی اس حدیث سے بظاہر یہی تاثر دیا گیا ہے کہ معراج کی رات اللہ تعالیٰ کی طرف سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تین چیزیں عطا ہوئیں، پانچ نمازیں، سورہ بقرہ کی آخری آیات اور یہ کہ جو شخص آپ کی امت میں سے اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہراتے گا اس کی مغفرت ہوگی۔ اور حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث سے بھی یہی تاثر ملتا ہے کہ حضرت جبریل علیہ السلام نے رسول معظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آکر یہ یہ خوشخبری سنائی کہ میری امت میں سے جو شخص اس حالت میں فوت



ہو جائے کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی چیز کو شریک قرار نہیں دیتا تھا تو وہ جنت میں داخل ہوگا۔ وغیر ذلک۔

حالانکہ کوئی مسلمان بلکہ عیسائی اور یہودی بھی اس کا قائل نہیں ہو سکتا کہ محض توحید اور عدم اشراک بغیر نبوت و رسالت کے اقرار و اعتراف کے مغفرت و بخشش اور نجات و فلاح اور دخول جنت کے لیے کافی ہے بلکہ ان تمام آیات اور احادیث کا صرف اور صرف وہی مقصود جیسے پہلے عرض کیا جا چکا ہے کہ ایمان بالرسالت، ایمان باللہ میں داخل ہے جیسے کہ وفد عبدالقیس والی حدیث سے ظاہر ہے اور فرمان باری تعالیٰ ما قدروا اللہ الایۃ، اس پر دال ہے اور باری تعالیٰ کے انبیاء علیہم السلام سے عہد و پیمان لینے کے بعد اس فرمان سے واضح ہے:

فَمَنْ تَوَلَّىٰ بَعْدَ ذَلِكَ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْفٰسِقُونَ ۝

(وغیر ذلک من الایات والاحادیث) (سورہ آل عمران ۸۲)

الحاصل یہ آیات اور احادیث اس امر کی بین اور واضح دلیلیں اور براہین ہیں کہ رسالت پر ایمان کے بغیر اقرار توحید قطعاً کافی نہیں۔

## ہمارا عقیدہ اسلام اور شرک کا ملعوبہ کیوں؟

ہم بحمد اللہ اس امر کے قائل و معترف اور مدعن و معتقد ہیں کہ کوئی بھی نبی اور مقرب حتیٰ کہ سیدہ محبوبین صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے ساتھ نہ ذات میں شریک ہیں، نہ صفات میں اور نہ ہی افعال میں اور نہ استحقاق عبادت



میں تو پھر ہمارا مذہب و مسلک اسلام اور شرک کا مغلوبہ کیسے بن گیا۔ (۱) کیا صرف اس لیے کہ ہم رسولِ معظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور دوسرے انبیاء علیہم السلام کو صرف طارش اور چٹھی رساں نہیں سمجھتے بلکہ اللہ تعالیٰ کے خلفاء اور نائبین تسلیم کرتے ہیں۔ قال تعالیٰ :

إِنِّي جَاعِلٌ فِي الْأَرْضِ خَلِيفَةً ۖ (سُورَةُ بَقَرَةَ آيَةُ ۳۰)

يَا دَاوُدُ إِنَّا جَعَلْنَاكَ خَلِيفَةً فِي الْأَرْضِ (سُورَةُ صَّ آيَةُ ۲۶)

اور جب حضرت داؤد اور حضرت آدم علیہما السلام خلفاء ہیں تو سید الانبیاء بطریقِ اولیٰ خلیفہ اعظم ہوں گے اور نائب مطلق جن کے لیے اللہ تعالیٰ نے تمام انبیاء علیہم السلام سے عہد لے کر ان کو آپ کا نائب اور قائم مقام قرار دیا اور مفضوٰدِ اصلی اس محبوب کو ٹھہرایا۔

۲۔ کیا صرف اس لیے کہ ہم رسولِ معظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اقتدار و اختیار کی کلیۃً نفی نہیں کرتے جیسے مولوی اسماعیل صاحب نے دعویٰ کیا جس کا نام محمد یا علی ہے وہ کسی چیز کا مالک و مختار نہیں وغیرہ وغیرہ اور جناب نے اس کی عباراتِ اکابر میں مکمل تصدیق اور تائید کی بلکہ ہمارا عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو زمین و آسمان کی حکومت دی اور جن و انس بلکہ ملائکہ کو بھی آپ کے ماتحت کر دیا۔

كما قال تعالیٰ :

قُلِ اللَّهُمَّ مَلِكُ الْمَلِكِ تُوِّتِي الْمَلِكَ مَنْ تَشَاءُ

(آل عمران آیت ۲۶)



اور فرمانِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے کہ میرے چار وزیر ہیں دو زمین میں اور دو آسمانوں میں۔ زمین کے وزیر حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما اور آسمانوں کے وزیر حضرت جبریل اور حضرت میکائیل علیہما السلام ہیں اور آپ بعبطائے الہی مومنین پر ان کے نفوس کی نسبت تصرف کے زیادہ حقدار ہیں۔ کما قال تعالیٰ :

النَّبِيُّ أَوْلَىٰ بِالْمُؤْمِنِينَ مِنْ أَنفُسِهِمْ (سُورَةُ احْزَابِ)

اور ہمارا ایمان ہے کہ جملہ امور میں رسول معظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حاکم ماننا اور ان کے حکم اور فیصلہ کو دل و جان سے تسلیم کرنا اور دل میں اضطراب و بے سکونی کو راہ نہ دینا شرطِ ایمان و توحید ہے۔ کما قال تعالیٰ :

فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتَّىٰ يُحَكِّمُوكَ فِي مَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِي أَنفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ

وَلْيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا ۝ (سُورَةُ نَسْرٍ آيَةُ ۶۵)

اور ہمارا اذعان و ایقان ہے کہ رسول معظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بے اختیار و عاجز نہیں بلکہ آپ کی قضا اور فیصلہ کے بعد اہل ایمان پابند اور مقید ہیں اور انہیں اپنی پسند و ناپسند پر اختیار و قدرت نہیں ہے۔ کما قال تعالیٰ :

مَا كَانَ لِلْمُؤْمِنِينَ وَلَا الْمُؤْمِنَاتِ إِذَا قَضَىٰ اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَمْرًا أَنْ يَكُونَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ أَمْرِهِمْ ط

(سُورَةُ احْزَابِ آيَةُ ۳۶)

۳۔ کیا صرف اس لیے ہمارا اسلام شرک سے مخلوط ہو کر رہ گیا کہ ہم تمہاری



طرح مقربانِ بارگاہِ خداوندِ تعالیٰ کو چہار سے ذلیل نہیں سمجھتے۔ تقویۃ الایمان اور عباراتِ اکابر بلکہ ان کی عزت و توقیر اور تعظیم و تکریم کو روحِ ایمان اور جانِ دین سمجھتے ہیں۔ جن کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتے :

وَتُعَزِّرُوهُ وَتُقِرُّوهُ ط (سورہ فتح آیت ۹)

اور اللہ تعالیٰ فرماتے :

لِلَّهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُولِهِ وَلِلْمُؤْمِنِينَ وَلَلِكِنَّ

الْمُنَافِقِينَ لَا يَعْلَمُونَ ۝ (سورہ منافقون آیت ۸)

ارشادِ خداوندِ تعالیٰ ہے :

إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ ط (سورہ حجرات آیت ۱۳)

جب غلامانِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اکرم ہوں تو خود رسولِ معظم صلی اللہ علیہ وسلم کیونکر اکرم الاکرین نہیں ہوں گے۔

لما دعا الله داعينا باكرم الرسل كنا اكرم الامم  
کیونکہ امتی کی عزت و حرمت اور فضل و شرف اور فضیلت و کرامت  
صرف اور صرف نبی و رسول کے طفیل اور توکل سے ہی ہوتی ہے لہذا آپ  
کے امتیوں کا اکرم ہونا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اکرم الاکرین ہونے  
کی واضح ترین دلیل ہے۔

۴۔ کیا صرف اس لیے کہ ہم نے رسولِ معظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے  
خیال مبارک کو گدھے اور بیل کے خیال سے بدرجہا بدتر قرار نہیں دیا ہمارا  
اسلام بھی شرک قرار دیدیا گیا ہے جیسے کہ جناب اور آپ کے اکابر اس کے



قائل ہیں۔ (صراطِ مستقیم ص ۸۶) اور عباراتِ اکابر  
ہم ایسی توحید کو کس طرح اپنا سکتے ہیں جو قرآن و حدیث اور سلفِ صالحین  
کے طریقہ کے سراسر خلاف ہو۔ اللہ تعالیٰ فرماتے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اسْتَجِيبُوا لِلَّهِ وَلِلرَّسُولِ إِذَا دَعَاكُمْ

(سُورَةُ انفَالِ آيَةُ ۲۴)

اے ایمان والو جب تمہیں رسولِ معظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بلائیں تو فوراً  
اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول (علیہ السلام) کی بارگاہ میں حاضر ہو دو اور  
رسولِ معظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت ابو سعید بن معلیٰ کو فرمائیں کہ میرے  
بلانے کے باوجود تو نماز کیوں پڑھتا رہا ہے:

لَمْ يَقُلِ اللَّهُ اسْتَجِيبُوا لِلَّهِ وَلِرَسُولِهِ -

(مشکوٰۃ باب فضائلِ مشرآن)

کیا اللہ تعالیٰ نے نہیں فرمایا تمہیں حکم میں حاضر ہو دو اللہ تعالیٰ  
اور اس کے رسول کی جب تمہیں بلائیں اور حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ مصلیٰ  
چھوڑ کر آپ کی تعظیم و تکریم کے لیے صفِ اقتدار پر آکھڑے ہوں اور صحابہ کرم  
ان کو متوجہ کرنے کے لیے اور ان کو مصلاتے امامت چھوڑنے اور حضور نبی  
اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مصلاتے امامت سونپنے کی طرف ترغیب دلانے  
کے لیے حالتِ نماز میں تالیال بجائیں۔ (کافی البخاری ص ۱۶ ج ۱)۔

اور حضرت علی رضی اللہ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خاطر نمازِ عصر قضا  
کر لیں لیکن آپ کے آرام میں محل نہ ہوں۔ (مشکل الآثار ص ۲ ج ۲) (شفای قاضی عیاض)

(ازالہ الخفا شاہ ولی اللہ)



اور حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سائپ کے ڈنگ اور زہر برداشت  
 کریں اور جان دینا گوارا کر لیں جو اہم ترین فریضہ ہے مگر محبوب کریم علیہ السلام  
 کی نیند میں مغل ہونا گوارا نہ کریں۔ ( مشکوٰۃ )

تو اندریں صورت ہم تمہاری توحید جیسی توحید کو کیسے اپنا سکتے ہیں بلکہ  
 ہمارا ایمان و یقین تو یہ ہے کہ بلا شک و شبہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی  
 عبادت روا نہیں لیکن عبادتِ خداوند تعالیٰ کو ان کی نیند اور آرام و سکون پر  
 قربان کیا جاسکتا ہے اور یہی جذبہ اور نظریہ تمام عباداتِ الہیہ کی جان  
 اور ان کی رُوح ہے۔ اور ان کی اسارت اور بے ادبی تمام اعمالِ صالحہ  
 حتیٰ کہ توحید کے بھی اکارت اور برباد ہونے کی موجب ہے۔ کما قال تعالیٰ:  
 اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُونَ ۝

(سورہ حجرات آیت ۲)

لہذا آپ اپنی اس مصنوعی توحید پر اس قدر مغرور نہ ہوں اور نہ  
 اس کو جنت کی ضمانت سمجھیں اور نہ ہی ہم جیسے لوگوں کو جنت سے  
 محروم کریں۔ ۷

زاہد غرورداشت سلامت نبرد راہ

دنداز رہِ نیازِ بدارِ السلام رفت

فلاح و نجات کے لیے بارگاہِ رسالت کا تسلسل ضروری ہے

یہ بجا کہ جو اُمتی حالتِ توحید پر مرے گا اس کی مغفرت اور بخشش ہو



جائے گی مگر توحید کی نسبت کے تحت براہ راست اللہ تعالیٰ سے مغفرت حاصل نہیں کر سکے گا بلکہ در رسول پر سوالی بن کر حاضر ہونا پڑے گا اور نہ صرف اس موجد کو بلکہ جملہ انبیاء و مرسلین حتیٰ کہ ابراہیم خلیل علیہم السلام کو بھی کما قال النبی علیہ السلام :

یوم یرغب الی الخلق کلہم حتیٰ ابراہیم

(مشکوٰۃ شریف باب فضائل القرآن)

اور یہ بھی بجا کہ اللہ تعالیٰ ہی مالک اور الملک ہے یہاں بھی اور وہاں بھی اور وہ ذات و صفات میں اور افعال میں لا شریک لہ ہے لیکن جو دن اس کے امتیاز و اختصاص کا ہے ملک یوم الدین اس دن بھی محبوب کی کرسی اس کے عرش جلالت کے ساتھ ہوگی :

عَسَىٰ اَنْ يَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُودًا ۝ (سُوہ بنی اسرائیل آیت ۹)

اور ، ثُمَّ اَقُومُ عَنِ يَمِيْنِ الْعَرْشِ مَقَامًا يَغْبِطُنِي

الاولون والآخرون - (مشکوٰۃ باب الخوض والشفاعة)

مغفرت و بخشش اور جنت عطا کرنے والا اللہ تعالیٰ ہے مگر محبوب کریم علیہ السلام کے طفیل اور انہیں کے نظرِ کرم سے عطا کرے گا۔

کما قال علیہ السلام :

انا اوّل شافع و اوّل مشفع و کما قال :

انا اوّل من یترع باب الجنّة -

(مشکوٰۃ باب فضائل سید المرسلین)



اگر قیامت کے دن ان کی طرف رغبت اور ان کے در پر سوالی بن کر حاضر ہونا اور ان کا احتیاج و افتقار اور ان سے نگاہِ کرم کی اُمید رکھنا شرک نہیں۔

اَنَا سَيِّدُ وُلْدِ اٰدَمَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَلَا فَخْرَ -

(مشکوٰۃ باب فضائل سید المرسلین)

اَنَا سَيِّدُ النَّاسِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ - (مشکوٰۃ باب المرض والشفاء)

تو آج بھی یہ عقیدہ و نظریہ شرک و کفر نہیں ہو سکتا۔

آج لے ان کی پناہ آج مدد مانگ ان سے

کل نہ مانیں گے قیامت میں اگر مان گیا

قیامت کے دن مشرک لوگ اپنے شرک سے انکار کر دیں گے اور مگر جائیں

گے۔ کما قال تعالیٰ :

وَاللّٰهُ رَبُّنَا مَا كُنَّا مُشْرِكِيْنَ ۝ (سُوْرَةُ الْاِنْعَامِ آيَتِ ۲۲)

تو یہ کیسے تصور کیا جاسکتا ہے کہ اہل ایمان اور اہل توحید ان کی جگہ

سنجھال لیں گے اور شرک شروع کر دیں گے۔ لہذا یہ تسلیم کیے بغیر چارہ نہیں

کہ تو تسل و توصل اور شفاعت و ضراعت اور استمداد و استعانت کا جو

عقیدہ و ہال پر درست اور عین صواب ہوگا اور جس پر تمام امم کا اجماع

اور اتفاق ہوگا بلکہ تمام انبیاء کا بھی کیونکہ وہ آگے بھیجیں گے اور سفارش

و شفاعت کے لیے دوسروں کا رستہ دکھائیں گے یہ نہیں کہیں گے کہ تم نے

غلط راہ و روش اپنا رکھی ہے بلکہ خود اللہ تعالیٰ کا بھی اس سے اتفاق

لہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔



ہوگا کیونکہ شفیع اور سفارشی کی تلاش کے لیے الہام ہی وہی فرماتے گا۔

فیلصمون لذلك - (مسلم شریف ص ۱۰۹-۱۰۹ الوفاء ص ۸۱۹)

تو ایسا عظیم اجتماعی اور متفق علیہ عقیدہ و نظریہ یقیناً یہاں بھی برحق ہوگا اس کو شرک سے تعبیر کرنا اور اہل ایمان و اہل اسلام کو مشرک بنا ڈالنا سراسر ظلم و تعدی ہے اور عدوان و طغیان ہے۔ اعاذنا اللہ من ذلك۔

## اہل اسلام پر شرک کے فتوے لگانے والے خود مشرک ہیں

حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت فرماتے ہیں :

ان مما اخاف علیکم رجل قراء القرآن حتی اذا رءیت بهجته علیہ وکان رداءہ الاسلام اعتراہ الی ماشاء اللہ انسلخ منه ونبذہ وراء ظہرہ وسعی علی جبارہ بالسیف ورماہ بالشرک قلت یا نبی اللہ ایہما اولی بالشرک المرئی او الرامی؟ قال بل الرامی ہذا اسناد جید۔ (تفسیر ابن کثیر ص ۲۷۱)

کہ جن امور سے میں تم پر اندیشہ رکھتا ہوں اور خوفزدہ ہوں ان میں سے ایک یہ ہے کہ ایک شخص قرآن پڑھے گا حتیٰ کہ جب اس کی رونق اس پر نمایاں ہوگی اور اس پر اسلام کی چادر لپیٹی ہوگی تو اللہ تعالیٰ اس کو جدمر چاہے گالے جائے گا اور وہ اسے پس پشت پھینک دے گا اور اپنے پڑوسی



پر تلوار کے ساتھ حملہ کی سعی کرے گا اور اس کو شرک کے ساتھ مستہم ٹھہرائے گا  
میں نے عرض کیا ان دونوں میں شرک کا زیادہ حقدار کون ہوگا؟ جس کو  
الزام دیا گیا یا الزام دینے والا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا  
شرک کا اتہام و الزام لگانے والا خود مشرک ہونے کا زیادہ حقدار اور سزاوار  
ہوگا۔ (حافظ عماد الدین ابن کثیر فرماتے ہیں کہ اس حدیث کی سند جید اور  
عمدہ ہے)۔

الغرض علامہ سرفراز صاحب اس حدیث پاک کے مصداق ہیں اور  
بقول رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خود شرک کی دلدل میں پھنسے ہوئے  
ہیں نہ کہ ہم اہل السنّت و جماعت الحمد للہ بعطائے الہی دانائے غیوب نبی  
نے ایسے مفتیوں کا ردائے اسلام کو اُتار پھینکنا اور دائرہ اسلام سے  
خارج ہو جانا کس صراحت کے ساتھ بیان فرما دیا۔

لہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔



## گلدستہ توحید

پیغمبروں فرشتوں جتنا اور سپرین موبیوں کی ستیشت بھی مشرک ہے

علامہ سرفراز صاحب فرماتے ہیں شرک کے شیدائی عموماً یہ کہا کرتے ہیں کہ شرک تو یہ ہے کہ بتوں کی عبادت کی جاتے اور کلمہ گو چونکہ بتوں کی عبادت نہیں کرتے لہذا وہ کچھ بھی کریں اور کہیں کہ ہرگز مشرک نہیں ہوں گے لیکن یہ ایک ایسا کھلا مغالطہ ہے کہ جس کا قرآن مجید نے تار و پود بکھیر کر رکھ دیا ہے اور جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث نے اس باطل خیال کی صحیحیاں فضائے آسمانی میں اڑادی ہیں۔ - (ص ۴۱)

## گلشن توحید رسالت

بے بنیاد بہتان ہم نہیں سمجھتے کہ دنیا میں کوئی ایسا عقل و دانش کا دشمن ہوگا جو یہ کہے گا اور اس نظریہ کو اپناتے گا کیونکہ فرعون اور نرود و شداد وغیرہ جن لوگوں نے بھی رب ہونے کا دعویٰ کیا وہ یقیناً مشرک اور جنہوں نے غیر اللہ کو خواہ کوئی بھی ہو اللہ تعالیٰ کے ساتھ حقیقت میں وجوب الوجود میں اور استحقاق عبادت میں شریک ٹھہرایا یا ٹھہرائیں گے وہ سبھی مشرک قرار پائیں گے کیونکہ مشرک کا معنی و مفہوم اور اس کی ماہیت و حقیقت ہی یہی ہے۔



الاشراك اثبات الشريك في الالوهية بمعنى  
وجوب الوجود كما للمجوس او بمعنى  
استحقاق العبادة كما لعبدة الاصنام -

(شرح عقائد نسفی)

یعنی شرک یہ ہے کہ الوہیت میں کسی کو اللہ تعالیٰ کا شریک ٹھہرایا جائے  
خواہ الوہیت بمعنی وجوب الوجود میں جیسے کہ مجوسی دو واجب الوجود تسلیم  
کرتے ہیں (ایک خالق خیر جس کو یزداں کہتے ہیں اور دوسرا خالق شر  
جس کو اہرمن کہتے ہیں) خواہ الوہیت بمعنی عبادت کی حقّاری میں شریک  
کیا جائے جیسے بت پرست (کہ وہ اپنے بتوں کو واجب الوجود تو تسلیم نہیں  
بلکہ واجب الوجود کی وحدانیت کے معتقد و معترف ہیں لیکن بتوں کو  
عبادت کا حقّار تسلیم کرتے ہیں ان کی شفاعت اور سفارش کی امید ہے)۔

(نبراس شرح شرح عقائد ص ۲۶۵)

## احکام شرعیہ کی درجہ بندی کا لحاظ ضروری ہے

البتہ ہم اس کے ضرور قائل ہیں کہ دنیا میں ہر کام جو شرعاً پسندیدہ نہ  
ہو اس کو شرک قرار دیتے چلے جانا سراسر زیادتی اور سینہ زوری ہے،  
چوری، ڈاکہ، زنا، قتل ناحق اور شراب نوشی، سود خواری وغیرہ وغیرہ ایسے  
افعال اگر کوئی حرام سمجھ کر شامتِ نفس سے کر بھی لے تو فاسق ہوگا اور حلال  
سمجھ کر کریگا تو کافر ہوگا اسی طرح نماز روزہ اور زکوٰۃ و حج کوئی عملی طور



پر ترک کرے تو فاسق ہوگا اور فرضیت کا انکار کر دے تو کافر ہوگا لہذا زنا کار کو یا تارکِ صلوٰۃ کو مشرک کہنا سراسر زیادتی اور سینہ زوری ہے بلکہ اس پر دوسرا حکم لگایا جاتے گا جو اس جرم کی سنگینی کو تو واضح کرے مگر شرعی حد بندی میں خلل اندازی کا موجب نہ ہو کیوں کہ شرک سب سے سنگین جرم ہے اور ایسا شخص ناقابلِ بخشش و مغفرت ہے۔ کما قال تعالیٰ :

إِنَّ اللَّهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُشْرَكَ بِهِ وَيَغْفِرُ مَا دُونَ ذَلِكَ  
لِمَنْ يَشَاءُ ع ط

(سورہ نسا آیت ۱۱۶)

تو از روئے شرع جو شخص حد مغفرت میں ہے اور جنت میں داخل ہونے کا مستحق ہے اس کو ناقابلِ مغفرت و بخشش ٹھہرانا اور جنت سے ہمیشہ کے لیے محروم ٹھہرانا احکام شرع میں کھلی مداخلت ہے اور اپنی طرف سے شریعت کے اصول و قواعد اور احکام وضع کرنے کی جسارت ہے جو ناقابلِ معافی جبار اور عام مسلمان کو بھی ایسی حرکت زیبا نہیں چہ جائیکہ عالم بلکہ شیخ القرآن اور شیخ الحدیث کو۔

قرآن مجید سے بصراحت ثابت کہ اللہ تعالیٰ ہر شئی کا خالق ہے۔  
خَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ ع

(سورہ انعام آیت ۱۰۲)

اللہ تعالیٰ بندوں کا بھی اور ان کے افعال کا بھی خالق ہے۔  
وَاللَّهُ خَلَقَكُمْ وَمَا تَعْمَلُونَ ۝ (سورہ الصفات آیت ۹۴)

حالانکہ معتزلہ کہتے ہیں کہ بندے اپنے افعال اختیار یہ ایمان و کفر اور نیکی و بدی کے خود خالق ہیں تبھی ایمان اور اعمالِ صالحہ پر مستحق اجر و ثواب



ہوتے ہیں اور کُفر اور اعمالِ قبیحہ کی وجہ سے مستحقِ عذاب و عتاب ہوتے ہیں لیکن بایں ہمہ ان کو مشرک نہیں کہا گیا اور نہ ہی اس حکم کو ان کے حق میں اختیار کیا گیا ہے۔ لہذا ہر غیر شرعی اور غلط عقیدہ اور عمل کو شرک قرار دے دینا اور مرتکب کو مشرک اور ابوجہل کا بھائی بنا دینا سراسر ظلم ہے۔ علامہ تفتازانی شرح عقاید نسفی میں فرماتے ہیں :

لا یقال فالقائل بكون العبد خالقا لا فعاله یكون  
من المشركين دون الموحدين لانا نقول الاشراك  
هو اثبات الشريك في الالهية بمعنى وجوب  
الوجود كما للمجوس او بمعنى استحقاق العبادة  
كما لعبدة الاصنام والمعتزلة لا یثبتون ذلك  
بل لا یجعلون خالقیه العبد كخالقته تعالیٰ لا فتقارہ  
الی الاسباب والالات التي هی بخلق الله تعالیٰ (ص ۴۱)

یہ سوال و اشکال نہ کیا جائے کہ عباد کو خالق افعال ماننے والا مشرکین میں سے ہو جائے گا نہ کہ موحدین میں سے (حالانکہ مذہب مختار یہ ہے کہ معتزلہ مشرک و کافر نہیں کیونکہ وہ اہل قبلہ میں سے ہیں) کیونکہ ہم کہتے ہیں کہ شریک ٹھہرانے کی حقیقت یہ ہے کہ الوہیت میں غیر کو شریک کیا جائے خواہ الوہیت بمعنی وجوب الوجود میں جیسے کہ مجوسیوں کا عقیدہ ہے یا الوہیت بمعنی استحقاق عبادت میں جیسے کہ بُت پرستوں کا عقیدہ ہے اور معتزلہ کسی کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ الوہیت میں شریک نہیں ٹھہراتے بلکہ (لفظ خالق کا



اگرچہ بندوں پر اطلاق کرتے ہیں لیکن ( بندے کی خالقیت کو اللہ تعالیٰ کی خالقیت کی مانند نہیں سمجھتے کیونکہ بندہ افعال کی تخلیق میں ایسے اسباب آلات کا محتاج ہے جو کہ محض اللہ تعالیٰ کی تخلیق سے ہیں اور ان کے بغیر بندے سے افعال کا صادر ہونا ناممکن ہے لیکن اللہ تعالیٰ اشیاء کے صادر کرنے میں کسی سبب اور آلہ کا محتاج نہیں ہے۔

۲۔ مشائخ ماورالنہر نے ان کو مجوس سے بدتر قرار دیتے ہوئے کہا تھا کہ مجوسیوں نے ایک شریک ثابت کیا اور انہوں نے بے شمار شریک ثابت کر دیئے لہذا یہ ان سے بدتر ہیں تو علامہ نے فرمایا کہ ان کی ضلالت اور غلط روش پر تنبیہ میں مبالغہ آرائی سے کام لیتے ہوئے مشائخ نے یہ الفاظ استعمال کیے ہیں (ورنہ از روئے حقیقت اس قول کا بطلان واضح ہے کیونکہ مجوس نے جو ایک شریک ثابت کیا وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ اسکے ملک میں نصف پر مستقل متصرف ہے اور کفر و قباح کا خالق بھی ہے اور اپنے آپ موجود بھی ہے جبکہ معتزلہ نے جن کو خالق تسلیم کیا ہے تو صرف اپنے چند اعمال میں جن پر جزا و سزا کا دار و مدار ہے جبکہ بندوں کو اپنی ذات کے لحاظ سے بھی اور اسباب و آلات کے لحاظ سے بھی اللہ تعالیٰ کا محتاج اور مخلوق تسلیم کرتے ہیں لہذا یہ مجوس کی مانند بھی نہیں ہو سکتے چہ جائیکہ ان سے بدتر ہوں لہذا ان کو مشرک کہنا خلاف تحقیق ہے البتہ ضال و گمراہ اور مبتدع کے الفاظ سے ان کو تعبیر کرنا برحق ہے۔

( خلاصہ مفہوم شرح عقائد و نبیاس وغیرہ ص ۲۶۵ )



۳- پہلی شریعتوں میں سلام کی بجائے تعظیمی سجدہ کیا جاتا تھا جیسے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کو حضرت یعقوب علیہ السلام آپ کی زوجہ محترمہ اور آپ کے بیٹوں نے سجدہ کیا۔ کما قال تعالیٰ :

وَرَفَعَ أَبَوَيْهِ عَلَى الْعَرْشِ وَخَرُّوا لَهُ سُجَّدًا

(سُورَةُ يُوسُفَ آيَاتِ ۱۰۰)

اور حضرت آدم علیہ السلام کے لیے سجدہ کرنے کا اللہ تعالیٰ نے ملائکہ کو حکم دیا :

اسْجُدُوا لِآدَمَ

(سُورَةُ بَقَرَةَ آيَاتِ ۲۴)

اور سب نے تعمیل ارشاد کی اور ابلیس نے سرکشی کی تو اس کو راندہ درگاہ بنا دیا گیا حالانکہ نہ پیغمبر سے کفر اور کبیرہ گناہ سرزد ہو سکتا ہے اور نہ ہی اللہ تعالیٰ اس کا حکم دے سکتا ہے کیونکہ کفر و شرک قبیح لذاتہ ہے اور اللہ تعالیٰ قباح کا حکم دینے سے منزہ مبرا ہے تو لا محالہ ماننا پڑے گا کہ وہ سجدہ عبادت کے طور پر نہیں تھا بلکہ تعظیم و تکریم کے لیے تھا۔ سجدہ عبادت غیر اللہ کے لیے کفر و شرک ہے اور سجدہ تعظیم و تحیہ پہلی شریعتوں میں روا تھا، لیکن نبی مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کو حرام ٹھہرا دیا لہذا مطلقاً کسی کو غیر اللہ کے لیے سجدہ کرتے دیکھ کر بے دھڑک شرک کا فتویٰ لگانا خواہ زندہ کو کرے یا فوت شدہ کو حد سے تجاوز ہے کیونکہ شرک تبھی ہوگا، جب بطور عبادت کرے گا اور اگر اس کے پیش نظر صرف تعظیم و تکریم ہے خواہ بادشاہی اور ملوکیت والی جہت سے یا نبوت و رسالت اور مجربیت و ولایت



والی جہت سے، تو اس کو مرتکب حرام اور فاسق تو کہہ سکتے ہیں مشرک قرار دیدینا اور ابوہبل کا بھاتی بنا ڈالنا حد سے تجاوز ہے اور سخت تعدی اور سینہ زوری۔

۴۔ معراج نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا عظیم معجزہ ہے اور امتیازی شان مگر کوئی آسمانوں پر جانے کا انکار کر دے یا جنت کی سیر کا یا عرش پر پاتے ناز رکھنے کا تو اس کو گستاخ و بے ادب اور کافر و مرتد قرار دیدینا سراسر زیادتی ہے بلکہ دیکھنا پڑے گا کہاں تک رسائی قطعی ہے لہذا اس کا انکار کفر قرار پاتے گا اور کہاں تک ظنی ہے لہذا اس کا انکار فسق اعتقادی اور بدعت قرار پاتے گا جیسے کہ علماء کلام نے تصریح فرماتی کہ مسجد حرام سے بیت المقدس تک قطعی دلیل سے ثابت ہے لہذا اس کا منکر کافر ہے اور زمین سے آسمانوں تک مشہور احادیث سے ثابت ہے لہذا اس کا منکر فاسق اور مبتدع اور جنت اور عرش یا لامکان تک اخبار آحاد سے ثابت ہے لہذا اس کے منکر کو کافر اور ضال و مضل بھی نہیں کہیں گے بلکہ صرف آثم اور گنہگار کہیں گے۔

(شرح عقائد مع نبراس ص ۲۶۸ ص ۴۴)

الغرض جس طرح نبی الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت و عقیدت کے دعوی داروں کو جوش محبت میں شرعی اصول و قواعد پامال کرنے کا حق نہیں اسی طرح توحید کے ٹھیکیداروں کو بھی یہ حق نہیں دیا جاسکتا کہ وہ اپنے طور پر اصول و قواعد وضع کر لیں اور جس کو چاہیں ابوہبل اور ابولہب بنا ڈالیں اور اللہ تعالیٰ کی مغفرت و بخشش اور جنت و ثواب سے کلیتہً محروم



۵۔ نیز یہ تکفیر و تفسیق اہل السنّت کی بھی کی گئی ہے اور انہیں بدترین مشرک قرار دے دیا گیا کیونکہ ان کا عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی صفات، علم، سمع، بصر، حیاة، قدرۃ، ارادہ، کلام اور تخلیق و تکوین ازلی اور قدیم ہیں اور ذاتِ باری تعالیٰ پر زائد ہیں تو معتزلہ نے کہا نصاریٰ کو تین قدیم ماننے کی بنا پر کافر قرار دیا گیا ہے تو اٹھ یا اس سے بھی زائد قدماء کے تسلیم کرنیوالوں کے کفر میں کیا شک و شبہ ہو سکتا ہے۔

قد کفرت النصارى یا ثبات ثلاثہ من القدماء

فما بال الثمانیۃ او اکثر - (شرح عقائد نبراس ص ۱۹۷)

معتزلہ کے ہاں اگرچہ اہل السنّت کا مشرک ہونا بدیہی اور واضح ترین امر ہے لیکن صرف اہل السنّت کے نزدیک نہیں بلکہ ہر عقل سلیم والے کے نزدیک ان کے اس الزام و اتہام کی حیثیت پر کاہ کے برابر بھی نہیں کیونکہ موجب کفر متعدد قدیم ذاتوں کا تسلیم کرنا ہے تاکہ ایک ذات اور اس کے ساتھ قائم اسی کے صفات کمال جو کہ اسی ذات کا اقتضار ہیں لہذا ضروری نہیں کہ اسلامی فرقوں میں سے ایک فریق جس چیز کو شرک اور کفر قرار دے وہ اصول اور قواعد شرع کی رو سے بھی شرک ہو تو یہ کب ضروری ہے کہ علامہ سرفراز صاحب جس امر کو اپنے زعم اور گمان میں شرک سمجھیں وہ دفع میں بھی شرک ہو اور جن کو مشرک ہونے کا الزام دیں وہ واقعی اس کے اہل اور مستحق بھی ہوں، اگر انہیں گستاخ رسول اور بے ادب اور کافر و مرتد قرار دیا جائے



پسند نہیں اور وہ اس فتویٰ کو برحق ماننے کے لیے تیار نہیں تو انہیں بھی دوسروں کے حق میں مشرک جیسا سنگین الزام لگاتے وقت اور شرک کے شیدائی قرار دیتے وقت ہوش و خرد اور عدل و انصاف سے کام لینا چاہیے۔

**تنبیہ :** اگر حضرات علماء میں سے کسی نے شرک کو بہتوں کی عبادت اور مشرکین کا بُت پرستوں میں حصہ و قصر کیا ہے تو ان کا مدعا و مقصد قطعاً یہ نہیں کہ شرک دوسری جگہ عبادت کے تحقق کے باوجود متحقق نہیں یا غیر اللہ کی پرستش کے باوجود لفظ مشرک کا اطلاق درست نہیں ہے بلکہ صرف اور صرف یہ مقصد ہے کہ قرآن مجید میں صرف ان معبوداتِ باطلہ سے سُننے دیکھنے اور شعور و علم اور اخذ و بطش اور نفع و ضرر کی نفی کی گئی ہے اور یہ صفات صرف اصنام و اوثان کے ہیں لہذا ایسی آیاتِ کریمہ کا مصداق صرف اصنام و اوثان ہیں اور مشرکین سے مراد بُت پرست اور شرک سے مراد اس مقام پر ان بے جان تماثیل اور مجسمات کی پرستش اور عبادت ہے اور اسی غلط مفروضہ کی بنا پر کہ معبوداتِ باطلہ میں تو انبیاء و اولیاء داخل ہیں لہذا دیگر معبودات کی طرح ان سے بھی حیات اور علم و ادراک اور احساس و شعور کی نفی ثابت ہو جائے گی کیونکہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ان کی حیات کی نفی کر دی۔ اموات غیر احياء اور سُننے دیکھنے کی اور علم و شعور کی۔ کما قال تعالیٰ :

من اضل ممن يدعو من دون الله من لا يستجيب له

الى يوم القيامة وهم عن دعاءهم غفلون

(نور الاحقاف آیت ۵)



وَعَبْرَ ذَلِكَ لَمَّا عَلَّمَ سِرْفَرَاذَ صَاحِبَ كَسْبِ حَسْبِي مَشْرَبِ بَهَائِيَّوْنَ نَعَى  
 يَهْ عَقِيدَهٗ اِيْتَا لِهٖ اَكْهٖ قَبْرٍ مِيْنِ نَهْ اَنْبِيَا رَزَنْدَهٗ هِيْنِ اَوْر نَهْ اَوَّلِيَا رَزَنْدَهٗ هِي  
 اَنْ كُو عِلْمٍ وَّ شَعْوَرَهٗ هِيْنِ اَوْر نَهْ هِي سُنْنَهٗ اَوْر دِي كِهْنَهٗ كِي اِسْتَعْدَادِ وَّ صِلَاحِيْتِ اَوْر  
 نَهْ هِي وَهٗ كِهْسِي كُو كِهْسِي طَرَحِ كَا نَفْعِ وَّ نَفْعَانِ پَهِنْچَا سَكْتَهٗ هِيْنِ حَتِّي كِهْ جُو قَبْرِ پَر  
 جَا كَر اَنْ سَهٗ دُعَا كِهٖ لِيَهٗ عَرْضِ كَرَهٗ وَهٗ بَهِي اَنْ كِهٖ نَزْدِيكِ اَبُو جَهْلِ كِي مَانْدِ  
 مَشْرِكِ هِيْنِ اَوْر عَلَّامَهٗ صَاحِبِ كُو اَدَهْرَانِ كَا رُوْ بَهِي كَرْنَا پُڑَا اَوْر تَسْكِيْنِ الصَّدُ  
 وَّ غَيْرَهٗ كَتَبِ لَكْهٗ كَر عَلَمًا دِيُوْبَنْدِ كَا مَذْهَبِ وَّ اَضْحِ كَرْنَا پُڑَا اَوْر اَصْلِي وَّ نَقْلِي دِيُوْبَنْدِي  
 كِي تَمِيْزِ كَرَانِي پُڑِي اَوْر اِيْنَهٗ فِتْوَا تَهٗ مَشْرِكِ كِهٖ لِيَهٗ نَدَا تَهٗ غَايْبَانَهٗ مَافُوْقِ اِلَاسْبَابِ  
 وَّ غَيْرَهٗ كِي قِيُوْدِ اِخْتِرَاعِ كَرْنِي پُڑِي۔

لَمَّا عَلَّمَ صَاحِبِ خُوْدِ هِي غُوْر فَرَاوِيْنِ اَكْر وَّ اَقْعِي مَشْرِكِيْنِ اَوْر اَنْ كِهٖ  
 جَمْلَهٗ مَعْبُوْدَاتِ كَا عِلْمِ يَكِيَا سَهٗ تُو پَهْرِ دِيكْرِ حَسْبِي مَشْرَبِ بَهَائِيَّوْنَ كِهٖ سَاْتَهٗ  
 اِخْتِلَافِ نَهٗ كَرِيْنِ اَوْر كَهْلِ كَر اَنْ كِي تَايِيْدِ وَّ تَصْدِيْقِ كَرِيْنِ اَوْر اِنِهِيْنِ اَصْلِي دِيُوْبَنْدِي  
 تَسْلِيْمِ كَر لِيْنِ اَوْر اَكْر دِيَا نَتِ وَّ اَمَانَتِ يَهٗ اِجَازَتِ نِهِيْنِ دِيْتِي تُو پَهْرِ اِس دِيَا نَتِ  
 وَّ اَمَانَتِ كَا يَهٗ بَهِي تَقَا صُنَا هِي كِهٖ اَنْبِيَا رَزَنْدَهٗ اَوْر اَوَّلِيَا رَزَنْدَهٗ كِي بَا لَفْرَضِ كُو تِي اَز رُو تَهٗ  
 جِهَالَتِ وَّ ضَلَالَتِ عِبَادَتِ كَر تَهٗ بَهِي تُو يَهٗ حَقِيْقَتِ تَسْلِيْمِ كَر تَهٗ كِهٖ اَنْ كَا حَكْمِ  
 اَوْثَانِ وَّ اَصْنَامِ اَوْر حَجْرِي مَوْرْتِيُوْنِ وَّ اَلَا نِهِيْنِ هُوْ كَا بَلَكِهٗ وَهِي هُوْ كَا جُو اَنْ كِي  
 شَانِ وَّ اَلَا اَوْر مَنَصِبِ بَالَا كِهٖ شَايَا نِ اَوْر لَائِقِ هُوْ كَا جِيْسَهٗ كِهٖ خُوْدِ عَلَّامَهٗ  
 سِرْفَرَاذِ صَاحِبِ نَهٗ اِسِي بَابِ كِي سَا تُوِيْنِ دَلِيْلِ مِيْنِ اِس فَرَقِ كُو اَز رُو تَهٗ نَصِ  
 قُرْآنِ تَسْلِيْمِ كِيَا هِي جِيْسِ كَا خُلَا صَهٗ يَهٗ هِي۔



## اصنام اور اہل اللہ میں فرق ،

کہ جب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی :

انکم وما تعبدون من دون اللہ حصب

جہنم وانتم لها واردون (سورہ نسا آیت ۹۸)

بیشک تم اور اللہ تعالیٰ کے علاوہ جن کی تم پوجا کرتے ہو سبھی جہنم کا ایندھن ہیں اور تم سبھی اس میں داخل ہونے والے ہو تو مشرکین مکہ نے کہا کہ یہود حضرت عزیرؑ نبی کی عبادت کرتے ہیں اور عیسائی حضرت عیسیٰؑ بن مریم کی تو پھر وہ بھی دوزخ میں داخل ہوں گے؟ تو ان کے رد و قدح میں اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی۔

إِنَّ الَّذِينَ سَبَقَتْ لَهُمْ مِنَّا الْحُسْنَىٰ أُولَٰئِكَ عَنْهَا

مُبَعَدُونَ ۚ لَا يَسْمَعُونَ حَسِيسَهَا وَهُمْ فِي مَا اشْتَهَتْ

أَنفُسُهُمْ خَالِدُونَ ۚ (سورہ انبیاء آیت ۱۰۶-۱۰۷)

بیشک وہ لوگ جن کے لیے ہماری طرف سے بھلائی طے ہو چکی ہے وہ دوزخ سے دور رکھے جائیں گے اور وہ نہیں سنیں گے اس کی آہٹ اور اپنی پسندیدہ نعمتوں میں ہمیشہ رہنے والے ہیں۔

لہذا دوسرے مقامات میں بھی اس فرق کو ملحوظ رکھنا تقاضائے قرآن بھی ہے اور مقصناتے دین اسلام بھی اور منشا یہ مفسرین کرام بھی اس لیے وہ حضرات بتوں اور مورتیوں والے احکام سے ان کو مستثنیٰ ٹھہراتے ہوئے

لہ علیہم السلام۔



ایسی آیات کی تفسیر اوثان و اصنام سے کرتے ہیں مگر علامہ سرفراز صاحب کو غصہ آجاتا ہے اور ناحق غیظ و غضب کے شعلے برسانے لگ جاتے ہیں۔ ہم پر تو جو فتوے لگاؤ اور جس طرح غصہ نکالو تمہیں کون روک سکتا ہے مگر صحابی رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضرت عمر فاروق کے لخت جگر حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا تو حیا کرنا اور ان سے ضرور درگزر کرنا جن کا نظریہ و عقیدہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے بدیں الفاظ نقل فرمایا ہے :

کان بن عمر یراہم شرار خلق اللہ وقال انہم انطلقوا الی ایت نزلت فی الکفار فجعلوها علی المؤمنین

(بخاری ص ۱۰۲۴ ج ۲)

حضرت عبداللہ بن عمر خوارج کو اللہ تعالیٰ کی ساری مخلوق سے بدتر اور مبغوض ترین سمجھتے تھے اور فرماتے کہ انہوں نے وہ آیات جو کفار کے حق میں نازل ہوئی تھیں ان کو اہل ایمان پر منطبق کر دیا ہے اور ان کو کافر و مشرک بنا ڈالا ہے۔ تو آپ ہی فرمادیں وہ کونسی آیات ہیں اور کون سے مومن ہیں جن پر وہ آیات چسپاں کی گئی ہیں۔ کیا بتوں اور مورتیوں اوثان و اصنام والی آیات کو انبیاء و اولیاء اور ان کے متبعین اطاعت گزاروں اور تعظیم و تکریم کرنے والوں پر منطبق کرنا ہی یہاں مراد ہے یا نہیں؟ حضرت علی رضی اللہ عنہ جیسے سرچشمہ ولایت اور ابوالامرہ کو بھی مشرک قرار دیا گیا تھا یا نہیں؟ اور بزعم خویش اس شرک کو بھی انہوں نے قرآن مجید سے ثابت کیا تھا یا نہیں؟ یقیناً انہوں نے ان المحکم الا للہ (سورہ یوسف آیت ۲۱)



پڑھ کر تحکیم اور ثالثی فیصلہ قبول کرنے کی وجہ سے یہ فتویٰ صادر کیا تھا مگر باب مدینہ العلم نے فرمایا کلمۃ حق ارید بها الباطل آیت برحق ہے مگر اس کا جو معنی کیا گیا وہ باطل ہے۔

اسی طرح اہل اسلام کو مشرک قرار دینے کے شیدائی انہیں خوارج کی راہ و رسم اپناتے ہوئے ہیں اور ہم پر بھی لازم ہے کہ ہم ان کے حق میں حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما والا نظریہ اپنائیں اور مولائے مرتضیٰ علی شہر خدا رضی اللہ عنہ کی اقتدار میں کہیں آیات برحق مگر کشید کر وہ معنی غلط اور باطل ہے بلکہ قرآن مجید کی معنوی تحریف کے مترادف ہے۔

## کلمۃ توحید

۱۔ قوم نصاریٰ کی غلطی ظاہر کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو فرمائے گا:

وَإِذْ قَالَ اللَّهُ يُعِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ ءَأَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ

اتَّخِذُونِي وَأُمِّيَ الْهَيْئِينَ مِنْ دُونِ اللَّهِ (سُورَةُ مَائِدَةَ آيَةُ ۱۱۶)

اور جب کہے گا اللہ تعالیٰ اے عیسیٰ بن مریم تو نے کہا لوگوں کو کہ ٹھہرو

مجھے اور میری ماں کو دو الہ اللہ کے نیچے تو عیسیٰ کہے گا تو پاک ہے مجھ کو لائق نہیں کہ کہوں ایسی بات جس کا مجھ کو حق نہیں۔

اگر شرک فقط بتوں کی پرستش کی وجہ سے ہوتا تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام

سے یہ سوال کیسے؟ نہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بت تھے اور نہ ہی ان کی



## گلشنِ توحید و رسالت

۱۔ پہلے عرض کیا جا چکا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت عزیز علیہ السلام وغیرہما کو معبودات سے اس لیے خارج کیا گیا کہ ان کے حق میں بُتوں کی طرح علم و آگہی اور ادراک و شعور سے عاری ہونے بلکہ حیات و زندگی سے بھی محروم ہونے کا باطل عقیدہ لازم نہ آتے رہا ان کے متعلق اپنے زعم میں ابن اللہ ہونے یا اللہ ہونے کا عقیدہ رکھنے والوں کا معاملہ تو ان کے کفر و شرک میں کیا شک ہو سکتا ہے اللہ تعالیٰ نے لَقَدْ كَفَرَ الَّذِينَ قَالُوا اِنَّ اللّٰهَ تَالِثٌ اِلٰهًا فَرَاكَرُوا لَقَدْ كَفَرَ الَّذِينَ قَالُوا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِيحُ بَنُ مَرْيَمَ فَرَاكَرَ بَعْضُ اَنْعَامِ الْاِنْسَانِ اِنَّهُمْ كَانُوا كٰفِرًا و دیا ہے۔ جب دُنیا میں اللہ تعالیٰ ان لوگوں کے کافر اور بے راہ ہونے کا خود اعلان فرما رہا ہے تو قیامت کے دن حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے جواب طلبی اور باز پرس آخر کیوں؟

تو وہ ان کے حق میں کسی امکانی لغزش اور کوتاہی کے تحت نہیں کیونکہ سوال کرنے والا علام الغیوب ہے بلکہ صرف اور صرف اس لیے کہ انہوں نے ان کے حق میں اس قسم کا عقیدہ اپنا کر جو نفع اندوزی اور حصولِ شفاعت وغیرہ کی اُمیدیں لگا رکھی تھیں ان کے جواب سے ان کو مزید رنج و الم اور شدتِ کرب لاحق ہو اور حسرت و ارمان میں اضافہ ہو ورنہ خود اللہ تعالیٰ



نے حضرت مسیح علیہ السلام کی تعلیم کو اس طرح بیان فرمایا ہے :

وَقَالَ الْمَسِيحُ يَبْنِي إِسْرَائِيلَ عِبُدُوا اللَّهَ وَارْتَبِعُوا  
 رَبَّكُمْ وَلَا تَشْرِكُوا بِاللَّهِ فَقَدْ حَرَّمَ اللَّهُ  
 عَلَيْهِ الْجَنَّةَ وَمَا فِيهَا النَّارُ وَمَا لِلظَّالِمِينَ مِنْ أَنْصَارٍ

(سورہ مائدہ آیت ۷۲)

اور کہا مسیح علیہ السلام نے کہ اے بنی اسرائیل بندگی کرو اللہ کی جو میرا اور  
 تمہارا رب ہے۔ بیشک جس نے اللہ کے ساتھ شریک ٹھہرایا تو اللہ نے  
 اس پر جنت حرام کر دی اور اس کا ٹھکانا دوزخ ہے اور کوئی نہیں گنہگاروں  
 کی مدد کرنے والا۔

لیکن ان کے تعلیماتِ مسیحی کے برعکس کفر و شرک کا ارتکاب کرنے سے  
 حضرت مسیح کی شانِ رفیع میں تنقیص و تفریط کا کوئی جواز نہیں ہے۔

علامہ شبیر احمد عثمانی صاحب قولِ باری تعالیٰ "مَا ضَرَبُوهُ لَكَ  
 إِلَّا جَدًّا لَاطٌ" (سورہ زخرف آیت ۵۸) کے تحت فرماتے ہیں: (ص ۸۴۴)

یاد رکھو قرآن کریم کسی بندہ کو بھی خدائی کا درجہ نہیں دیتا اس کا تو  
 سارا جہاد ہی اس کے خلاف ہے ہاں یہ بھی نہیں کر سکتا کہ محض احمقوں کے  
 خدا بنالینے سے ایک مقرب اور مقبول بندے کو پتھروں اور شریروں کے  
 برابر کر دے۔

لیکن قرآن مجید کے نزدیک حضرت مسیح علیہ السلام کے ان مشرک و کافر  
 بنی اسرائیل کے معبوداتِ باطلہ سے خارج ہونے کے باوجود اور ان احکام



سے منزہ و مبرا ہونے کی تصریحات اور اپنے اکابر کی تصریحات کے برعکس  
 علامہ سرفراز صاحب کو اس پر اصرار ہے کہ وہ من دون اللہ میں داخل ہیں  
 اور معبوداتِ باطلہ کے احکام ان پر بھی لاگو ہیں تو گویا وہ انہیں مشرکین کے  
 نقش قدم پر چلنے والے ہیں جنہوں نے کہا تھا ہمارے معبودات بہتر ہیں  
 یا مسیح؟ اگر مسیح جہنم کا ایندھن بن سکتے ہیں تو ہمارے معبودات بھی  
 جہنم کا ایندھن سہی لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کا رد کرتے ہوئے فرمایا کہ انہوں  
 نے جو کچھ کہا ہے یہ محض جدل اور جھگڑے کے لیے کیا ہے بلکہ وہ ہیں اسی  
 جھگڑا لوگ۔

إِنَّ هُوَ إِلَّا عَبْدٌ أَنْعَمْنَا عَلَيْهِ وَجَعَلْنَا مَثَلًا

لِبَنِي إِسْرَائِيلَ ۝ (سورہ زعفران آیت ۵۹)

وہ نہیں ہیں مگر ایسے عبدِ خاص کہ جن پر ہم نے (طرح طرح کے)  
 انعام فرمائے اور ان کو بنی اسرائیل کے لیے نمونہ بنایا ہے۔ اسی طرح یہ سب  
 کچھ علامہ صاحب کا بھی جدل اور محض جھگڑا کرنے والا معاملہ ہے اور مشرکین  
 کی اتباع ہے۔

## گلدستہ توحید

۲۔ یہود و نصاریٰ جو نہ صرف خدا کے قائل تھے بلکہ اپنے خیال کے  
 لحاظ سے موجد بھی تھے ان کی تردید کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:  
 اتَّخَذُوا أَحْبَارَهُمْ وَرُهَبَانَهُمْ أَرْبَابًا مِنْ دُونِ اللَّهِ



وَالْمَسِيحَ ابْنَ مَرْيَمَ ۚ وَمَا أُمِرُوا إِلَّا لِيَعْبُدُوا اللَّهَ  
وَأَحَدًا لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ سُبْحَانَهُ عَمَّا يُشْرِكُونَ ۝

(سورہ توبہ آیت ۳۱)

یعنی ٹھہرا لیا انہوں نے اپنے مولویوں اور پیروں کو رب اللہ کے  
نیچے اور مسیح بیٹے مریم کو حالانکہ ان کو حکم یہی ہوا تھا کہ بندگی کریں ایک  
اللہ کی۔ کوئی اس کے سوا اللہ نہیں وہ پاک ہے اس سے جو وہ شریک  
ٹھہراتے ہیں۔

اس آیت میں علماء و صوفیا اور مسیح بن مریم کا ذکر ہے کہ لوگوں نے  
ان کو رب بنایا اور مشرک ہوتے حالانکہ نہ مولوی بنت ہیں اور نہ ہی پیر  
اور نہ ہی حضرت مسیح علیہ السلام۔ (ص ۳۲)

## گلشنِ توحید و رسالت

علامہ سرفراز صاحب نے یہ دوسری دلیل بیان فرمائی جس میں بتوں  
کی بجائے علماء اور پیروں اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو رب ماننے کی  
وجہ سے یہود و نصاریٰ کو مشرک کہا گیا ہے لیکن علامہ صاحب کی یہ ساری  
بحث فضول اور عبث ہے کیونکہ ان لوگوں کا مشرک ہونا علیحدہ امر ہے  
اور انبیاء و اولیاء اور خاصانِ بارگاہِ صمدیت کا ایسے معبود ہونا جو سمع و  
بصر اور علم و شعور اور حیات و قدرت سے کلیتہً محروم ہیں علیحدہ امر ہے  
پہلے امر کی نفی کے ہم قائل اور مدعی نہیں اور دوسرے امر کی نفی پر اس



آیت میں کوئی وجہ دلالت نہیں ہے۔

## حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پرستش کی حقیقت

علاوہ ازیں حضرت مسیح علیہ السلام کو انہوں نے معبود بنایا تو کب؟ ان کی دنیوی اقامت کے دوران بنایا تو یہ بداہت کے طور پر باطل ہے کہ پیغمبر خدا لوگوں سے اپنی عبادت کراتے نیز وہ خود بھی اس سے انکاری اور اللہ تعالیٰ نے بھی بیان فرمایا کہ واقعی وہ قوم بنی اسرائیل کو اللہ کی واحدہ کی عبادت کا حکم دیتے رہے جیسے پچھلی دلیل کے تحت ذکر کیا جا چکا ہے۔ اور اگر ان کے رفع سمادی کے بعد ایسا کیا گیا تو ظاہر ہے کہ امر و نہی کے لحاظ سے اس صورت میں رب ہونا مراد نہیں ہو سکتا اور نہ ان بنی اسرائیل میں یہ صلاحیت و استعداد تھی کہ ان سے آسمانوں پر جوتے ہوئے احکام حاصل کریں اور نہ وہ ان کو اللہ تعالیٰ کے مقابلہ میں سکر حرام کو حلال اور حلال کو حرام کرنے کی جسارت کر سکتے تھے تو لامحالہ ماننا پڑے گا کہ حضرت مسیح علیہ السلام کو رب اور الہ بنانے کی صرف یہی صورت تھی کہ ان کے نام پر بت بنا کر اس کی پوجا پاٹ شروع کر دی، جیسے کہ تصاریف نے آج بھی اپنی عبادت گاہوں میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت مریم علیہا السلام کے مجسمے کھڑے کیے ہوئے ہیں اور ان کی پرستش اور عبادت کی جا رہی ہے۔

مقام غور ہے کہ بنی اسرائیل وہ قوم ہے کہ جنہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام



سے عصا والے معجزات یعنی دریا کا خشک ہونا اور پتھر سے پانی نکلنا اور اس کا اڑدھابن کر جادو گروں کی ہزاروں بزورِ سحر سانپ نظر آنے والی رسیوں اور چھڑیوں کو نکلنا اور ہضم کرنا اور یدِ بیضا کا معجزہ دیکھ لینے اور خدا ہونے کے دعویٰ دار فرعون اور اس کی قوم کا غرق ہونا اور اپنا خشک پاؤں صحیح و سالم پار نکلنا دیکھ کر اور عجایبِ قدرت کا مشاہدہ کرنے کے بعد بھی جب ایک قوم کو بت سامنے سجا کر عبادت کرتے دیکھا تو فوراً موسیٰ علیہ السلام سے بھی اس طرح کا خدا بنا دینے کا مطالبہ کر دیا۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :

وَجَاوَزْنَا بِبَنِي إِسْرَائِيلَ الْبَحْرَ فَأَتَوْا عَلَى قَوْمٍ  
يَعْكُفُونَ عَلَى أَصْنَامٍ لَهُمْ قَالُوا يَا مُوسَى اجْعَلْ لَنَا  
إِلَهًا كَمَا لَهُم آلِهَةٌ قَالَ إِنَّكُمْ قَوْمٌ تَجْهَلُونَ ۝

(سورہ اعراف آیت ۳۸)

تو جو لوگ غائبِ خدا کی عبادت اور پرستش نہیں کر سکتے تھے وہ غائبِ عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام کی پرستش کیونکر کر سکتے تھے۔ اب کے تو موسیٰ علیہ السلام موجود تھے انہوں نے جھڑک دیا اور ڈانٹ پلا دی تو وقتی طور پر چپ ہو گئے مگر حضرت موسیٰ علیہ السلام طور پر گئے اور انہیں موقع ملا تو فوراً بچھڑا بنا کر اس کو اپنا معبود تسلیم کر لیا اور عبادت و پرستش شروع کر دی اور یہ اعلان کر دیا :

هَذَا إِلَهُكُمْ وَإِلَهُ مُوسَى ۙ

(سورہ طہ آیت ۸۸)



یہ ہے تمہارا معبود اور موسیٰ کا منکر وہ بھول کر طور پر چلے گئے،  
علامہ شبیر احمد عثمانی حاشیہ قرآن میں فرماتے ہیں :

واقعہ یہ ہے کہ مدت دراز تک مصری بُت پرستوں کے ساتھ رہنے  
کی وجہ سے بنی اسرائیل کا میلان بار بار اس طرح کے شرکیہ رسوم و افعال  
کی طرف ہوتا تھا۔ یہ یہودہ جاہلانہ درخواست بھی مصر کی آب و ہوا اور  
وہاں کے بُت پرستوں کی صحبت کے اثرات کو ظاہر کرتی ہے حضرت شاہ صاحب  
لکھتے ہیں کہ جاہل آدمی نہ سے بے صورت معبود کی پرستش سے تسکین نہیں پاتا،  
جب تک سامنے ایک صورت نہ ہو۔ وہ قوم دیکھی کہ گائے کی صورت پوجتی  
تھی ان کو بھی یہ ہوس آئی آخر سونے کا بچھڑا بنایا اور پوجا۔ (ص ۲۹)

الغرض اخلاف کا اندازہ انہیں اسلاف سے کیا جاسکتا ہے جب ان  
کے بڑوں کا حال یہ تھا کہ غائب خدا کو پوج کر مطمئن نہیں ہوتے تھے بلکہ  
ان کو سکون ملیں آیا تو بچھڑے کی پوجا سے اور اتنی جلدی میں تھے کہ حضرت  
موسیٰ علیہ السلام جیسے نجات دہندہ اور صاحب معجزات رسول کی طور سے  
واپسی تک انتظار بھی نہ کر سکے اور اس کے جواز کی سند بھی حاصل کرنے  
کی ضرورت نہ سمجھی اور پہلی منع کو بھی خاطر میں نہ لاتے اور پوجا بھی اس  
جانور کے مصنوعی مجسمہ کی کرنے لگے جو غباوت میں ضرب اثل ہے، تو  
اخلاف اگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت مریم علیہا السلام کی صورتوں کو  
پوجیں اور خاص طور پر آپ سے معجزات دیکھنے کے بعد اور حضرت مریم علیہا السلام  
کی کرامات دیکھنے کے بعد تو پھر بھی ان کی سوجھ بوجھ اسلاف سے زیادہ



ماننی پڑے گی اور مفترین کرام کی تصریحات سے بھی یہی حقیقت آشکارا ہے کہ وہ لوگ ان حضرات کی شکل پر بنی ہوئی مورتیوں کی پوجا کرتے تھے۔

## فائدہ عظیمہ

قرآن مجید نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زبانی ان کو جاہل قوم کہا ہے اور ان کا یہ عمل اس پر شاہد صادق اور دلیل ناظق ہے مگر معلوم نہیں علامہ سرفراز صاحب کو وہ اتنے عقلمند کیسے معلوم ہو رہے ہیں کہ وہ فرماتے ہیں: دُنیا کا کوئی عقلمند انسان اس کو باور نہیں کر سکتا کہ کسی باہوش آدمی نے کبھی محض اینٹ اور پتھر کی عبادت کی ہے۔ یہ جو کچھ بھی ہوا پیغمبروں بزرگوں، جنوں اور دیگر باعزت اور ذی مرتبہ مخلوق کے نام پر ہی ہوا۔

(گلدستہ توحید ص ۴۴)

اور علامہ صاحب ہی فرمادیں کہ آخر یہ گائے کی مورتی کس پیغمبر بزرگ کی عکاسی کر رہی تھی اور کن کے لیے توجہ کا مرکز اور قبلہ بنی ہوئی تھی اور سونے سے سامری کا تیار کردہ بچھڑا کس نسبت سے بنی اسرائیل کا معبود بن گیا اور لائق پرستش ہو گیا اور اس کا کونسا کمال اور امتیازی معجز فعل انہوں نے دیکھا تھا۔ اس کا موجد اور اس میں حیات پیدا ہونے کا سبب تو سامری تھا اس کی پوجا کیوں نہ کی یا حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معجزات دیکھے ان کی پوجا کیوں نہ شروع کی۔ لہذا یہ دعویٰ سراسر لغو اور باطل ہو گیا کہ دُنیا کا کوئی ہوشمند انسان بغیر ایسی نسبت کے پوجا پاٹ پر



آئادہ نہیں ہو سکتا۔

نیز علامہ سرفراز صاحب یہ بھی فرمادیں کہ قوم بنی اسرائیل نے اس  
معبود پر تو اللہکم والہ موسیٰ کا اطلاق کیا ہے پنج پیروں میں سے  
کسی کا نام استعمال نہیں کیا اور الہ موسیٰ کی شان تو وہ عملی طور پر بھی دیکھ  
چکے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زبانی بھی سن چکے تھے تو کیا واقعی یہ  
بچھڑا الہ موسیٰ بن گیا؟ اگر نہیں اور یقیناً نہیں تو معلوم ہوا محض انبیاء و  
اولیاء کے نام اطلاق کر دینے سے ان کی حقیقتیں موجود و متحقق نہیں ہو سکتیں  
جس طرح کہ یہاں الہ موسیٰ کی حقیقت متحقق نہیں ہوتی اور نہ ہو سکتی تھی۔  
اسی لیے اللہ نے فرمایا :

إِنَّ هِيَ إِلَّا أَسْمَاءٌ سَمَّيْتُمُوهَا أَنْتُمْ وَآبَاءُكُمْ

(سورہ نجم آیت ۲۳)

یہ محض نام ہیں جو تم نے اور تمہارے آباء نے ان اشیاء کو دے رکھے  
ہیں۔ مزید تفصیل اس امر کی اگلے باب میں ذکر کی جائے گی۔

## ارباب من دون اللہ کی حقیقت

اب آیتے مولویوں اور پیروں کے رب بناتے جانے کی طرف کہ اس  
کا مطلب و مفہوم کیا ہے! علامہ شبیر احمد عثمانی صاحب نے اپنے حاشیہ قرآن  
میں فرمایا :

ان کے علماء اور مشائخ جو کچھ اپنی طرف سے مسئلہ بتلا دیتے تھے خواہ



حلال کو حرام یا حرام کو حلال ٹھہرا دیتے اس کو سزا سمجھتے کہ پس خدا کے  
 ہاں ہمارا چھٹکارا ہو گیا کتب سماویہ سے کچھ سروکار نہیں رکھا تھا۔ محض  
 اجبار و رہبان کے احکام پر چلتے تھے اور ان کا یہ حال تھا کہ تھوڑا سا مال  
 یا جا ہی فائدہ دیکھا اور حکم شریعت کو بدل ڈالا جیسا کہ دو تین آیتوں کے بعد  
 مذکور ہے پس جو منصب خدا کا تھا یعنی حلال و حرام کی تشریح وہ علماء و  
 مشائخ کو دے دیا گیا تھا اس لحاظ سے فرمایا کہ انہوں نے عالموں اور درویشوں  
 کو خدا ٹھہرا لیا تھا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عدی بن حاتم کے  
 اعتراض کا جواب دیتے ہوئے اسی طرح کی تشریح فرمائی ہے اور حضرت  
 حذیفہ رضی اللہ عنہ سے بھی ایسا ہی منقول ہے۔

حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں :

عالم کا قول عوام کو سزا ہے جب تک وہ شرع سے سمجھ کر کہے۔  
 جب معلوم ہو کہ خود اپنی طرف سے کہا ہے یا طمع وغیرہ سے کہا ہے پھر  
 سزا نہیں ہے۔ (ص ۲۲۲)

چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے :

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِن كَثِيرًا مِّنَ الْأَجْبَارِ وَالرُّهْبَانِ  
 لَيَأْكُلُونَ أَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ وَيَصُدُّونَ عَن سَبِيلِ اللَّهِ

(سورہ توبہ آیت ۳۴)

اے ایمان والو بیشک بہت سے علماء اور درویش البتہ کھاتے ہیں  
 لوگوں کے مال باطل طریقہ سے اور روکتے ہیں اللہ تعالیٰ کے راستہ سے



اور یہ بھی ثابت کہ وہ حکامِ الہیہ میں اپنے طور پر تبدیلی کر دیتے تھے، جس طرح امراء کے حق میں زنا کی سزا کو سنگساری کی بجائے مُنہ کالا کرنے اور چھڑیوں کے ساتھ مارنے سے بدل دیتے تھے۔ ملاحظہ ہو بخاری ص ۱۱۱، اور لوگ ان کو رقوم دے کر ایسی تبدیلیاں کرواتے اور سمجھتے کہ ہم اللہ تعالیٰ کے ہاں بری ہو چکے۔ اور آج بھی عیسائیوں میں گناہ بخشنے والے پوپ پال موجود ہیں جو اپنے طور پر ان کے گناہ بخشتے ہیں اور وہ لوگ سمجھتے ہیں کہ واقعی ہم گناہوں کے اس بوجھ سے سبکدوش ہو چکے ہیں۔

الغرض کوئی شخص بھی غیر اللہ کو عالم اور مولوی ہو یا صوفی اور درویش اور عابد و زاہد خدائی منصب دیدے اور اس کی ذات کو اللہ تعالیٰ اور کتبِ سماویہ اور اللہ تعالیٰ کے نائبین یعنی رسل و انبیاء کا محتاج نہ سمجھے تو بیشک مشرک ہے اور وہ لوگ بھی مشرک و کافر جو اپنے آپ کو اس منصب کا مالک سمجھیں۔

لیکن کتاب و سنت کے دلائل کے ساتھ حلال و حرام بیان کرنے والے کا قول حجت و سند ہے اور خود اللہ تعالیٰ نے اس کا حکم دیا ہے :

فَأَسْأَلُوا أَهْلَ الذِّكْرِ إِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ ۝

(سُورَةُ انْبِيَاءِ آيَاتُ ۷)

پس دریافت کرو اہل علم سے اگر تم نہیں جانتے۔

نیز قوم میں سے چند افراد پر علم حاصل کرنا لازم ٹھہرایا تاکہ وہ تحصیل علم

کے بعد اپنی قوم کی تعلیم و تربیت کا بندوبست کریں۔ کما قال تعالیٰ :



فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَائِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوا فِي  
الدِّينِ وَلِيُنذِرُوا قَوْمَهُمْ إِذَا رَجَعُوا إِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُونَ ۝

(سُورَةُ تَوْبَةِ آيَةِ ۱۲۲)

نیز اس اُمت کی امتیازی شان ہی یہی ہے :

تأمرون بالمعروف و تنہون عن المنکر  
کہ نیکی کا حکم دیتے ہو اور بُرائی سے منع کرتے ہو۔

اسی لیے اللہ تعالیٰ اور رُسلِ مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ساتھ  
ان اربابِ امر و نہی کو بھی واجبِ اطاعت قرار دیا گیا۔ قال تعالیٰ :

أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ ۚ

(سُورَةُ نَسَاءِ آيَةِ ۵۹)

الی غیر ذلک من الآیۃ والاحادیث اور غیر مقلدین کا اس کو  
شُرک فی النبۃ قرار دینا سراسر غلط ہے اور علامہ سرفراز صاحب بھی یقیناً  
اس معاملہ کو ارباب من دون اللہ بنا لینے کے مترادف نہیں سمجھتے اور  
بالخصوص سید الانبیاء امام رسل صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اتباع و اطاعت  
تو یقیناً اس زمرہ میں نہیں آسکتی کیونکہ آپ کی اطاعت کا حکم اللہ تعالیٰ  
نے دیا اور ان کی اطاعت کو اپنی اطاعت قرار دیا۔

مَنْ يُطِيعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللَّهَ ۚ (سُورَةُ نَسَاءِ آيَةِ ۸۰)

اور محبوبِ کریم کی اتباع کے بغیر کسی کا محب اللہ ہونا بھی اس کے  
ہاں قبول نہیں اور اتباع کرنے کی صورت میں اس کا صرف غلام اللہ ہونا



ہی قبول نہیں بلکہ غلامِ رسول بننے کے بعد اس کو حبیب اللہ کا منصب عطا فرماتا ہے۔ کما قال :

إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللَّهُ (سُورَةُ آلِ عِمْرَانَ ۳)

لہذا یہود و نصاریٰ کے ان محرفین اور حرام خور علماء اور پیروں پر اور ان کے تحلیل و تحریم کا بذاتِ خود منصب دار ہونے کا عقیدہ رکھنے والوں پر غریب اہل سنت کا اور ان کے صحیح معنوں میں وارثینِ انبیاء یعنی علماء و مشائخ کا قیاس سراسر غلط ہے اور حکم اور سینہ زوری ہے اور اگر بالفرض اس راہ و روش اور نظریہ و عقیدہ کے علماء و مشائخ موجود ہوں اور ایسے عوام جو ان کو اللہ تعالیٰ اور رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مقابل یہ مرتبہ دیتے ہوں تو ہم علامہ صاحب کے ساتھ سو فی صد متفق ہوں گے مگر خدا واسطے کی چڑھو تو یہ سوائے محرومی اور بد بختی اور شقاوت کے اور کچھ نہیں۔ اللہ تعالیٰ سب کو مقبولانِ بارگاہ کے ساتھ حسد و بغض سے بچاتے۔ کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ حرب و قتال اور جنگ و جدال کے مترادف ہے کما ورد فی الحدیث القدسی :

من عادى لي وليا فقد آذنته بالحرب (بخاری شریف ص ۹۶۲)

من عادى لله وليا فقد بارز الله بالمحاربة (باب مشكوة باب يا اسمع)

## گلدستہ توحید

قیامت کے دن اللہ یہود سے سوال کرے گا، ”تم کس کی عبادت



کرتے تھے وہ کہیں گے عزیر کی جو اللہ تعالیٰ کا بیٹا ہے اللہ تعالیٰ فرمائے گا تم جھوٹ کہتے ہو، نہ خدا کی بیوی ہے اور نہ اس نے کسی کو بیٹا بنایا ہے۔ اسی طرح نصاریٰ سے سوال کرے گا کہ تم کس کی عبادت کرتے تھے وہ کہیں گے مسیح کی جو خدا تعالیٰ کا بیٹا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا تم جھوٹ کہتے ہو خدا تعالیٰ کی نہ بیوی ہے اور نہ اس نے کسی کو بیٹا بنایا ہے۔

(مسلم ص ۱۰۲ ج ۱ - بخاری ص ۲۵۶ ج ۲)

یہود و نصاریٰ کے دو دعوے تھے ایک یہ کہ ہم حضرت عزیر اور حضرت عیسیٰ کی عبادت کرتے تھے اس دعوے کی اللہ تعالیٰ نے کوئی تردید نہیں فرمائی۔ اس لیے کہ وہ واقعی ان کی عبادت کیا کرتے تھے۔ دوسرا دعویٰ یہ تھا کہ حضرت عزیر اور حضرت مسیح اللہ تعالیٰ کے بیٹے ہیں اس دعوے کی اللہ تعالیٰ نے خود تردید فرمادی کہ تم جھوٹے ہو۔ قیامت کے دن جب لوگ شفاعتِ کبریٰ کے سلسلے میں حضرت عیسیٰ کے پاس جائیں گے تو آپ معذوری کا اظہار کرتے ہوئے ارشاد فرمائیں گے، ”انی عبدت من دون اللہ“ اللہ کے ورے میری عبادت کی گئی لہذا میں معذور ہوں۔

(ترمذی ص ۱۳۳ جلد ۲)

## گلشنِ توحید و رسالت

### ”علامہ سرفراز کا اللہ تعالیٰ پر بہتان“

علامہ سرفراز صاحب نے اس عبارت میں یہ ثابت کرنے کی کوشش کی



کہ اللہ تعالیٰ نے بھی مان لیا کہ یہود و نصاریٰ نے حضرت عزیر اور حضرت مسیح کی عبادت کی اور حضرت مسیح علیہ السلام نے بھی تسلیم کر لیا ورنہ جس طرح اس نے اپنے بارے میں تردید کر دی تھی کہ میں بیوی بچوں سے پاک ہوں تو ان کے بارے میں بھی خود تردید فرما دیتا لیکن علامہ صاحب نے اس مقام پر غور و فکر سے کام نہیں لیا جس دعوے کا تعلق اللہ تعالیٰ سے تھا اس کو اس کی تردید کرنی تھی کیونکہ کسی کا اللہ کا بیٹا ہونا اس کا فعل نہیں نہ اس کا اس میں دخل یہ صرف اور صرف اللہ تعالیٰ پر افتراء اور بہتان تھا کہ اس نے بیوی اور زوجہ اختیار کی اور اس سے اولاد پیدا کی لہذا اس افتراء اور بہتان کا تعلق چونکہ ذات باری تعالیٰ سے تھا اس لیے جواب بھی اس نے دینا تھا لیکن دوسرا دعویٰ جس کا تعلق دوسرے حضرات سے تھا تو ان کو آمنے سامنے کیا ہی اس دن میں اس لیے تھا کہ آپس میں بحث و تمحیص اور سوال و جواب کر لیں اور ایک دوسرے کا صدق و کذب واضح کریں کیا علامہ صاحب کو پورے قرآن میں ملائکہ اور انبیاء علیہم السلام بلکہ اوشان و اصنام کا جواب کہیں نظر نہیں آیا، مقام افسوس ہے کہ یہود و نصاریٰ نے اللہ تعالیٰ پر بیوی بچوں والا ہونے کا الزام عائد کیا اور علامہ صاحب نے اس پر حضرت عزیر اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام کو یہود و نصاریٰ کا معبود مان لینے کا الزام عائد کر دیا اور اگر صورت حال واقعی یہی ہے تو گویا حضرت عیسیٰ اور حضرت عزیر علیہما السلام اپنے معبود ہونے کا انکار کر کے صرف یہود و نصاریٰ کو ہی نہیں جھٹلائیں گے بلکہ اللہ تعالیٰ کو بھی جھٹلائیں گے،



اور اللہ تعالیٰ اپنے انبیاء کرام کا معاون اور مددگار اور طرفدار نہیں ہوگا بلکہ اس معاملہ میں یہود و نصاریٰ کا طرفدار ہوگا، العیاذ باللہ اور اس طرح اللہ تعالیٰ کا یہ دعویٰ بھی علامہ صاحب کے نزدیک سراسر غلط اور بے معنی ہو کر رہ جائے گا۔

إِنَّا لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا وَالَّذِينَ آمَنُوا فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَيَوْمَ  
يَقُومُ الْأَشْهَادُ ۝  
(سورة المؤمن آیت ۵۱)

بیشک ہم مدد کرتے ہیں اپنے رسولوں کی اور ایمان والوں کی دنیوی زندگی میں اور جب گواہ قائم ہوں گے (قیامت کے دن)۔  
آئیے قرآن مجید سے پوچھیں کہ جس دعوے کا تعلق حضرت عزیز اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام وغیرہما سے ہے اس کا جواب ان کی طرف سے کیا دیا جائے گا۔ قال تعالیٰ :

وَيَوْمَ نَحْشُرُهُمْ جَمِيعًا ثُمَّ نَقُولُ لِلَّذِينَ أَشْرَكُوا  
مَكَانَكُمْ أَنْتُمْ وَشُرَكَاءُكُمْ فَزَيَّلْنَا بَيْنَهُمْ وَ  
قَالَ شُرَكَاءُهُمْ مَا كُنْتُمْ إِلَّا نَا تَعْبُدُونَ ۝ فَكَفَى  
بِاللَّهِ شَهِيدًا بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ إِنْ كُنَّا عَنْ  
عِبَادَتِكُمْ لَغْفِيلِينَ ۝  
(سورة یونس آیت ۲۸/۲۹)

جس دن جمع کریں گے ہم سب کو پھر کہیں گے مشرکین سے اپنی جگہ ٹھہرے رہو تم اور تمہارے (مفروضہ) شرکار پھر ان میں جدائی پیدا کریں گے اور کہیں گے ان کے (مزعوم) شرکار تم ہماری عبادت نہیں کیا کرتے تھے



پس کافی ہے اللہ تعالیٰ بطور گواہ ہمارے اور تمہارے درمیان - ہم کو تمہاری بندگی کی خبر نہیں۔

علامہ عثمانی صاحب حاشیہ میں فرماتے ہیں، شرکاً کم یعنی جن کو تم نے اپنے خیال میں خدا تعالیٰ کا شریک ٹھہرا رکھا تھا یا جن کو خدا کے بیٹے بیٹیاں کہتے تھے مثلاً مسیح علیہ السلام جو نصاریٰ کے نزدیک "ابن اللہ" بلکہ عین اللہ تھے یا ملائکہ اللہ یا اجبار و رہبان کہ انہیں بھی ایک حیثیت سے خدا تعالیٰ کا منصب دے رکھا تھا یا اوثان و اصنام جن پر مشرکین مکہ نے خدا تعالیٰ کے اختیارات تقسیم کر رکھے تھے۔ سب کو حسب مراتب اپنی اپنی جگہ کھڑا ہونے کا حکم ہوگا۔ (حاشیہ نمبر ۴۶)

یعنی اس وقت عجیب افراتفری پڑ جائے گی۔ عابدین و معبودین میں جدائی پڑ جائے گی اور دنیا میں اپنے اداہام اور خیالات کے موافق جو رشتے جوڑ رکھے تھے وہ سب توڑ دیتے جائیں گے۔ اس ہولناک وقت میں جبکہ مشرکین کو اپنے فرضی معبودوں سے بہت کچھ توقعات تھیں وہ صاف جواب دیں گے کہ تمہارا ہم سے کیا تعلق؟ تم جھوٹ کہتے ہو کہ تم ہماری بندگی کرتے تھے تم اپنے عقیدہ کے مطابق جس چیز کو پوجتے تھے، اس کے لیے خدا تعالیٰ صفات تجویز کرتے تھے جو فی الواقع ان میں موجود نہیں تھیں، تو حقیقت میں وہ عبادت اور بندگی واقعی مسیح یا ملائکہ کی نہ ہوتی اور نہ حقیقت میں بیجان مورتیوں کی پوجا تھی۔ محض اپنے خیال اور وہم یا شیطان لعین کی پرستش کو فرشتے یا نبی یا نیک انسان یا کسی تصویر وغیرہ کو نامزد کر دیتے



تھے۔ خدا گواہ ہے کہ ہماری رضا سے یا اذن سے تم نے یہ حرکت نہیں کی۔ ہم کو کیا خبر تھی کہ انتہائی حماقت اور سفاہت سے خدا کے مقابلے میں ہمیں معبود بنا ڈالو گے۔  
(حاشیہ عثمانی ص ۷۷)

**تشبیہ :** یہ گفتگو اگر حضرت مسیح وغیرہ ذوی العقول مخلوق کی طرف سے مانی جائے تو اس میں کوئی اشکال نہیں اور اصنام کی طرف سے ہو تو کچھ بعید نہیں کہ حق تعالیٰ مشرکین کی انتہائی مایوسی اور حسرتناک درماندگی کے اظہار کے لیے اپنی قدرتِ کاملہ سے پتھر کی مورتیوں کو گویا کر دے۔  
قَالُوا أَنْطَقْنَا اللَّهُ الَّذِي أَنْطَقَ كُلَّ شَيْءٍ

(سورہ حم سجدہ آیت ۲۱)

اقول جب حضرت عزیر اور حضرت مسیح علیہما السلام اور ملائکہ کی طرف سے یہ جواب بلا اشکال ہے تو اس کا مراد ہونا تو قطعی اور حتمی ٹھہرا، اصنام و اوثان کی طرف سے ہو یا نہ ہو فی الحال ہمارا اس میں کلام نہیں ہے۔  
**عجیبہ :** علامہ سرفراز صاحب فرماتے ہیں کہ چونکہ یہود و نصاریٰ نے حضرت عزیر اور حضرت مسیح کی عبادت کی تھی اس لیے اللہ تعالیٰ نے اس پر انکار نہیں فرمایا۔ ادھر انبیاء علیہم السلام اور ملائکہ وغیرہ بھی اللہ تعالیٰ کو اس پر گواہ بنائیں گے کہ انہوں نے ہماری عبادت نہیں کی اور اللہ تعالیٰ نے اس شہادت اور گواہی پر بھی انکار نہیں فرمایا تو گویا اللہ تعالیٰ کے ہاں یہ بھی سچے ہوں گے اور واقعی ان کی عبادت نہیں ہوئی تھی تو یہ عجیب عدالت ہوگی اور عجیب منصف و حاکم کہ جس کے نزدیک مدعی اور مدعا علیہ



دونو ہی باہم مخالف کے باوجود سچے ہوں گے اور وہ دعویٰ اور جواب  
 دعویٰ دونو کا تصدیق کرنے والا ہوگا۔ علامہ صاحب یہود و نصاریٰ نے  
 تو شیطان لعین کے اغوا اور وسوسہ سے موہوم و مفروض معبود تراشے اور  
 اختراع کیے اور اپنی جانوں پر ظلم کیا لیکن تم بلاوجہ ان کے طرفدار بن کر اور  
 اللہ تعالیٰ اور ان معصومین پر بہتان باندھ کر کیوں اپنی جان پر ظلم کرتے  
 ہو۔ کسی کی مورتی بنا کر اور اس پر اس کا نام اطلاق کر کے پوجنا قطعاً اس  
 ذات کی عبادت نہیں ہو سکتی ورنہ **هَذَا إِلَهَكُمْ وَإِلَهُ مُوسَى** (سورہ طہ ۸۸)  
 کہہ کر بچھڑے کی عبادت کرنے والے تو خالص و مخلص موجد ہونے چاہئیں  
 تھے اور ان کی وہ عبادت صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت قرار پانی  
 چاہیے تھی۔ آخر وہ آپ کے نزدیک بڑے صاحب عقل و خرد اور مالک  
 ہوش و حواس تھے انہوں نے بچھڑے کی بحیثیت بچھڑا ہونے کے پوجا کیونکر  
 کرنی تھی جس کو ان کی آنکھوں کے سامنے سامری نے تیار کیا تھا لامحالہ  
 انہوں نے اس میں اللہ تعالیٰ کا حلول تسلیم کیا ہوگا یا پھر اس کو توجہ  
 الی اللہ کا ذریعہ بنایا ہوگا اور اس طرح صرف اللہ کی عبادت ہی کی ہوگی

## حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اقرار و اعتراف کی حقیقت

کیا واقعی حضرت عیسیٰ علیہ السلام اعتراف کریں گے کہ میری اللہ تعالیٰ  
 کے ورے عبادت کی گئی۔ قرآن گواہی دے رہا ہے کہ وہ کہیں گے:

مَا كُنْتُمْ إِيَّانَا تَعْبُدُونَ ۝ (سورہ یونس آیت ۲۸)



کہ اے مشرکوں تم ہماری عبادت نہیں کرتے تھے اور اس پر اللہ تعالیٰ کو گواہ بھی بنائیں گے اور طالبین شفاعت کے سامنے کہیں کہ میری پرستش کی گئی تو گویا ایک ہی دن اور ایک ہی میدان اور مقام میں دوہرا مظاہرہ کیا انکار بھی اور اقرار بھی۔ مسلمانوں کے سامنے اقرار صحیح ہے تو کفار و مشرکین کے مقابل انکار غلط اور کفار کے مقابل انکار صحیح ہے تو اہل ایمان کے سامنے اقرار غلط ہے۔ اور شاید یہود و نصاریٰ کو اس اقرار کا پتہ نہیں چل سکے گا ورنہ اس کیس میں نگرانی بھی ان کے خلاف کر سکتے تھے اور مسلمانوں اور مومنین کو گواہ بھی بنا سکتے تھے۔ کاش علامہ صاحب کو یہود و نصاریٰ تک یہ نکتہ پہنچانے کا موقع مل جاتا تو بھاری فیس وصول ہو سکتی تھی کہ ذرا ٹھہر وہ ابھی ابھی اہل ایمان کے سامنے خود اپنے معبود ہونے کا اعتراف کرنے والے ہیں لہذا تم ان کے خلاف استمنا نہ کر دینا۔ ع

رمز شناس نہ دلبرِ خطا اینجاست

**حقیقتِ حال** یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کو معلوم ہے اور معلوم ہوگا کہ شفاعتِ عظمیٰ کا مقام صرف اور صرف پیغمبرِ آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے۔ ہمارا یہ منصب اور مقام نہیں لیکن سوالی بن کر آنے والوں کو صاف صاف جواب دینا بھی ان کی شانِ کریمی کے خلاف ہوگا اس لیے درجہ بدرجہ انہیں درِ محبوب تک پہنچانے کے لیے التمسوا غیری بھی کہتے رہیں گے اور اپنی طرف سے کوئی نہ کوئی اقناعی عذر اور بظاہر مسکت بہانہ بھی ذکر کر دیں گے مثلاً آدم علیہ السلام فرمائیں گے میں معذور ہوں میں نے دانہ کھالیا تھا



تو کیا انہیں معلوم نہیں تھا کہ اللہ تعالیٰ اس فعل کو معاف کر چکا اور وہ کریم  
 بخشش کے بعد پھر کیسے مواخذہ و عتاب فرمائے گا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام  
 کہیں گے مجھ سے تین کذب سرزد ہو گئے کیا واقعی وہ جھوٹ تھے؟ جب  
 نہیں اور یقیناً نہیں تھے اور نہ ان پر مواخذہ ہو سکتا تھا کیونکہ آپ کا مقصد  
 اور مراد بالکل درست تھی۔ موسیٰ علیہ السلام قتل کر بیٹھنے کا عذر کریں گے  
 حالانکہ وہ ارادہ نہیں تھا اور اس کے بعد آپ کو نبوت و رسالت کا  
 منصب بھی ملا، شرف ہمکلامی بھی نصیب ہوا اور عظیم معجزات و انعامات  
 بھی تو پھر ان کو کیونکر اپنے مواخذہ سے اور عتاب و عتاب کا اندیشہ ہو  
 سکتا تھا؟ اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی صرف اس بنا پر کہ کچھ لوگ  
 یہ زعم اور گمان تو رکھتے ہیں کہ ہم نے حضرت مسیح کی عبادت کی ہے اگرچہ  
 خلاف حقیقت ہے لہذا اس امر کو بطور عذر ذکر فرمادیں گے نہ کہ اپنے  
 عقیدہ و نظریہ اور صورت حال واقعیہ کو بیان کرتے ہوئے اس طرح  
 فرمادیں گے۔

## کلمۃ توحید

۳۔ اللہ تعالیٰ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیتا ہے کہ یہود و نصاریٰ کو  
 چیلنج کریں کہ اگر صداقت ہے تو آؤ ایک متفقہ اصول پر بات کریں:  
 قُلْ يَا هَلْ الْكِتَابِ تَعَالَوْا إِلَى كَلِمَةٍ سَوَاءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ  
 إِلَّا نَعْبُدَ إِلَّا اللَّهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهِ شَيْئًا وَلَا يَتَّخِذَ



بَعْضُنَا بَعْضًا أَرْبَابًا مِّنْ دُونِ اللَّهِ (سُورَةُ آلِ عِمْرَانَ آيَةُ ۶۴)

اسے اہل کتاب اور ایک بات کی طرف جو برابر (مسلم) ہے ہم میں اور تم میں کہ بندگی نہ کریں ہم نگر اللہ کی اور شریک نہ ٹھہرائیں اسکا کسی کو اور ہم میں سے کوئی کسی دوسرے کو رب نہ قرار دے اللہ کے نیچے پھر اگر وہ قبول نہ کریں تو کہہ دو گواہ رہو کہ ہم تو حکم کے تابع ہیں۔

اگر شرک صرف اصنام اور بتوں کی عبادت ہی کی وجہ سے ہوتا تو پھر بعضاً بعضاً ارباباً من دون اللہ کی بجائے اصناماً من دون اللہ ہونا چاہیے تھا، حالانکہ معاملہ اس کے برعکس ہے۔ ایک فریق میں خود جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرات صحابہ کرام علیہم الرضوان ہیں اور دوسرے گروہ میں یہود و نصاریٰ ہیں جن میں سے ایک بھی بت نہیں تھا۔ (ملخصاً ص ۲۵)

## گلشنِ توحید و رسالت

در اصل نزاع و اختلاف مقبولانِ بارگاہ سے صفاتِ کمال کی نفی میں ہے قبل ازیں عرض کیا جا چکا ہے کہ شرک کی حقیقت کیا ہے اور ارباب من دون اللہ ماننے کی صورت کیا ہے اور فی الواقع اگر کوئی غیر اللہ کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ اس کی حقیقت میں یا وجوب الوجود میں یا صفاتِ خاصہ میں یا تحلیل و تحریم میں مستقل اعتقاد کرے تو وہ مشرک ہوگا لیکن ہر ایسی شخصیت جس کو کوئی اپنے زعمِ فاسد اور نظریہ باطلہ کے تحت معبود اور اپنا رب قرار دیتا ہے تو اس کو مجبور محض اور بے بس و بیچارہ تسلیم کرنا چاہی کہ یوں کہہ دینا کہ



تھی کوئی شئی ان کی لمے اڑے تو وہ اس سے بھی واپس لینے پر قادر نہیں ہیں  
 اِنْ يَّسْأَلِبْهُمْ الذُّبَابُ شَيْئًا لَا يَسْتَنْقِذُوهُ مِنْهُ ط

(سُورَةُ الْحَجِّ آيَةُ ٤٣)

اور ذرّہ ناچیز کے بھی مالک نہیں خواہ بے طائے الہی کیوں نہ تسلیم کیا جائے

لَا يَمْلِكُونَ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ فِي السَّمَوَاتِ وَلَا فِي الْأَرْضِ

اور سراسر مُردے ہیں ان میں حیات و زیت نام کی کوئی شے نہیں

أَمْوَاتٌ غَيْرٌ أَحْيَاءٍ (وغير ذلك) (سُورَةُ النُّحْلِ آيَةُ ٢١)

اور پھر ایسے دعاوی کا مصداق حضرت مسیح اور حضرت عزیر اور دیگر

مقبولانِ بارگاہِ خداوندِ تعالیٰ کو بنا دینا، اختلاف اس میں ہے محض مشرک

کا لفظ کہاں کہاں بولا جاتا ہے اور رب یا معبود اور شریک کا لفظ کس

کس پر بولا جاتا ہے اور کون بولتا ہے اس میں نہ بحث ہے اور نہ اس

کا اس قدر طوالت دینے کی ضرورت تھی۔

## پیش کردہ آیت کا حقیقی مفہوم

آیت مذکورہ بالا کا پس منظر اور اس کا شانِ نزول یہ ہے کہ نجران کے

عیسائیوں کا جو وفد حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس حاضر ہوا تھا

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کو فرمایا "اسلموا" تم اسلام لے آؤ۔

انہوں نے کہا "اسلمنا" ہم پہلے سے ہی اسلام پر ہیں۔ اسی طرح جب

یہود و نصاریٰ پر توحید پیش کی جاتی تو وہ کہتے ہم بھی خداوند تعالیٰ کو ایک



کہتے ہیں بلکہ ہر مذہب والا کسی نہ کسی رنگ میں اُوپر جا کر اقرار کرتا ہے کہ بڑا خدا ایک ہی ہے۔ یہاں اس طرف توجہ دلائی گئی ہے کہ بنیادی عقیدہ جس پر ہم دونو متفق ہیں یعنی خدا تعالیٰ کا ایک ہونا اور اپنے آپ کو مسلمان سمجھنا ایسی چیز ہے جو ہم سب کو متحد و متفق کر سکتی ہے بشرطیکہ آگے چل کر اپنے تصرف اور تحریف سے اس کی حقیقت بدل نہ ڈالیں۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ جس طرح زبان سے اپنے آپ کو موحد اور مسلم کہتے ہو حقیقت میں بھی اور عملی طور پر بھی اپنے آپ کو تنہا خدائے وحدہ لا شریک لہ کے پیرو کر دو۔ نہ اس کے سوا کسی کی بندگی کرو اور نہ اس کی صفات خاصہ میں کسی کو شریک ٹھہراؤ اور نہ کسی عالم اور پیر و فقیر اور پیغمبر کے ساتھ وہ معاملہ کرو جو صرف ربّ قدیر کے ساتھ کیا جانا چاہیے مثلاً کسی کو اس کا بیٹا بنانا یا نصوص شرعیہ سے قطع نظر کر کے محض کسی کے حلال و حرام کر دینے پر ایشیا کی حلت اور حرمت کا مدار رکھنا جیسا کہ :

اِتَّخَذُوا اَحْبَارَهُمْ وَرُهَبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُونِ اللّٰهِ

(سورہ توبہ آیت ۳۱)

کی تفسیر سے ظاہر ہوتا ہے یہ سب امور دعوائے اسلام اور دعوائے توحید کے منافی ہیں۔ (حاشیہ علامہ عثمانی ص ۹۹)

## صحابہ کرام کی طرف سے احترامِ بارگاہِ نبوت

الغرض ان کلماتِ طیبات میں اہل کتاب کو عقیدہ و نظریہ اور عمل و کردار



اور قول و قرار میں یکسانیت پیدا کرنے کی ترغیب دی گئی ہے، اور اپنے زبانی کلامی دعویٰ کو عقیدہ و عمل کے ذریعے کاذب اور جھوٹا قرار دینے سے روکا گیا ہے لیکن اس کا ہرگز ہرگز یہ مطلب نہیں کہ رسول کریم علیہ السلام اور دیگر معظمین کی تعظیم و تکریم شرک ہے اور رب بنانے کے مترادف کیونکہ اس کا خود اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے ”و تعزروه و توقروه“۔ حتیٰ کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حضور بلند آواز سے بات کرنے اور عامیانه انداز میں پکارنے کو ارتداد کی مانند تمام اعمال خیر کی بربادی کا موجب قرار دیا گیا۔ صحابہ کرام آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حضور یوں دم بخود ہو کر بیٹھتے کہ گویا ان کے سروں پر پرندے بیٹھے ہیں کہ ذرا جنبش ہوتی تو اڑ جائیں گے اور بات کرتے تو اتنی آہستہ کہ گویا رازداری کے انداز میں بات کر رہے ہیں اور آپ تھوکنے لگتے تو ہاتھوں پر لیتے اور مونہوں پر مل لیتے۔ وضو کا پانی بطور تبرک لینے کے لیے یوں ٹوٹ پڑتے کہ گمان گزرتا کادوا یقتلون (بخاری شریف) کہ ابھی لڑ پڑیں گے۔ آپ کے لیے مصیٰ خالی کر دیتے اور نماز تہجد میں تھک جانے کے باوجود صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے احترام میں قیام پذیر رہتے۔

(عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ - بخاری شریف)

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہاتھ مبارک اور قدم مقدس چومتے بلکہ آپ کے جسم اطہر سے نکلا ہوا خون پی جاتے اور پیشاب بھی پی جاتے اور ان فضلات کو پاک اور حلال سمجھتے وغیر ذلک۔ تو کیا کوئی مسلمان یہ جرات



کر سکتا ہے کہ صحابہ کرام پر نبی مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو رب بنا لینے کا الزام عائد کرے۔

نیز آپ نے قرآن مجید کے علاوہ بہت سی چیزوں کا حکم دیا یا ان کو حرام اور ممنوع ٹھہرایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:

الَاِیُّ اُوتِیْتُ الْقُرْآنَ وَمِثْلَهُ مَعَهُ - (مشکوٰۃ شریف)

غور سے سنو مجھے قرآن دیا گیا ہے اور اس کی مانند اس کے ساتھ۔ تو کیا ان اشیاء کی تحلیل و تحریم کو من دون اللہ کی تحلیل و تحریم قرار دے دیا جائیگا اور اس نظریہ والوں پر اہل کتاب کی طرح شرک کا فتویٰ لگا دیا جائیگا؟

العیاذ باللہ۔

نیز اگر نبی مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال شریف کے بعد قبر انور کی حاضری کو بھی بُت پرستی قرار دے دیا جائے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو حکم دیا ”من زار قبری وجبت له شفاعتی“ جس نے میری قبر کی زیارت کی اس کے لیے میری شفاعت لازم طور پر مستحق ہوگی۔

قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم من زار قبری بالمدینۃ محتسبا كنت له شفیعاً وشہیداً یوم القیامۃ جس نے مدینہ منورہ میں میری قبر کی زیارت کی محض حصولِ ثواب اور رضاِ الہی کے لیے تو میں قیامت کے دن اس کا شفیع ہوں گا اور اس کے حق میں گواہ بھی۔

قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم من حج فزار قبری بعد



موتی کان کمن زارنی فی حیاتی - (الوفالابن الجوزی ص ۸)  
 جس نے حج کیا پھر میری قبر کی زیارت کی میری وفات کے بعد تو گویا  
 اس نے میری زندگی میں میری زیارت کی۔

من حج البیت ولم یزرنی فقد جفانی

(رواہ ابن عدی بسند حسن - مططاوی ص ۲۲۷)

جس نے حج کیا اور میری زیارت نہ کی تو اس نے مجھ پر جو روستم کیا۔

وغیر ذلک -

تو کیا اس کا یہ مطلب لیا جائے گا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے  
 ہمیں اپنی مزار اقدس کی پوجا اور پرستش کا حکم دیا ہے۔ لہذا یہ امر ضروری  
 ہے کہ حدود شرع میں رہ کر کی جانے والی تعظیم و تکریم اور اللہ تعالیٰ  
 کے ساتھ رسالت و نبوت یا ولایت و محبوبیت والے تعلق کے پیش نظر  
 کیے جانے والے ادب و احترام کو ارباب من دون اللہ بنا لینے کے مترادف  
 قرار نہ دیا جائے اور خواہ مخواہ اہل ایمان اور رسول گرامی علیہ السلام کے  
 مخلص غلاموں کو ابو جہل اور ابولہب بنانے کی مذموم سعی نہ کی جائے بلکہ  
 احکام کی درجہ بندی کو نظر انداز کر کے ہر فعل و عمل کو شرک اور کرنے والے  
 کو مشرک قرار دیتے چلے جانا ظلم عظیم اور مکمل نا انصافی ہے جو علماء تو درگنا  
 عام مسلمان کو بھی زیبا نہیں ہے علی الخصوص جبکہ غیر کافر کو کافر قرار  
 دینے والے اور غیر مشرک کو مشرک قرار دینے والے خود کفر اور شرک کی  
 زد میں آجاتے ہیں اور اس بے جا فتوے کا وبال انہیں پر پڑتا ہے۔



## کلمۃ توحید

(الف) جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوئی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ تلوار پکڑ کر کھڑے ہو گئے اور فرمانے لگے آپ کی ابھی وفات نہیں ہوئی اتنے میں حضرت ابوبکر تشریف لائے اور فرمانے لگے اے عمر سوچ تو لو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ اے نبی آپ بھی فوت ہونے والے ہیں اور یہ مخالف بھی مرنے والے ہیں۔ نیز فرماتا ہے ہم نے آپ سے پہلے کسی بشر کو دوامی زندگی نہیں بخشی۔ اگر آپ فوت ہو جائیں تو آپ کے مخالف بھی دنیا چھوڑ ہی دیں گے۔ پھر منبر پر کھڑے ہوئے اور حمد و ثنا کے بعد فرمایا:

اے لوگو اگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم تمہارے الہ تھے تو بے شک تمہارا الہ فوت ہو گیا ہے اور اگر تمہارا الہ وہ ہے جو آسمانوں میں ہے تو بیشک وہ الہ ہمیشہ رہے گا، کبھی نہیں مرے گا۔ پھر آپ نے یہ آیت پڑھی :

وَمَا مُحَمَّدٌ إِلَّا رَسُولٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ

(سورہ آل عمران آیت ۱۴۴)

کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے رسول ہی تھے ان سے پہلے بھی رسل دنیا سے جا چکے۔

اس صحیح حدیث سے معلوم ہوا کہ نہ مرنا اور ہمیشہ زندہ رہنا صرف الہ کا خاصہ ہے۔ اس صفت میں اگر کوئی شخص حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی خدا کا شریک بنائے تو وہ بھی مشرک ہو جائے گا۔ حضرت ابوبکر کی



نظرِ بصیرت اور دُور رس نگاہ اس کو تاڑ گئی کہ لوگوں کے اس طرح کہنے سے توحید پر ضربِ کاری لگتی ہے اور خاصہ خُداوندی میں، آپ کو شریک کرنا لازم آتا ہے۔ بالفاظِ دیگر آپ کو اللہ بنانا پڑتا ہے۔ اس لیے بوقت انہوں نے اس عقیدہ کا قلع قمع کر دیا اور اُمت کو ایک بڑے فتنے سے بچالیا۔

(گلدستہ صفحہ ۲۶-۲۷)

## گلشنِ توحید و رسالت

علامہ سرفراز کی بارگاہِ فاروقی میں گستاخی

علامہ سرفراز صاحب نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے فرمان کو خواہ مخواہ فتنہ کا موجب قرار دے دیا اور ان کو بصیرت و فراست سے محروم قرار دے ڈالا حالانکہ بیعت الرضوان جس درخت کے نیچے ہوتی تھی اس کو کٹوانا آپ کے نزدیک حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی بہت بڑی فراست تھی۔ حالانکہ حضرت صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنے دورِ خلافت میں اس کو نہیں کٹوایا تھا۔ علاوہ ازیں صحابہ کرام علیہم الرضوان میں سے کسی کا بھی یہ عقیدہ نہیں تھا کہ آپ قیامت کے قیام کی صورت میں بھی فوت نہیں ہوں گے اور اس وقت تک زندہ رہنا اگر اللہ بنانے کے مترادف ہے تو علامہ صاحب ملائکہ اور ابلیس کو قیامت تک زندہ مان کر اس جرم اور بدعقیدگی کے مرتکب ہو چکے ہیں لہذا انہیں اپنے ایمان کی خبر لینی چاہیے اور اس شرکیہ عقیدہ سے خلاصی کی کوئی سبیل نکالنی چاہیے یعنی یا ابھی ان کی موت کا قول کریں



اور یا تسلیم کریں کہ اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ اس قدر طویل زندگی سے شرک لازم نہیں آتا اور ان کی بھلائی اسی شق کے اختیار کرنے میں ہے پہلی شق اختیار کرنے پر مزید کفریات کا ارتکاب لازم آئے گا اور دارِ آخرت میں سب اہل جنت اور اہل دوزخ کے لیے حیاتِ ابد نہ مانیں تو کفر اور مانیں تو شرک، نعوذ باللہ من سور الفہم۔

نیز اللہ تعالیٰ ہر نبی کو بیماری کے دوران مرنے اور نہ مرنے میں با اختیار ٹھہراتا ہے۔ کما قال النبی علیہ السلام :

ما من نبی یمرض الا خیر بین الدنیا والآخرۃ

( مستفق علیہ مشکوٰۃ باب فوات النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم )

یہ تو نبی علیہ السلام کی مہربانی کہ وفات اور دارِ آخرت کی طرف انتقال اختیار کر کے اُمت کو اس عظیم فتنہ سے بچا لیتے ہے ورنہ بقول گھڑوی صاحب اللہ تعالیٰ نے تو ان کو شرک کے عمیق گڑھے میں گرانے کا سامان کر ہی دیا اور ہر نبی کے وقت موت میں اس عمل کو دہرایا۔ کاش حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی آسمانوں پر نہ جاتے اور اتنی لمبی عمر قبول نہ کرتے کیونکہ علامہ صاحب کے نظریہ کے مطابق انہوں نے اُمت کو شرک والے فتنہ میں مبتلا کر دیا۔ کتنے افسوس کا مقام ہے کہ اپنے زعمِ فاسد کا اثبات ہی پیش نظر کھا گیا ہے اور دیگر مفاسد سے کلیتہً صرف نظر کر لیا گیا اور اتنی عظیم المرتبت ہستیوں پر ایسے بے بنیاد الزامات اور اتہامات عائد کرنے میں کوئی شرم محسوس نہیں کی گئی۔



رسول معظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تو فرمادیں :  
انی لست اخشی علیکم ان تشرکوا بعدی  
ولکن اخشی علیکم الدنیا ان تنافسوا فیہا  
(متفق علیہ باب وفات النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)

میں تم پر اپنے بعد مشرک ہو جانے کا خوف و خطر اور اندیشہ نہیں رکھتا  
لیکن مجھے یہ فکر و امانگیر ہے کہ تم دنیا کے مال و دولت اور زیبائش و آرائش  
میں رغبت کرنے لگو گے۔ لیکن علامہ صاحب کو تابعین اور تبع تابعین ہی نہیں  
خود صحابہ کرام علیہم الرضوان اس دلدل میں پھنسنے نظر آ رہے ہیں اور بالخصوص  
حضرت عمر رضی اللہ عنہ جن کو آپ نے دین کی سر بلندی کے لیے اللہ تعالیٰ سے  
مانگ کر لیا اور عرض کیا :

اللَّهُمَّ اعز الاسلام بعمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ۔

(مشکوٰۃ باب الفضائل)

## ارشاد فاروقی کا صحیح محل

بلکہ حقیقت حال یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ خیال فرمایا کہ  
نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اسی طرح کی مدہوشی طاری ہوئی ہے اور  
حالت جذب و سکر جس طرح کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر تجلی الہی کے موقعہ  
پر سر طور طاری ہوتی تھی اور ابھی منافقین وغیرہ کا صفایا نہیں ہوا تھا لہذا  
امیدوار تھے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو ان کے خاتمہ تک کم از کم ضرور برقرار



رکھے گا اور منافقین چونکہ اہل اسلام کو پریشان کرنے کے لیے مختلف باتیں بناتے رہتے تھے تو یہ بھی خیال فرمایا کہ وہ اس افواہ کے ذریعے اہل اسلام کو بد دل اور پر اگندہ خاطر کریں گے اور تازہ تازہ حلقہ اسلام میں داخل ہونے والوں کے لیے برگشتہ ہو جانے کا اندیشہ بھی موجود تھا جیسے کہ اُحد کی جنگ میں آپ کی شہادت کی جھوٹی افواہ پر اکثر صحابہ کرام میں بددلی اور ضعف و ناتوانی کی لہر دوڑ گئی اور منافقین نے کہنا شروع کر دیا :

لوکان نبیاً ما قتل کما اخرجہ - (ابن جریر و ابن ابی حاتم)  
اگر یہ نبی ہوتے تو قتل نہ ہوتے۔

اور بعض نے یہ منادی کر دی کہ :

قد قتل محمد فالحقوا بدینکم الاول -

محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) قتل ہو چکے لہذا اپنے پہلے دین کی طرف مائل ہو

جاؤ۔ وغیر ذلک من الاقوال تفسیر درمنثور جلد ثانی ص ۸۱ -

تو اس وقت بھی خبرِ وفات پر اسی قسم کی صورتِ حال بلکہ اس سے بھی بڑھ کر منافقین کی طرف سے دسوسہ اندازی کا اندیشہ تھا اور خبرِ وفات کا وثوق بھی نہیں تھا لہذا آپ نے سخت رویہ اپنایا اور اس خبر کو سختی سے دبایا لیکن حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے پہلے تحقیق فرمائی اور اس تحقیق میں ان کے لیے کوئی رکاوٹ بھی نہیں تھی کیونکہ ان کی اپنی صاحبزادی محترمہ کے گھر میں ہی یہ واقعہ ہانکہ اور حادثہ فاجعہ واقع ہوا تھا اور اس کے بعد لوگوں کو صحیح صورتِ حال سے آگاہ کرنا بھی ضروری سمجھا اور دینِ اسلام



پر ثابت قدم رکھنے کے لیے اور منافقین کی چال اور مکر کو بے اثر کرنے کے لیے اور یہ بتلانے کے لیے کہ سنت الہیہ پہلے سے یہی ہے کہ کوئی رسول ہمیشہ اپنی امت میں نہیں رہا اور اللہ تعالیٰ نے آپ کے لیے وفات وصال اور موت و انتقال کے جواز و امکان کو پہلے ہی جنگِ احد کے موقع پر یہ آیاتِ کریمہ نازل فرما کر واضح کر دیا تھا تو آپ نے بتلا دیا کہ اس جواز و امکان نے اب فعلیت اور وقوع و تحقق کی صورت اختیار کر لی ہے لہذا اپنے دین اور مذہب، ایمان و اسلام پر ثابت قدم رہو۔ اس میں کسی قسم کی لغزش اور کمزوری کو راہ نہ دو کیونکہ نبی مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمہیں اللہ تعالیٰ کی راہ دکھلانے، کتاب اللہ کی تعلیم دینے اور دستورِ حیات اور منشورِ زلیست دینے کے لیے تشریف لائے تھے اور وہ دین مکمل طور پر تمہارے پاس موجود ہے، لہذا اس کو مضبوطی سے سینے کے ساتھ لگاؤ۔

وَمَنْ يَنْقَلِبْ عَلَىٰ عَقْبَيْهِ فَلَنُيَضِّرَنَّ اللَّهُ شَيْئًا

(سورہ آل عمران آیت ۱۴۴)

اور اگر کوئی برگشتہ ہو بھی گیا تو وہ اپنا ہی نقصان کرے گا۔ اللہ تعالیٰ کو اس سے کیا ضرر پہنچ سکتا ہے!

وَسَيَجْزِي اللَّهُ الشَّاكِرِينَ ۝ (آل عمران آیت ۱۴۴)

اور دین پر ثابت قدم رہنے والوں کو اللہ تعالیٰ جزاِ خیر عطا فرمائے گا۔ علامہ شبیر احمد عثمانی نے فرمایا:

اس آیتِ کریمہ میں اشارہ نکلتا ہے کہ آنحضرت کی وفات پر بعض لوگ



دین سے پھر جائیں گے اور جو قائم رہیں گے ان کو بڑا ثواب ملے گا اسی طرح  
ہوا کہ بہت لوگ آنحضرت کے وصال شریف کے بعد مرتد ہو گئے۔ حضرت  
صدیق اکبر نے ان کو مسلمان کیا اور بعض مارے گئے۔ (ص ۱۱۸)

نیز جو لفظ اس وقت حضرت صدیق اکبر نے کہے تھے اسی قسم کے الفاظ  
حضرت انس بن نضر رضی اللہ عنہ نے اس وقت کہے تھے جب شیطان نے آواز  
دیا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) قتل ہو گئے ہیں حتیٰ کہ بعض صحابہ کرام نے ہتھیار  
پھینک دیئے اور کہا اب لڑنے اور جنگ کرنے کا کیا فائدہ تو انہوں نے دلیری  
اور جرات دلاتے ہوئے کہا:

يا قوم ان كان قتل محمد فان رب محمد لم يقتل وما  
تصنعون باحیوة بعد رسول الله صلى الله عليه وسلم  
فقاتلوا على ما قاتل عليه رسول الله وموتوا على امامات  
عليه رسول الله صلى الله عليه وسلم -

(معالم ص ۳۵۸ ج ۱ دکنانی درمنثور ص ۸ ج ۲)

اے میری قوم اگر محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) قتل ہو گئے ہیں تو رب محمد  
تو قتل نہیں ہوا۔ رسول معظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شہادت کے بعد زندہ رہنے  
کا کیا فائدہ؟ تم بھی جہاد کرو اسی دین کے لیے جس کے لیے آپ نے جہاد و  
قتال کیا اور تمہاری موت بھی اسی دین پر ہونی چاہیے جس پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم  
نے زندگی قربان کی۔

الغرض جس طرح حضرت انس بن نضر رضی اللہ عنہ کا مقصد دین اسلام

لے جل جلالہ و صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم۔ رضی اللہ عنہ۔



پر ثابت قدمی کی ترغیب دینا تھا اور بُزدلی اور بدحوصلگی سے بچانا پیش نظر تھا۔ اسی طرح حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا بھی یہی مقصد تھا نہ وہ جو علامہ صاحب نے کشید کیا اور دُور کی کوڑی لائے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر بہتان تراشا اور افتراء پر دازی سے کام لیا۔

## گلدستہ توحید

(ب) ایک شخص نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے کہا مَا شَاءَ اللَّهُ وَشِئْتُ جَوْ خُذًا كُو مَنْظُورٌ هُوَ كَا وَهُ كَرَّے كَا اور آپ کریں گے تو آپ نے فرمایا کیا تُو نے مَحْبَّے خُذًا تَعَالَى كَا شَرِكٌ بِنَا لِيَا هَے بَلْكَ یُؤں كُو مَا شَاءَ اللَّهُ وَحَدَهْ جَوْ خُذًا تَعَالَى وَحَدَهْ لَا شَرِكٌ لَهْ كُو مَنْظُورٌ هُوَ كَا وَهَى كَرَّے كَا۔

(ادب المفرد ص ۱۰۱ - مسند امام احمد وغیرہ)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی شخص مشیت میں جناب محمد رسول اللہ کو شریک کرے گا تو وہ بھی مشرک ہو جائے گا۔

(ج) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تم یہ نہ کہا کرو کہ جو خُذًا چاہے گا اور مُحَمَّدٌ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ چاہیں گے بلکہ یوں کہا کرو جو خُذًا تَعَالَى اکیلا چاہے گا وہی ہوگا۔

(د) بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تعیم کے الفاظ بھی استعمال فرمائے یہ نہ کہا کرو کہ جو خُذًا چاہے گا اور فِلاں چاہے گا بلکہ یوں کہا کرو — جو خُذًا وَتَد تَعَالَى اکیلا چاہے گا۔

لَهْ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔



ان احادیث سے معلوم ہوا کہ کوئی شخص مشیتِ خداوندی میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یا کسی دوسری ذات یا ہستی کو شریک ٹھہرائے گا تو وہ کافر اور مشرک ہو جائے گا۔ (ص ۲۸)

## گلشنِ توحید و رسالت

شُرک کی موہم عبارت سے روکنا از قبیل تاویب و تربیت ہے نہ کہ حقیقی شرک قرار دینا ہے علامہ صاحب نے بلا وجہ اس بحث کو طوالت دی ہے اور جو حکم کشید کیا ہے وہ بھی سراسر غلط ہے کیونکہ کہنے والا صحابی رسول تھا اور وہ یقیناً مقام الوہیت اور مقام نبوت کے فرق کو سمجھتا تھا لہذا وہ اس مشیت میں جو صفتِ باری تعالیٰ ہے اور جس سے مقصود و مطلوب کا تخلف محال ہوتا ہے، اس میں کیونکر رسولِ معظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو شریک کر سکتا تھا! البتہ ظاہری طور پر اندازِ کلام اور اسلوبِ بیان سے اس امر کا توہم ہوتا تھا اس لیے از راہِ تربیت و تعلیم بتلایا کہ اس طرح کہنا مناسب نہیں ہے اور مزید اہتمام کے ساتھ بیان کرنے کے لیے ظاہری اشتباہ کو سامنے رکھتے ہوئے بطور استفہام انکاری فرما دیا اجعلتنی للہ نذاً کیا تو نے مجھے اللہ تعالیٰ کا شریک بنا لیا ہے اور یہ سراسر مجازی اطلاق ہے اور تشبیہ کے طور پر ہے جس طرح کہ کفار قریش نے ایک درختِ اسلمہ کے لٹکانے کے لیے مقرر کیا ہوا تھا جس کو ذاتِ "انواط" کہتے تھے تو صحابہ کرام علیہم الرضوان نے بھی عرض کر دیا یا رسول اللہ! ہمارے لیے بھی ذاتِ انواط مقرر کر دیجیے جیسے کہ ان کے لیے ہے، تو

صلى الله عليه وآله وسلم۔



آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا :

هَذَا كَمَا قَالَ قَوْمُ مُوسَى اجْعَلْ لَنَا إِلَهًا كَمَا لَهُمْ آلِهَةٌ  
یہ تو ایسے ہے جیسے موسیٰ علیہ السلام کی قوم نے کہا تھا کہ ہمارے لیے  
بھی ایسا معبود تجویز کر دو جیسے کہ ان بت پرستوں کا ہے۔

علامہ شبیر احمد عثمانی فرماتے ہیں کیا کوئی مسلمان اس تشبیہ کو سن کر یہ گمان  
کر سکتا ہے کہ صحابہ کرام نے معاذ اللہ بت پرستی کی درخواست کی تھی۔ اس  
طرح کی تشبیہات سے نصوص محکمہ اور اجماع اُمت کے مخالف عقائد پر تمسک  
کرنا صرف اس جماعت کا حصہ ہو سکتا ہے جن کی نسبت یہ ارشاد ہوا :

الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ زَيْغٌ فَيَتَّبِعُونَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَاءَ  
الْفِتْنَةِ وَابْتِغَاءَ تَأْوِيلِهِ - (حاشیہ ص ۲۲۴)

لہذا سرفراز صاحب کو اہل زینغ کی اتباع نہیں کرنی چاہیے اور علامہ  
عثمانی کی نصیحت و وصیت پر ضرور عمل کرنا چاہیے اور فتنہ پردازی، اور  
رخنہ اندازی سے گریز کرنا چاہیے۔

## کیا مقارنتِ فکری موجبِ شرک ہے؟

نیز دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا صرف مشیت میں واؤ کیساتھ عطف  
ہو تو آپ کا شریک ہونا لازم آئے گا دیگر صفات اور افعال میں اس طرح  
کے عطف سے فساد اور خرابی لازم نہیں آئے گی؟ صحابہ کرام علیہم الرضوان کا  
بطور تو اثر یہ معمول ثابت ہے کہ وہ ہر محضی اور غیر ظاہر معاملہ کے استفسار پر



عرض کرتے تھے۔

(۱) اللہ ورسولہ اعلم تو کیا صفت علم میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے شریک ہیں؟ اور یہ شرک قابل قبول ہے؟ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

(۲) وَقُلْ اَعْمَلُوا فِى سَبِيْلِ اللّٰهِ عَمَلِكُمْ وَرَسُوْلُهُ (سورہ توبہ آیت ۱۰۵)

تو کیا اعمال عباد کو دیکھنے میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شرکت اور برابری کا عقیدہ رکھنا صحیح ہے۔

(۳) وَلَوْ اَنَّهٗمْ رَضُوْا مَا اتَّهَمُوْا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهُ وَقَالُوْا حَسْبُنَا

اللّٰهُ سَيُوْتِنَا اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهِ وَرَسُوْلُهُ (سورہ توبہ آیت ۵۹)

کاش کہ وہ راضی ہو جاتے اس پر جو دیا انہیں اللہ تعالیٰ نے اور اس کے رسول نے اور کہتے ہمیں اللہ کافی ہے عنقریب ہمیں اللہ دیگا اپنے فضل سے اور اس کا رسول۔ تو کیا داد و دہش میں اور عطا و بخشش میں اللہ تعالیٰ اور رسول معظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی برابری کا عقیدہ درست ہے؟ اور یہ شرک قابل عفو ہے؟

(۴) وَمَا نَفَعُوْا اِلَّا اَنْ اَغْنٰهُمْ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهُ مِنْ فَضْلِهٖ

(سورہ توبہ آیت ۷۲)

اور یہ سب کچھ بدلہ تھا اس کا کہ غنی کر دیا ان کو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول نے اپنے فضل سے۔ کیا فعل اغنا یعنی غنی کرنے میں اللہ تعالیٰ

اور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام برابر کے حصّہ دار ہیں؟

(۵) وَاِذْ تَقُوْلُ لِلَّذِيْ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَاَنْعَمْتَ عَلَيْهِ



اَمْسِكْ عَلَيْكَ زَوْجَكَ

(سورہ احزاب ۳۷)

جب کہ تم کہتے تھے اسے جس پر اللہ تعالیٰ نے انعام کیا اور تم نے انعام کیا روک اپنے اوپر اپنی بیوی کو تو کیا حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ پر اللہ تعالیٰ اور نبی مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا انعام ایک جیسا تھا اور اس میں مساوات تسلیم کرنا صحیح اور درست ہے؟ کیا اس مقارنت سے شرک لازم نہیں آتا؟

(۶) نیز اسی مضمون کی حدیث میں یہ ادب اور طریقہ بھی خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے بتلایا گیا کہ اگر کسی غیر کی طرف بھی مشیت کی نسبت کرنی ہو تو یوں کہہ دیا کرو مَا شَاءَ اللّٰهُ ثُمَّ مَا شَاءَ فُلَانٌ -

(ابن ماجہ، ابوداؤد، نسائی بروایت حذیفہ بن بیان رضی اللہ عنہ۔ تفسیر عزیزی ص ۱۲۸)

جو اللہ تعالیٰ نے چاہا اور پھر فلاں نے چاہا تو کیا یہاں بھی اللہ تعالیٰ کی ذاتی صفت مشیت میں اشتراک ثابت نہیں کیا گیا؟ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ فرق تو خود قائل کے ذہن میں تھا ہی اس فرق کے اظہار کا اسلوب و انداز بتلایا گیا کہ واو کی بجائے ثم کا لفظ استعمال کرو جو تراخی رتبی اور فرق مراتب کو واضح کر دے گا گو فعل مشیت میں شرکت پائی بھی جائے۔

حدیث مبارک میں ایک فرشتے کا ابرص اور گنچے اور انڈھے کے پاس آنے اور ان کو دُعائے برکت دے کر اُونٹنیاں، گائیں اور بھیڑ بکریوں کی بھری وادیاں حاصل ہو جانے کا تذکرہ ہے اور پھر بطور امتحان ان کے پاس آکر محتاج و فقیر کا روپ دھار کر سوال کرنے کا تذکرہ ہے جس میں اس نے



اندازِ سوال یہ اختیار کیا لا بلاغ لی اِلَّا بِاللّٰهِ ثُمَّ بَكَ - میرے لیے منزلِ مقصود تک رسائی کی کوئی صورت نہیں مگر اللہ تعالیٰ کی امداد و اعانت کے ساتھ اور پھر تیری امداد و اعانت کے ساتھ -

(مشکوٰۃ باب الاتفاق و کراہیۃ الامساک)

تو کیا اللہ تعالیٰ اور بندے کی امداد و اعانت یکساں ہے؟ ہرگز نہیں لیکن واو کی بجائے ثم کا لفظ ذکر کر دیا اور وہ بھی معصوم فرشتے نے تو اب دونوں کی طرف نسبت صحیح ہو گئی کیونکہ گو امداد و اعانت میں شرکت ثابت کی گئی ہے لیکن تفاوت رہی پر بھی تشبیہ کر دی گئی ہے۔

الغرض یہاں پر زیادہ سے زیادہ خلافِ اولیٰ اور خلافِ نسب والی صورت ہے مگر شارع علیہ السلام نے ظاہری تشابہ کے پیشِ نظر اس کو ممنوع ٹھہرایا اور یہ نہی تحریم کے لیے بھی نہیں ہو سکتی چہ جائیکہ اس سے کفر و شرک ثابت کر دیا جائے جیسے کہ مذکور بالا نصوص میں بطورِ عطف اللہ تعالیٰ کے افعال اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے افعال کو ذکر کیا گیا بلکہ بعض جگہ ایک ہی فعل اور صفت میں دونوں مقدّس ذاتوں کی شرکت بطورِ عطف پائی گئی ہے مثلاً قولِ باری تعالیٰ :

وَسَيَرَى اللّٰهُ عَمَلَكُمْ وَرَسُولَهُ (سورہ التوبہ آیت ۱۰۵)

میں رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اعمالِ عباد پر نظر رکھنے اور ان کے دیکھنے میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ شامل کیا گیا ہے بلکہ دوسری آیتِ کریمہ میں مومنین کو بھی ساتھ شامل کیا گیا ہے۔ کما قال تعالیٰ :



قُلْ أَعْمَلُوا فِى سَبِيْلِ اللّٰهِ عَمَلَكُمْ وَرِسُوْلُهُ وَالْمَوْءُْمِنُوْنَ ط

(سُورَةُ تَوْبَةِ آيَةِ ۱۰۵)

اسی طرح صحابہ کرام علیہم الرضوان حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے بالعموم غیر ظاہر حکمت والے امور کے بارے میں استفسار پر اللہ ورسولہ اعلم کہتے اور دونوں مقدّس ذاتوں کے لیے ایک ہی صفت اعلم والی ذکر کرتے تو کیا ان تمام صورتوں میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریکت اور مساوات لازم آسکتی ہے اور اگر نہیں اور یقیناً نہیں تو یہاں پر ما شاء اللہ کے جملہ پر ما شاء فلاں کے جملہ کے عطف سے شریکت اور برابری کیسے لازم آسکتی ہے ؟

اگر یہ عذر پیش کیا جائے کہ انعام اور ایثار اور علم و رویت وغیرہ افعال و صفات تو رسول معظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں بھی ثابت ہیں لہذا بطور عطف ذکر کرنا صحیح ہے تو یہ عذر بالکل غلط ہے کیونکہ مشیت ارادہ والی صفت بھی رسول معظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور مومنین و کفار میں موجود ہے۔  
قال تعالیٰ :

مِنْكُمْ مَّنْ يُرِيْدُ الدُّنْيَا وَمِنْكُمْ مَّنْ يُرِيْدُ الْآخِرَةَ ۚ

(سُورَةُ آلِ عِمْرَانَ آيَةِ ۱۵۲)

وقال تعالیٰ :

مَنْ شَاءَ فَلْيُؤْمِنْ وَمَنْ شَاءَ فَلْيُكْفِرْ وَغَيْرِ ذٰلِكَ مِنْ آيَاتِ -

بلکہ حقیقت حال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت انسان کو اپنی صفات



کے مظہر کے طور پر پیدا فرمایا لہذا ہر انسان بالعموم اس کی صفات کا مظہر ہے اور کاملین و اکملین بالخصوص سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کی صفات کے مظاہر کاملین ہیں تو ان میں صفت مشیت اکمل طریقہ پر پائی جانی ضروری ہے لہذا مشیت و ارادہ اور دیگر صفات میں فرق کرنا سراسر تحکم اور سینہ زوری ہے اور اس صورت کو کفر و شرک قرار دینا سراسر ظلم اور عدوان ہے۔

## گلدستہ توحید

اللہ تعالیٰ پیغمبروں کا منصب بتلاتے ہوئے ارشاد فرماتا ہے:

مَا كَانَ لِبَشَرٍ أَنْ يُؤْتِيَهُ اللَّهُ الْكِتَابَ وَالْحُكْمَ  
وَالنَّبُوَّةَ مِنْهُ يَقُولُ لِلنَّاسِ كُونُوا عِبَادًا لِي مِنْ  
دُونِ اللَّهِ ۝ وَلَا يَأْمُرُكُمْ أَنْ تَتَّخِذُوا الْمَلَائِكَةَ  
وَالنَّبِيِّنَ أَرْبَابًا ۚ أَيَأْمُرُكُمْ بِالْكُفْرِ بَعْدَ إِذْ  
أَنْتُمْ مُسْلِمُونَ ۝

(سورہ آل عمران آیت ۷۹ - ۸۰)

کسی بشر کا کام نہیں کہ اللہ تعالیٰ دیوے اس کو کتاب اور حکمت اور پیغمبر کرے پھر وہ کہے لوگوں کو کہ تم میرے بندے بن جاؤ اللہ کے سوا لیکن یوں کہے کہ تم اللہ والے ہو جاؤ جیسے کہ تم سکھلاتے تھے کتاب اور جیسے کہ تم آپ بھی پڑھتے تھے اسے۔ اور نبی تم کو حکم نہ کرے گا



اس بات کا کہ ٹھہرا لو تم فرشتوں کو اور نبیوں کو رب کیا وہ تم کو کفر سکھائیگا  
بعد اس کے کہ تم مسلمان ہو۔

اس آیت سے بھی معلوم ہوا کہ فرشتوں اور نبیوں کو بھی رب بنانے  
کی وجہ سے بندہ کافر ہو جاتا ہے۔ (ص ۳۹)

## گلشن توحید و رسالت

علامہ سرفراز صاحب پتہ نہیں اس قدر طوالت کے درپے کیوں  
ہیں اور ایک مسلم اور غیر متنازعہ امر پر متعدد دلائل دینے کی نہیں ضرورت  
کیوں پیش آرہی ہے۔ اس میں کس مسلمان کا اختلاف ہو سکتا ہے کہ  
ربّ العالمین ایک ہی ہے۔ نعمتوں کا مالک بھی وہی ہے اور معطی بھی ہے  
ہاں کسی کو قاسم بنا دے تو اس کے ہاتھ روکنے والا بھی کوئی نہیں۔

قال اللہ تعالیٰ :

إِنَّا أَعْطَيْنَاكَ الْكَوْثَرَ ۝

(سورہ کوثر آیت ۱)

اور اس کی تفسیر میں سیدنا عبداللہ بن عباس جو کہ مفسر صحابہ اور جبر امت  
ہیں وہ فرماتے ہیں، الْكَوْثَرُ هُوَ الْخَيْرُ الْكَثِيرُ كُلُّهُ کہ لفظ کوثر میں تمام تر  
خیرات و انعامات اور فضائل و فوائد اور صفات کمال اور اخلاق عالیہ اور  
خزائن علوم اور کنوز اموال داخل ہیں۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے  
فرمایا بَيْنَا اَنَا نَائِمٌ اِذَا وُتِّتَ بِمَفَاتِيحِ خَزَائِنِ الْاَرْضِ فَوَضَعَتْ  
فِي يَدِي۔ (بخاری شریف ص ۱۰۳ ج ۲) اِنِّي اَعْطَيْتُ مَفَاتِيحِ خَزَائِنِ الْاَرْضِ  
(ص ۵۸۵ - ۹۵۱ - ۹۷۵ ج ۲)



اور وفات میں ابن جوزی علیہ الرحمہ نے یوں حدیث نقل فرمائی ہے :

او تیت مقالید الدنیا ( الوفاہ ص ۳۷۴ )

علامہ زرقانی نے شرح مواہب اور علامہ نہبانی نے حجة اللہ علی العالمین<sup>۳</sup> پر فرمایا رواہ احمد و ابن حبان والاضیاء المقدسی برجال الصحیح یعنی اس روایت کو امام احمد اور ابن حبان اور ضیاء مقدسی نے امام بخاری کے بخاری والے رجال پر مشتمل سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔

گویا زمینوں آسمانوں کے خزان اللہ تعالیٰ نے محبوب کریم علیہ السلام کے ہاتھ میں دیتے اور آخرت کے خزان بھی اللہ تعالیٰ آپ کے دستِ کرم میں دے کر سب کو آپ کا محتاج اور دستِ نگر بنا دے گا۔

(الکرامۃ والمفاتح یومئذ بیدی رواہ الترمذی والدارمی مشکوٰۃ باب فضائل سید المرسلین)

اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان یہ ہے :

انما انا قاسم واللہ يعطی - (بخاری شریف ص ۱۶ ج ۱)

اللہ تعالیٰ ہر نعمت مجھے عطا کرتا ہے اور میں اس کو تقسیم کرتا ہوں۔

ماں باپ کی تربیت اولاد تک محدود ہوتی ہے۔ قال تعالیٰ :

قُلْ رَبِّ اَرْحَمُهُمَا كَمَا رَبَّيْنِي صَغِيرًا ۝

(سورہ بنی اسرائیل آیت ۲۲)

کیے اے اللہ میرے والدین پر رحم فرما جس طرح کہ انہوں نے بچپن میں میری تربیت کی (اور مجھ پر رحمت کی) لیکن نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تربیت کا دائرہ اس قدر وسیع کہ صرف اُمّت ہی نہیں کوئین اس میں



داخل بلکہ اولین و آخرین کو بھی شامل اور رزق مادی اور روحانی بلکہ ایمان و اسلام اور ولایت و محبوبیت اور خلافت و نیابتِ خداوندی کا فیضان بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ کے توسط اور توسل سے ہوا اور ہو رہا ہے اور ہوتا ہے گا۔ تو اگر ماں باپ کے لیے اُف کرنا حرام ہو اور زبرد تو بیخ ناجائز اور نرم اور دھیمے لہجے میں بات کرنا لازم ہو، کما قال تعالیٰ:

فَلَا تَقُلْ لَهُمَا أُفٍّ وَلَا تَنْهَرَهُمَا وَقُلْ لَهُمَا قَوْلًا كَرِيمًا ۝

(سورہ بنی اسرائیل آیت ۲۳)

تو ایسی مقدس ہستی اور محسن و منعم ہستی کا ادب و احترام اور تعظیم و تکریم بطریقِ اولیٰ لازم و ضروری ہوگی۔ اور ان کی غلامی و نیاز مندی عین ایمان بلکہ جانِ ایمان ہوگی۔ اس کو عقیدہ ربوبیت قرار دیکر شرک و کفر کے فتوے لگانا اور غلامانِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مشرک اور کافر قرار دینا سراسر ظلم ہے۔

حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک انبیاء علیہم السلام کے لیے تعظیمی سجدہ روارہا اور وہ کرتے کرتے رہے تو کیا وہ سارے رب بنے رہے اور سجدہ کرنے والے مشرک اور کافر بنتے رہے۔ علامہ شبیر احمد عثمانی قول باری تعالیٰ خروالہ سجداً کے تحت اپنے حاشیہ میں فرماتے ہیں:

اس وقت کے دستور کے مطابق ماں باپ اور سب بھائی حضرت یوسف کے آگے سجدہ میں گر پڑے یہ سجدہ تعظیمی تھا جو بقول حافظ عماد الدین ابن کثیر لہ علیہ السلام۔



حضرت آدم علیہ السلام کے زمانہ سے حضرت مسیح علیہ السلام کے عہد تک جائز رہا البتہ شریعتِ محمدیہ نے ممنوع و حرام قرار دیا۔ (ص ۲۲۶) جبکہ بتوں کے لیے سجدہ کو یہ سبھی حضرات شرک قرار دیتے تھے اور اس سے سختی کے ساتھ منع کرتے تھے۔

جبکہ ہمارے اکابرین علماء کرام سرورِ انبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے سجدہ تعظیمی کی حرمت کے قائل ہیں اور دیگر معظمین کے لیے بھی حرام ہونے کے قائل اور معترف ہیں اور کسی بزرگ کی قبر کو کیا جاتے یا تصویر کو اسے بھی ممنوع اور حرام قرار دیتے ہیں پھر رب ماننے کے طعنے دینا اور مشرک و کافر کے فتوے لگانا سراسر ظلم نہیں تو اور کیا ہے؟ صرف ہم پر ظلم نہیں تو اور کیا ہے؟ صرف ہم پر ظلم نہیں بلکہ فتویٰ لگانے والے اپنی جان پر ہی ظلم کر رہے ہیں۔ کیونکہ غیر کفر کو کفر قرار دینا خود صاحب شرع بننے کے مترادف ہے۔

## تعظیم اور عبادت میں فرق

علامہ عثمانی صاحب فرماتے ہیں :

تعظیم اور عبادت دو الگ الگ چیزیں ہیں۔ غیر اللہ کی تعظیم کلیتہً ممنوع نہیں ہے۔ البتہ غیر اللہ کی عبادت شرکِ جلی ہے جس کی اجازت ایک لمحہ کے لیے بھی کبھی نہیں ہوتی اور نہ ہو سکتی ہے۔ ”سجود عبادت“ یعنی غیر اللہ کو کسی درجہ میں نفع و ضرر کا مستقل مالک سمجھ کر سجدہ کرنا شرکِ جلی ہے جس کی اجازت کبھی کسی ملتِ سماویہ میں نہیں ہوتی لیکن سجود تعظیم یعنی عقیدہ



مذکورہ بالا سے خالی ہو کر محض تعظیم و تکریم کے طور پر سر بسجود ہونا شریعت سابقہ میں جائز تھا۔ شریعتِ محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام نے اس کی بھی جڑ کاٹ دی۔ (۲۲۶)

اور قبل ازیں بھی عرض کیا جا چکا ہے کہ احکام کی درجہ بندی کو ملحوظ رکھنا ہر ایک کے لیے لازم ہے۔ مکروہ تنزیہ کو حرام کہہ دینا یا حرام کو کفر کہہ دینا سراسر غلط ہے اور نئی شریعت ایجاد کرنے کے مترادف لہذا اگر کوئی شخص از روئے جہالت تعظیمی سجدہ بھی کرے خواہ کسی زندہ بزرگ کو یا کسی کی مزار کو تو اس کو مرتکب حرام تو قرار دیں لیکن بالکل ہی اترہ اسلام سے خارج کر کے ابو جہل اور ابولہب نہ بنا ڈالیں!

## آیتِ کریمہ کا حقیقی مفہوم

علامہ صاحب کی ذکر کردہ آیت مبارکہ کا شان نزول اور پس منظر یہ تھا کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وفدِ نجران کے عیسائیوں اور اجباریہود کو اسلام قبول کرنے اور حلقہ غلامی میں داخل ہونے کے لیے فرمایا تو انہوں نے کہا:

أترید یا محمد ان نعبدک كما یعبد النصارى

عیسائی بن مریم -

اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کیا تمہارا یہ ارادہ ہے کہ ہم تمہاری عبادت کریں جیسے کہ نصاریٰ حضرت عیسیٰ بن مریم کی کرتے ہیں تو آپ نے فرمایا



معاذ اللہ ان تعبد غیر اللہ - ما بذلک بعثنی وما

بذلک امرنی - (تفسیر درمثور جلد ثانی صفحہ ۴۶)

پناہ بخدا کہ ہم خود غیر اللہ کی عبادت کریں یا کسی کو غیر اللہ کی عبادت کا حکم دیں۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے نہ اس کے ساتھ مبعوث فرمایا ہے اور نہ ایسے کام کا حکم دیا ہے۔ اور قبل ازیں تعظیم اور عبادت میں باہمی فرق بیان ہو چکا لہذا اس آیت کریمہ میں بھی غیر اللہ کی عبادت پر دو قدح اور عترتیں و انکار کا بیان ہے اور نبی مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرمان و بیان کی مکمل تائید و تصدیق ہے۔ اس میں انبیاء علیہم السلام کی تعظیم اور اولیاء کرام علیہم الرضوان کی تکریم کو غیر اللہ کی عبادت قرار دیکر مشرک کے فتوے لگانے والوں کیلئے تمسک و استدلال کی قطعاً کوئی گنجائش نہیں ہے۔

انبیاء و رسل علیہم السلام کی اتباع و اقتدار تعظیم و تکریم کا لزوم و وجوب

نیز نبی مکرم علیہ السلام نے اس حدیث میں اپنا منصب بیان فرمایا اور اللہ تعالیٰ نے ان کی تصدیق فرماتے ہوئے آپ کا اور ہر نبی کا منصب و مقام بیان فرمادیا لیکن بایں ہمہ علامہ سر فراز صاحب انبیاء علیہم السلام سے یہ حق سلب نہیں کر سکتے کہ وہ لوگوں کو اپنی اتباع و تقلید اور اطاعت و فرمانبرداری کی دعوت دیں اور ان پر اپنے احکام اور فیصلہ کی پابندی فرض اور لازم کریں اور اپنی محبت کو ان کے لیے روح ایمان اور جان اسلام قرار دیں اور خود اللہ تعالیٰ نے بھی ان کا منصب اور مقام بیان فرمایا ہے اور



اس کو تسلیم کرنے اور اس پر عمل پیرا ہونے کا حکم دیا ہے۔ چند ارشادات ملاحظہ فرمائیں :

۱- قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللَّهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ ۝

(سورہ آل عمران ۳۱)

فرما دیجیے اگر تم اللہ تعالیٰ سے محبت رکھتے ہو تو میری اتباع کرو اللہ تعالیٰ تمہیں محبوب بنائے گا اور تمام گناہ معاف کر دے گا اور اللہ بخشنے والا رحم کرنے والا ہے۔

۲- وَإِنْ رَبِّكُمُ الرَّحْمَنُ فَاتَّبِعُونِي وَأَطِيعُوا أَمْرِي ۝ (ظہ-۹۰)

اور بیشک رب تمہارا رحمن جل و علی ہے پس میری اتباع کرو اور میرے حکم کی اطاعت کرو۔

۳- مَنْ يُطِيعِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ يَدْخُلْهُ جَنَّتِ تَجْرِي مِنْ

تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ (سورہ نسا- آیت ۱۳)

جو شخص اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی اطاعت کرے گا تو اللہ اس کو جنتوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں جاری ہیں۔

۴- وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُولٍ إِلَّا لِيُطَاعَ بِإِذْنِ اللَّهِ ۝

(سورہ نسا- آیت ۶۴)

ہم نے نہیں بھیجا کوئی رسول مگر اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کے امر سے اس کی اطاعت کی جائے۔

۵- نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا :



لَا يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتَّىٰ أَكُونَ أَحَبَّ إِلَيْهِ مِنْ وَالِدِهِ  
 وَوَلَدِهِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ (بخاری شریف ص ۳۸۲ - الوفاء ص ۳۸۲)  
 تم میں سے کوئی شخص مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ میں اس کے  
 نزدیک محبوب ترین نہ ہو جاؤں اس کے والد اور اس کی اولاد اور تمام  
 لوگوں سے۔

۶ اللہ تعالیٰ نے فرمایا :

قُلْ إِنْ كَانَ آبَاؤُكُمْ وَأَبْنَاؤُكُمْ  
 وَأَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيرَتُكُمْ وَأَمْوَالٌ  
 اقْتَرَفْتُمُوهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ  
 كَسَادَهَا وَمَسَاكِينُ تَرْضَوْنَهَا  
 أَحَبَّ إِلَيْكُمْ مِّنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ  
 وَجِهَادٍ فِي سَبِيلِهِ  
 فَتَرَبَّصُوا حَتَّىٰ يَأْتِيَ اللَّهُ بِأَمْرٍ ۗ (سورہ توبہ آیت ۲۴)

فرما دیجیے اگر تمہارے باپ اور بیٹے اور بھائی اور بیویاں اور برادری  
 اور مال جو تم نے کمائے اور تجارت جس کی بندش کا تمہیں اندیشہ ہے اور  
 رہائش گاہیں جو تمہیں پسند ہیں وہ تمہیں محبوب ترین ہیں اللہ تعالیٰ اور اس  
 کے رسول سے اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد سے تو انتظار کرو یہاں تک کہ  
 اللہ تعالیٰ اپنا حکم (عذاب) لاتے :

وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفَاسِقِينَ ۝ (سورہ توبہ آیت ۲۴)

اور اللہ ہدایت نہیں دیتا فاسق اور کافر قوم کو۔

۷۔ بلکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کلام کو اپنا کلام



قرار دیا :

وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ ۗ إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ ۗ

(سورہ النجم آیت ۳-۴)

۸- ان کی بیعت کو اپنی بیعت کہا :

إِنَّ الَّذِينَ يَبَايِعُونَكَ إِنَّمَا يُبَايِعُونَ اللَّهَ ۗ

(سورہ الفتح آیت ۱۰)

اور آپ کے ہاتھ کو اپنا ہاتھ قرار دیا - يد الله فوق ايديهم

۹- اور آپ کے مارنے کو اپنا مارنا قرار دیا :

وَمَا رَمَيْتَ إِذْ رَمَيْتَ وَلَكِنَّ اللَّهَ رَمَىٰ ۗ

(سورہ الانفال آیت ۱۷)

۱۰- آپ کی اطاعت کو ہی اپنی حقیقی اطاعت قرار دیتے ہوئے فرمایا :

مَنْ يُطِيعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللَّهَ ۗ

(سورہ النساء آیت ۸۰)

لہذا رسول معظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو الہ ماننا، خالق و مالک حقیقی ماننا

وغیرہ بیشک کفر اور شرک ہے لیکن من دون اللہ میں داخل کر کے ان کی

اتباع و اطاعت اور غلامی و فرمانبرداری اور محبت و عقیدت کو بھی

منوع اور حرام قرار دینا اور ان کے تصور اور خیال کو گدھے اور بیل کے

خیال سے بدتر قرار دے دینا اور اسے موجب شرک قرار دینا (صراطِ مستقیم)

اور انہیں چوڑھے چمار سے بھی اللہ تعالیٰ کے ہاں ذلیل و حقیر قرار دے دینا

(تقویۃ الایمان) اور اسے حقیقی توحید قرار دینا سراسر ظلم و عدوان اور خبیثت

و خسران ہے۔ اَعَاذَنَا اللَّهُ مِنْ ذَلِكَ - اور محبوبان خداوند تعالیٰ کی ارفع

لہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم -



واعلیٰ شان میں تفریط و تقصیر ہی نہیں بلکہ کھلم کھلا بے ادبی و گستاخی اور سب و شتم ہے اور بے دینی و بے ایمانی اور الحاد و زندقہ اور کفر و ارتداد ہے۔

محمد عربیؐ کا بروئے ہر دوسراست

کسیکھ خاک درش نیست خاک بر سر او

## گلدستہ توحید

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ جب قیامت کے دن تمام کائنات کو میدانِ قیامت میں جمع کیا جائے گا تو فرشتوں سے اللہ تعالیٰ سوال کریگا:

أَهْوَلَاءِ إِيَّاكُمْ كَانُوا يَعْبُدُونَ قَالُوا سُبْحَانَكَ أَنْتَ وَلِيِّنَا  
مِنْ دُونِهِمْ بَلْ كَانُوا يَعْبُدُونَ الْجِنَّ أَكْثَرُهُمْ بِهِمْ  
مُؤْمِنُونَ ○ (سورہ سبا آیت ۳۰-۳۱)

کیا یہ لوگ تمہاری پرستش کیا کرتے تھے وہ کہیں گے پاک ہے تیری ذات تو ہی ہمارا کارساز ہے ان کے علاوہ بلکہ وہ توحنات کی پوجا کرتے تھے۔ یہ اکثر انہیں پر اعتماد رکھتے تھے۔

اگر لوگ بتوں کو ہی پکارا کرتے تھے اور ان کی عبادت کرتے تھے تو فرشتوں سے اس بار پرس کا کیا مطلب؟ اور پھر فرشتوں اور جنات کی عبادت کرنے والے، ان کو پکارنے والے اور ان کی پرستش کرنے والے بھی مشرک ہو جاتے ہیں حالانکہ نہ فرشتے بت اور نہ ہی جنات۔ (ص ۵)

لہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم۔



## گلشنِ توحید و رسالت

یہ تقریر بھی علامہ سرفراز صاحب کی تطویل لا طائل اور عبث طوالت کے قبیل سے ہے۔ بندوں کا مشرک ہونا علیحدہ معاملہ ہے اور ملائکہ معصومین اور انبیاء و رسل علیہم السلام پر معبوداتِ باطلہ کے احکام جاری ہونا علیحدہ معاملہ ہے۔ اس آیت کریمہ سے بھی ملائکہ کے متعلق ادراک و علم اور شعور و آگہی سے محرومی وغیرہ وغیرہ ثابت نہیں ہو سکتی۔ البتہ سرفراز صاحب کے نظریہ کا ابطال ضرور ہو جاتا ہے اور وہ اس طرح کہ ملائکہ ان مشرکین کو تو نظر آتے نہیں تھے اور نہ وہ مشرک غائب اشیاء کی پوجا کے قائل تھے جبکہ غائب خدا کی پوجا کے بھی روادار نہیں تھے تو مخلوق غائب کی پوجا کیونکر کر سکتے تھے۔ ان کی پوجا کی صورت یہی تھی کہ ان کے نام پر ہیاکل اور مخصوص محسمے بنا کر ان کی پوجا کرتے اور سمجھتے کہ بس ان ملائکہ کی عبادت ہو گئی اس بنا پر ان کو اپنے شرکار سمجھتے تھے اور معبودات لیکن ملائکہ معصومین اپنے معبود ہونے کا انکار کریں گے اگر ملائکہ سچے ہیں اور یقیناً سچے ہیں تو یہ مشرک جھوٹے اور ان کا دعویٰ بھی جھوٹا اور ساتھ ہی علامہ سرفراز صاحب کا دعویٰ بھی جھوٹا کہ جہاں میں کوئی عقلمند انسان اس کو باور نہیں کر سکتا کہ کسی باہوش آدمی نے کبھی محض اینٹ اور پتھر وغیرہ کی عبادت کی ہو۔ یہ جو کچھ بھی ہوا پیغمبروں، بزرگوں، جنوں اور دیگر باعزت اور ذی رتبہ مخلوق کے نام پر ہی ہوا، کسی کا مجسمہ قابلِ توجہ سمجھا گیا اور کسی کا فوٹو۔ ص ۶۶۔ لیکن اصل عقیدت اور محبت لکڑی



اور پتھر سے نہیں بلکہ محبوب انسان وغیرہ سے ہے۔ (ص ۶۳)

کیونکہ بقول علامہ صاحب محبے تو محض قبلہ توجہ تھے اصل عبادت تو ارباب محبمہ کی تھی لیکن ملائکہ معصومین کہتے ہیں نہیں ہماری عبادت نہیں بلکہ جنات کی ہے اور انہیں کے ان میں اکثر معتقد ہیں۔

مقام تعجب ہے مشرکین نے محبے فرشتوں کے نام پر بنائے اور ان محبمات کے ذریعے عبادت کا تحفہ بارگاہ ملائکہ میں ارسال کرتے رہے مگر وہ معبود ثابت نہیں ہو رہے، نہ اللہ تعالیٰ ان مدعیوں کا دعویٰ تسلیم کر رہا ہے اور نہ ہی مدعا علیہان، تو معلوم ہوا کسی کا نام اپنے طور پر کسی محبمہ پر اطلاق کر کے اس کی تعظیم کرنے سے وہ ذات معبود نہیں بن جاتی اور نہ اس پر معبوداتِ پالمہ کے احکام لاگو ہو سکتے ہیں۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

مِنْ دُونِهِ إِلَّا أَسْمَاءٌ سَمَّيْتُمُوهَا أَنْتُمْ وَآبَاؤُكُمْ

(سورہ یسفا آیت ۲۰)

یہ محض نام ہیں جو تم نے اور تمہارے آباؤں نے تجویز کر رکھے ہیں یعنی ان اسماء کے تحت مسمیات والے حقائق موجود نہیں ہیں۔

علامہ عثمانی صاحب فرماتے ہیں کہ فرشتے کہیں گے ”یہ بد بخت تو حقیقت میں ہماری پرستش ہی نہیں کرتے تھے، نام ہمارا لے کر شیطانوں کی پرستش کرتے تھے۔ فی الحقیقت ان کی عقیدہ مندی انہی کے ساتھ ہے۔ شیاطین ان کو جس طرف ہانکتے ہیں ادھر ہی مڑ جاتے ہیں خواہ فرشتوں کا نام لے کر یا کسی نبی اور ولی کا نام لے کر بلکہ بعض تو علانیہ شیطان ہی کو پوجتے ہیں۔ (ص ۷۲)۔



یاد رہے کہ اللہ علیم وخبیر اور عالم الغیب والشہادہ کو معلوم ہے کہ ملائکہ اور حضرت مسیح اور حضرت عزیر علیہم السلام اس الزام و اتہام اور افتراء و بہتان سے منزہ و مبرا ہیں لیکن پھر بھی ان سے سوال فرمائے گا تاکہ عدالتی تقاضے بھی پورے ہو جائیں اور ان کے جواب اور انکار کی وجہ سے ان مشرکین کی حسرتوں اور امانوں میں بھی اضافہ ہو جائے کہ جہاں ان فرضی معبودات سے امداد و اعانت کی امیدیں وابستہ کیے ہوئے تھے وہاں ان کو جھٹلا دیا جائے گا اور بے یار و مددگار چھوڑ دیا جائے گا۔

## گلدستہ توحید

تعویذات پر یا جبریل یا میکائیل یا اسرافیل لکھنے والے اور ان کو پکار کر ان سے مدد طلب کرنے والے ان آیات سے عبرت حاصل کریں۔ (ص ۵)

## گلشن توحید و رسالت

علامہ سرفراز کے ہم مشرب بھی اس کے مخالف ہو گئے مگر افسوس ہے کہ آپ کے مشورہ پر آپ کے گھر والے بھی عمل نہیں کرتے اور مقبولانِ بارگاہ کو پکارتے ہیں اور اس پکار سے استفادہ و استفانہ کی توقع بھی رکھتے ہیں اور دُوروں کو بھی اس کا درس دیتے ہیں۔

علامہ اشرف علی تھانوی صاحب کا استغاثہ ہے :

یا شفیع العباد خذ بیدی انت فی الاضطرار معتمدی



اور یہی علامہ تھانوی صاحب علامہ بوصیری کی فریاد اور زاری  
 يَا اَكْرَمَ الْخَلْقِ مَا لِي مِنَ الْوَدْبِ

سِوَاكَ عِنْدَ حُلُولِ الْحَادِثِ الْعَمِّ

پر سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ان کی مدد کو پہنچ جانا اور چادرِ عنایت  
 کرنا اور مرضِ فاج کو دور کر دینا بھی تسلیم کرتے ہیں۔ (نشر الطیب)

حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ فرماتے ہیں جب کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم  
 کی زیارت نہ ہو رہی ہو وہ ہزار مرتبہ یا محمدؐ یا احمدؐ یا رسول اللہؐ پڑھے  
 تو قسمت جاگ اٹھے گی اور مقدر کا ستارہ چمک اٹھے گا اور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم  
 کی زیارت کا شرف ضرور حاصل ہو جائے گا، بیداری میں نہیں تو خواب میں  
 حاصل ہوگا۔ وَغَيْرَ ذَلِكَ مِنَ الْأَقْوَالِ ملاحظہ ہو ضیاء القلوب ص ۵۵ :

”صورتِ مثالیہ آنحضرتؐ را تصور نموده درود خواند و بطرفِ راست  
 یا احمد و چپ یا محمدؐ و در دل رسول اللہؐ ضرب کند ہزار بار بگوید علانیہ یا  
 در خواب از دولت دیدار مبارک مشرف شود۔“

نیز جناب حسین احمد صاحب مدنی پانچ صورتوں میں ”یا رسول اللہ“ کہنا  
 جائز رکھتے۔ خوشی کے موقع پر، غم و اندوہ کی حالت، ملائکہ کے پہنچا دینے  
 کی نیت پر اور درود و صلوات کے ضمن میں اور اپنے اشکمال کی صورت میں  
 کہ جب حجاباتِ جسمانیہ اٹھ جائیں اور بعد مسافت براہِ راست بارگاہِ رسالت  
 میں عرض پیش کرنے میں مانع نہ ہو۔ (شہابِ ثاقب ص ۶۳)

لہذا پہلے اپنے گھر سے اس شرک اور کفر کو دور کریں پھر دوسروں

لے صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم۔ ۔۔۔ رحمتہ اللہ علیہ۔



کو اس سے باز رہنے کی تلقین کریں۔ جو اعتقاد آپ کے اکابر کا اس نذر و پکار کے وقت ہوتا ہے وہی دوسروں کے متعلق بھی سمجھ لیں یا ان کو اپنے دلائل کے تحت معذور سمجھتے ہوئے فتوے لگانے سے باز رہیں یا ان اپنے اکابر سے ہی بیزاری ظاہر کر دیں لیکن افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ علامہ صاحب کسی صورت پر بھی عمل پیرا نہیں ہو سکیں گے۔ اصل مسئلہ کی حقیقت پر کچھ عرض کیا جائے گا لیکن بعد والے ابواب کے تحت فی الحال اسی کو ہی توجہ کا مستحق سمجھیں۔

## گلدستہ توحید

انسانوں کا ایک گروہ جنّات سے استعانت کیا کرتا تھا اور جب کبھی وہ کسی پر خطر وادی سے گزرتا تو جنّات کے رئیس وادی کی سپناہ ڈھونڈتا اور اس کے نام کی نذر و نیاز کرتا چنانچہ اسی طرح کے جنوں کا ایک گروہ مسلمان ہو گیا اور ان کے عقیدت مند انسانوں کو ان کے اسلام لانے کی اطلاع نہ ہو سکی اور وہ بدستور ان کی پرستش کرتے رہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان انسانوں کو تنبیہ فرمائی کہ اے نبی کہو کہ جن کو تم سمجھتے ہو اللہ کے نیچے سو وہ اختیار نہیں رکھتے کہ کھول دیں تمہاری تکلیف اور نہ بدل سکیں :

أُولَٰئِكَ الَّذِينَ يَدْعُونَ يَبْتَغُونَ إِلَىٰ رَبِّهِمُ الْوَسِيلَةَ  
 إِلَيْهِمْ أَقْرَبَ وَيَرْجُونَ رَحْمَتَهُ وَيَخَافُونَ عَذَابَهُ



إِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ كَانَ مَحْذُورًا (سورہ بنی اسرائیل آیت ۵۷)  
 وہ لوگ کہ جن کو یہ پکارتے ہیں وہ خود ڈھونڈتے ہیں اپنے رب تک  
 وسیلہ کہ ان میں کون زیادہ مقرب بنتا ہے اور وہ اُمید رکھتے ہیں اس  
 کی مہربانی کی اور ڈرتے ہیں اس کے عذاب سے۔ بیشک تیرے رب کا  
 عذاب ڈرنے کی چیز ہے۔

اس مضمون سے معلوم ہوا کہ تکلیف دُور کرنے کی اُمید سے جو غیر اللہ  
 کو پکارتے ہیں تو وہ سخت غلطی میں مبتلا ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کے بغیر کوئی  
 بھی تکلیف دُور نہیں کر سکتا۔ (ص ۵)

## گلشنِ توحید و رسالت

کیا رسل کرام علیہم السلام اور اولیاء کرام علیہم الرضوان نفع دے سکتے ہیں اور تکلیف دُور کر سکتے ہیں؟  
 یہ بجا کہ خود تکلیف دُور نہیں کرتے اور نہ ان میں قدرت و طاقت ہے  
 بغیر عطاۃ الہی کے لیکن ان کو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں وسیلہ بنانا اور ان کے  
 توسل سے تکلیف دُور کرانا تو جائز ہے۔ صحابہ کرام علیہم الرضوان ہر مشکل  
 اور مصیبت اور ضرورت و حاجت میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف  
 رجوع کرتے اور آپ کی دُعا اور توجہ سے ان کی حاجات برآتیں، مشکلات  
 حل ہو جاتیں، آنکھ زخمی ہو کر بیکار ہو جاتے اور ڈھیلا اپنے مرکز سے باہر  
 آجاتے تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ٹھیک کراتے، بارش نہیں  
 ہوتی تو آپ سے دُعا کر کے عذابِ قحط سے خلاصی پاتے۔ پیاس سے



جاں بلب ہوتے تو عرض کرتے ، "ہلکنا عطشا یا رسول اللہ" اسے  
اللہ کے رسول ہم پیاس سے مرچلے تو آپ فرماتے "لا ھلک علیک  
میں پہنچ گیا ہوں اب تم ہلاک نہیں ہو سکتے۔ الغرض اتنے واقعات اور  
اتنے مواضع میں تو تسل کیا گیا کہ حد و حصر اور احاطہ سے باہر ہیں اور  
علامہ سرفراز کو معلوم بھی ہیں اور قیامت کے دن تمام انبیاء علیہم السلام  
اور رسل اور خلائق کا در رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نجات و خلاص  
دلانے کے لیے سوالی بن کر حاضر ہونے کا کوئی باہوش مسلمان اور باعق  
اہل ایمان انکار نہیں کر سکتا۔

لہذا اتنا ہی کہہ دو اور مان لو کہ خود تکلیف دُور نہیں کر سکتے لیکن  
اللہ سے تکلیف دُور کر دیتے ہیں۔ خود مشکلیں حل نہیں کرتے لیکن  
دیتے ہیں پھر بھی نزاع و اختلاف ختم ہو سکتا ہے لیکن علامہ صاحب  
ان کی جماعت نے غالباً قسم اٹھا رکھی ہے کہ مقبولانِ بارگاہ اور محبوبانِ ا  
سے لوگوں کو دُور کرنا ہی کرنا ہے اور ان کی خُداداد عظمت و عِزّت  
عزّت و حرمت ان کے دلوں سے نکالنی ہی نکالنی ہے تاکہ وہ سرے  
ان کا خیال ہی دل سے نکال دیں اور ان کی طرف کسی طرح بھی رجوع  
کریں لیکن یاد رکھیں : ۷

وہ جہنم میں گیا جو ان سے مستغنی ہوا  
ہے خلیل اللہ کو حاجت رسول اللہ کی

۷ علیہما السلام۔



بلکہ خود اللہ تبارک و تعالیٰ نے وسیلہ پکڑنے کا حکم دیا: کما قال تعالیٰ :  
 يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَابْتَغُوا إِلَيْهِ الْوَسِيلَةَ وَجَاهِدُوا فِي  
 سَبِيلِهِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ○ (سُورَةُ الْمَائِدَةِ ۳۵)  
 اور درِ رسول پر حاضر ہو کر اللہ تعالیٰ سے معافی مانگنے اور رسولِ گرامی  
 سے دُعائے مغفرت کرانے اور آپ کو سفارشی بنانے کو قبولیتِ توبہ، حصولِ  
 مغفرت اور انعام و اکرام کا حتمی ذریعہ اور وسیلہ قرار دیا ہے: کما قال تعالیٰ:  
 وَلَوْ أَنَّهُمْ إِذْ ظَلَمُوا أَنفُسَهُمْ جَاءُوكَ فَاسْتَغْفَرُوا  
 اللَّهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُولُ لَوَجَدُوا اللَّهَ تَوَّابًا رَحِيمًا  
 (سُورَةُ نَسْرِ آيَةُ ۶۴)

## دلیل ہی مناقضِ دعوائے

جس آیتِ مبارکہ کو علامہ صاحب نے یہاں محل استدلال میں ذکر کیا  
 اور معرضِ تعلیل میں پیش کیا اس میں بھی اس توکل و استمداد اور استغاضہ و  
 استفادہ پر واضح دلالت موجود ہے۔ علامہ عثمانی صاحب فرماتے ہیں:  
 بعض کہتے ہیں کہ جن، ملائکہ اور مسیح اور عزیر کے پوجنے والے سب  
 اس میں شامل ہیں ان میں جو زیادہ مقرب ہیں وہی قربِ الہی کے طالب  
 ہتے ہیں اور سوچتے ہیں کہ کسی سب سے زیادہ مقرب بندہ کی دُعا  
 غیرہ کو حصولِ قرب کا وسیلہ بنائیں، تنبیہ، توکل اور تعبد میں فرق ظاہر  
 ہے پھر توکل بھی اس حد تک مشروع ہے جہاں تک شریعت نے اجازت دی۔  
 (ص ۲۹۷)

لے صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم۔



اور اسی طرح کا قول علامہ سید محمود آلوسی نے بھی نقل فرمایا ہے :

والمعنى ينظرون ايهم اقرب فيتوسلون به وكان

المراد يتوسلون بدعائه - (جلد ۱۵ ص ۹۲)

علاوہ ازیں یہاں پر قدرتِ کاملہ ذاتیہ غیر عطائیہ کی نفی ہے کیونکہ یہاں پر اللہ تعالیٰ عبادت کے استحقاق کا دار و مدار جس قدرت پر ہے اس کو بیان فرمانا چاہتا ہے اور وہ صرف اور صرف اللہ تعالیٰ میں ہے لہذا وہی عبادت کا حقدار ہے :

كان المراد من نفى ملكهم ذلك نفى قدرتهم

التامة الكاملة عليه وكون قدرة الالهة الباطية

مفاضه منه تعالى مسلم عند الكفرة لانهم لا

ينكرون انها مخلوقة لله تعالى بجميع صفاتها وان

الله تعالى اقوى واكمل منقہ منها وبهذا يتم

الدليل ويحصل الالفحام والافننى قدرة الجحش و

الملئكة الذين عبدوا من دون الله مطلقا على

كشف الضر لا يظهر دليله - (جلد ۱۵ ص ۹۲)

گویا کہ ان معبودات کے ان سے ضرر و نقصان دور کرنے کی قدرت تامہ

کاملہ کی نفی کرنا مقصود ہے اور ان مزعومہ معبودات کی قدرت کا اللہ تعالیٰ

کی طرف سے عطا ہونا کافروں کے نزدیک بھی مسلم تھا کیونکہ وہ اس امر کا

انکار نہیں کرتے تھے کہ ہمارے یہ معبودات بمعہ اپنے تمام صفات و کمالات کے

اللہ تعالیٰ کے مخلوق ہیں اور اس کا بھی انکار نہیں کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ ان سے زیادہ



قوت و قدرت والہ ہے اور اس قدرتِ تامہ کاملہ کی نفی سے ہی دلیل تم ہو جائیگی اور مشرکین و کفار کا جواب سے عجز بھی ظاہر ہو جائے گا ورنہ جنات اور ملائکہ جنکی اللہ تعالیٰ کے علاوہ عبادت کی گئی ان سے تکلیف و ضرر کے مطلقاً دور کر سکنے کی قدرت و طاقت کی نفی کی دلیل ظاہر نہیں ہو سکتی۔

ان قيل هو ان انرى الكفرة يتضرعون اليهم ولا يحصل  
لهم الاجابة عورض بانہ نرى المسلمین ايضاً  
يتضرعون الى الله ولا تحصل لهم الاجابة۔

(ص ۹۲ ج ۱۵)

اگر یہ کہا جائے کہ ہم کفار و مشرکین کو دیکھتے ہیں کہ وہ اپنے معبودات کی طرف فریادیں اور زاریاں کرتے ہیں اور امداد و اعانت کی التجا کرتے ہیں لیکن ان کو قبولیت حاصل نہیں ہوتی تو اس کا جواب بطور معارضہ اس طرح دیا جا سکتا ہے کہ ہم بسا اوقات مسلمانوں کو دیکھتے ہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کے حضور فریاد اور زاری کرتے ہیں لیکن ان کا مدعا اور مقصود بھی پورا نہیں کیا جاتا۔ ( لہذا اگر اللہ تعالیٰ سے قدرت و طاقت کی نفی نہیں ہو سکتی تو اس طریق سے ان کے معبودات سے بھی مطلقاً قدرت و طاقت اور استعداد و استطاعت کی نفی نہیں ہو سکتی )

الحاصل ذوی العقول اشخاص جن کی عبادت بزم خویش کفار و مشرکین نے کی ان کے مُراد ہونے کی صورت میں مطلقاً ان سے قدرت و طاقت اور اختیار و اقتدار کی نفی کرنا اور ذاتی و عطائی، مخلوق اور غیر مخلوق دونوں طرح کی



قدرت و طاقت کی نفی کرنا ایسا دعویٰ ہے جس پر کوئی دلیل قائم نہیں کی جاسکتی لہذا اندریں صورت بھی علامہ سرفراز صاحب کا انبیاء کرام، ملائکہ اور اولیاء کرام کو مجبور محض ماننا باطل ہو گیا اور توسل کی نفی کرنا بھی باطل ہو گیا اور توسل بھی نفع رسانی کی اہم صورت ہے۔

## گلدستہ توحید

قرآن مجید میں اس امر کی تصریح موجود ہے کہ لوگوں نے جنات کی عبادت کی۔

بَلْ كَانُوا يَعْبُدُونَ الْجِنَّ أَكْثَرَهُمْ بِهِمْ مُمُؤْمِنُونَ ۝

(سورہ سبأ آیت ۴۱)

بلکہ وہ جنوں کی عبادت کرتے تھے اکثر ان میں سے ان پر ایمان لائے ہوئے تھے۔

وَجَعَلُوا لِلَّهِ شُرَكَاءَ الْجِنَّ وَخَلَقَهُمْ (سورہ انعام آیت ۱۰۰)

اور ٹھہراتے ہیں جنوں کو اللہ تعالیٰ کا شریک، حالانکہ اس نے ان کو پیدا کیا۔

کس طور پر عبادت کی تو اس کی تشریح سورہ جن میں یوں آتی ہے

وَإِنَّهُ كَانَ رِجَالٌ مِّنَ الْإِنْسِ يَعُوذُونَ بِرِجَالٍ مِّنَ

الْجِنِّ فَزَادُوهُمْ رَهَقًا ۙ (سورہ جن آیت ۶)

اور یہ کہ تھے کتنے مرد انسانوں میں سے پناہ پکڑتے جنوں میں سے کئی



مردوں کی سوؤہ جنات اور سر چڑھنے لگے۔

اس سے معلوم ہوا کہ جنوں کی عبادت سے مراد ان کی پناہ ڈھونڈنا اور خطرات و نقصانات کے مقابلہ میں ان سے حفاظت طلب کرنا ہے اور ایمان لانے سے مراد ان کے متعلق یہ اعتقاد رکھنا ہے کہ وہ پناہ دینے اور حفاظت کرنے کی طاقت رکھتے ہیں۔ (ص ۵۲ ص ۵۳)

## گلشن توحید رسالت

مقبولانِ بارگاہِ خداوندی کو مظاہرِ عونِ الہیہ سمجھنا جائز ہے، کفار و مشرکین و وسائر جنات کی پناہ ڈھونڈتے تھے اور اللہ تعالیٰ کی امداد میں ان کو واسطہ و وسیلہ نہیں سمجھتے تھے اور نہ ان کی نذر و نیاز بطور ایصالِ ثواب کے پیش کرتے تھے بلکہ خدا داد اموال میں ان کا حفاظت و نگرانی کی وجہ سے حق اور حصہ سمجھتے تھے اور وہ بھی ان سے نذر و نیاز وصول کرتے تھے جیسے علامہ صاحب نے فرمایا بخلاف ان انسانوں اور جنوں کے جنہوں نے نذریں اور نیازیں وصول کیں، سجدے کرائے اور معبود بن بیٹھے۔ (صفحہ نمبر ۵۲) یہ معاملہ بیشک مبشر کا نہ ہے۔

لیکن حقیقی مددگار و معاون اللہ تعالیٰ کو سمجھا جائے اور اس کے مقبول بندوں کو اس کی امداد و اعانت کا منظر سمجھا جائے اور ان سے باذن اللہ معادنت و مددگاری کی درخواست کی جائے تو یہ قطعاً شرک نہیں ہے۔ خود علامہ سرفراز صاحب نے صفحہ ۱۲۳ پر اس طرح کی استعانت و استمداد کا



جواز تسلیم کر لیا ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں :

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے کچھ فرشتے جنگلات میں ہوتے ہیں، جب تمہیں کوئی مشکل پیش آئے اور رکاوٹ درپیش ہو تو یہ کہا کرو :

اعینونی عباد اللہ

(مجمع الزوائد ص ۱۳۲)

رجالہ ثقات۔ اس روایت کے راوی ثقہ ہیں۔ (ص ۵۲)

## مجبورین خداوند تعالیٰ کی امداد اور شیاطین کی امداد میں فرق کرنا ضروری ہے

تو اس صحیح روایت سے جنگلات میں پیش آنے والی مشکلات کے حل کے لیے ان میں موجود اللہ تعالیٰ کے بندوں سے استعانت و استمداد کی رخصت اور اجازت ثابت ہوگئی اور انہیں جنگلات میں پیش آنے والی مشکلات پر کفار جنات سے استمداد و استعانت ناجائز اور حرام بھی ٹھہری حالانکہ جن بھی وہیں پر موجود ہوتے تھے اور بقول علامہ سید محمود آلوسی ان میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے پیدا کی ہوئی اور عطائی قدرت و طاقت کا انکار بلا دلیل محض ہے اور ناقابل اعتماد دعویٰ ہے نیز پکارنے والے غائبانہ اور مافوق الاسباب مدد بھی طلب نہیں کرتے تھے بلکہ صرف انہیں میں سے شریروں و خبیث اور سفہار کے شر اور فتنہ سے پناہ طلب کرتے تھے، چنانچہ روایات میں ہے کہ راہ گزار جنگلات میں خطرات محسوس کرتے ہوئے کہتے کہ اس حلقہ کے جنوں کا جو سردار ہے ہم اس کی پناہ میں آتے ہیں تاکہ وہ



اپنے ماتحت جنوں سے ہماری حفاظت کرے۔ (تفسیر درنثور جلد ۶ - شامی عثمانی صاحب)  
اور خود علامہ صاحب کی عبارت بھی اسی استمداد پر دلالت کرتی ہے۔

تو علامہ صاحب ہی بتلائیں کہ ایک طرف اعانت و امداد طلب کرنا شرک اور کفر اور دوسری طرف سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس طرح کی استعانت و استمداد کا حکم دیں۔ دونوں قویں اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہیں فرشتے بھی اور جنات بھی۔ دونوں میں جو قوت و طاقت ہے وہ اللہ کی عطا و بخشش سے ہے ذاتی نہیں اور بقول تمہارے اور علامہ عثمانی صاحب دونوں جگہ ندا اور دُعا غائبانہ بھی نہیں اور نہ مافوق الاسباب امور میں پھر فرق ہے تو کیوں ہے؟ ایک استمداد و استعانت شرک ہے اور دوسری استمداد و استعانت کا ہادی برحق حکم دے رہے ہیں۔

تو لا محالہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ مقبولانِ بارگاہِ خداوند تعالیٰ اور اہل ایمان کی استمداد و استعانت کا نظریہ و عقیدہ چونکہ کفار و مشرکین سے مختلف ہے لہذا ان دونوں کی امداد و اعانت کے حکم بھی مختلف ہیں، اسلئے علامہ صاحب کو چاہیے کہ محبوبانِ خداوند تعالیٰ اور دشمنانِ خداوند تعالیٰ سے استمداد و استعانت میں ضرور فرق کیا کریں اور اہل اسلام اور کفار و مشرکین میں بھی باہمی امتیاز ملحوظ رکھا کریں اور اگر آپ فرق نہ بھی کریں اور امتیاز روا نہ بھی رکھیں تو کیا فرق پڑتا ہے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک تو فرق ہے ہی۔ اور اگر آپ دُنیا میں ہوتے ہوئے فرق نہ بھی کریں تو ان شاء اللہ بروز قیامت ضرور فرق کرنا پڑے گا اور سید عالم و عالمیاں



اور مرجعِ خلافت اور مادائے اُمم و انبیاء شفیع روزِ جزا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پناہ ضرور ڈھونڈنی پڑے گی۔ دنیا کے جنگلات میں اکیلے استمداد کے روادار قیامت کے میدانِ والی مجموعی آبادی اور تمام ملائکہ اور جنات اور انسانوں کی موجودگی میں ان کی پناہ ڈھونڈے بغیر چارہ نہیں ہوگا یہاں اللہ تعالیٰ کے نظروں سے اوجھل ہوتے ہوئے ان مقبولانِ بارگاہ سے اعراض اور روگردانی اور طغیان و سرکشی کی سعی مذموم کرتے ہیں اور اس کی دعوت دیتے ہیں لیکن وہاں اللہ تعالیٰ کے روبرو ہونے اور بلا حجاب عرشِ جلالت پر جلوہ ریز ہونے کے باوجود مقبولانِ خداوند تعالیٰ کی طرف دوڑیں گے اور اس دن اللہ تعالیٰ بھی صرف ایک در پر نہیں بلکہ بیسیوں درگاہوں پر دوڑائے گا اگرچہ مراد برآنی ہے اور مراد ملنا ہے تو صرف ایک در سے۔

خلیل ونجی، کلیم و سحیح سبھی سے کہی کہیں نہ بتی

یہ بجنبری کہ خلق پھری کہاں سے کہاں تھانے لیے

رسل و ملک پہ درود ہو وہی جانے ان کے شمار کو

مگر ایک ایسا دکھا تو دو جو شفیع روزِ شمار ہے

## اہلِ اسلام کی نذر و نیاز کی حقیقت

علامہ صاحب نے جنات کے لیے نذر و نیاز کا ذکر یہاں بھی کیا اور صفحہ نمبر ۵ پر بھی کیا۔ جنات کے رئیسِ وادی کی پناہ ڈھونڈنا اور اس کے

علیہم السلام۔



نامی نذر و نیاز کرتا۔ اس سے مقصد اہل السنّت کے نذرانوں اور گیارہویں وغیرہ پر طنز و تنقید اور رد و انکار کے لیے تہیدی کارروائی کرنا ہے چنانچہ آگے چل کر جناب نے اس کی تصریح فرمادی ہے۔ ”لیکن بزعم خویش مسلمانوں میں بھی آجکل اس کمی نہیں زکوٰۃ بھی دیتے ہیں اور گیارہویں اور بزرگوں کے نذرانے بھی ادا کرتے ہیں۔ (ص ۷۹)

حالانکہ کفار و مشرکین کی نذر و نیاز مالی عبادت تھی جس طرح اہل اسلام زکوٰۃ کے ذریعے اللہ تعالیٰ کا حصہ نکالتے تھے اور ساتھ ہی اپنے مزرعوم شرکار کا بھی اور کہتے تھے :

هَذَا لِلّٰهِ بِزَعْمِهِمْ وَهَذَا لِشُرَكَائِنَا (سُوۃ الانعام آیت ۱۳۶)

یہ تو ہے اللہ تعالیٰ کے لیے ان کے زعم اور گمان میں اور یہ حصہ ان کے معبوداتِ باطلہ کے لیے ہے۔ لیکن اہل اسلام کسی غیر کے لیے مالی عبادت کے روادار نہیں ہیں۔ بلکہ صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کے لیے ہی اسکو مختص مانتے ہیں اور اسی کے نام پر حصہ کر کے جو ثواب ملتا ہے وہ مقبولانِ خداوند تعالیٰ کی بارگاہ میں پیش کرتے ہیں اور ثواب دینا اللہ تعالیٰ کی عبادت نہیں بلکہ جو ثواب اللہ کو پہنچاتے تو وہ کافر و بے دین قرار پائیگا کیونکہ ثواب تو اللہ تعالیٰ سے لیا جاتا ہے اور اس کو اپنے لیے ترقی کا ذریعہ سمجھا جاتا ہے یا جس کو پہنچایا جائے اس کی مغفرت و بخشش یا ترقی درجات کا وسیلہ سمجھا جاتا ہے لہذا اگر کوئی اللہ تعالیٰ کو ثواب پیش کرے تو دائرہ اسلام سے خارج ہو جائے گا اور مالی عبادت غیر اللہ کی کرے تو



بھی دائرہ اسلام سے خارج ہوگا نیز زندہ لوگوں کو نذرانہ دینا ہدیہ اور تحفہ کے معنی میں ہوتا ہے اور ان کی ضروریات کی کفالت کے لیے ہوتا ہے کہ کوئی اللہ تعالیٰ کی کفالت کی نیت پر دے گا تو وہ بھی دائرہ اسلام سے خارج ہو جائے گا۔ اس کی مالی عبادت کا صرف اور صرف یہ مطلب ہے کہ اس کی رضا اور خوشنودی حاصل کرنے کے لیے جن مصارف میں استعمال کرنے اس نے حکم دیا ہے مال کو وہاں پر خرچ کر دیا جائے اسی لیے فرماتا ہے:

لَنْ يَنْتَظِرَ اللَّهُ لِحُومِهَا وَلَا دِمَائِهَا وَلَا كُنْ يَنْتَظِرُ  
التَّقْوَىٰ مِنْكُمْ ط (سورہ الحج آیت ۳۷)

اللہ کو نہیں پہنچیں گے ہرگز ان قربانیوں کے گوشت اور نہ ان کے خون ان پہنچتا ہے اس کی بارگاہ میں تمہاری طرف سے تقویٰ اور خلوص۔ علاوہ ازیں تحائف اور ہدایا نبی کریم علیہ السلام نے قبول بھی فرماتے عطا بھی فرماتے اور اللہ تعالیٰ نے قبول کرنے کی اجازت بھی دی ہے جو ابی تحفہ اور ہدیہ دینے کا حکم بھی دیا ہے :

وَإِذَا حُيِّتُمْ بِتَحِيَّاتٍ فَجِوَابًا حَسَنًا أَوْرُدُوهَا  
(سورہ النساء آیت ۸۶)

اور ان کو یا ایصالِ ثواب کو نذرانے اور نذر و نیاز کہہ دینا محباب نہیں ہے اور حقیقی شرعی معنی قطعاً مراد نہیں ہے شاہ اسماعیل دہلوی صاحب "طریق مستقیم" میں حضرت سعد رضی اللہ عنہ کا والد ماجدہ کی طرف سے کنواں دوکر صدقہ کرنا وغیرہ ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں :



پس امور مردّہ یعنی اموات کے فاتحہ اور عرس اور نذر و نیاز میں بات کی خوبی میں کچھ شک و شبہ نہیں۔ ص ۹۳ اور بزرگوں کی نذر و نیاز کا بیان یہ ہے کہ اس امر کی اصل اگرچہ بہت عمدہ اور شرع کے موافق ہے سوال یہ ہے کہ اگر نذر و نیاز صرف مالی عبادت کا نام ہے تو غیر کے حق میں اس کی اچھائی میں کیوں کلام اور بحث نہیں اور اس پر ردّ و اور اعتراض و انکار کی کیوں گنجائش نہیں ہے۔ لہذا مشرکین کی طرف سے معبوداتِ باطلہ کے لیے مالی عبادت پر اولیاء اللہ اور محبوبانِ خداوند تعالیٰ کے لیے بطور ایصالِ ثواب کیے جانے والے مالی صدقات یا زندگی میں کیے جانے والے ہدایا اور تحائف کا قیاس کرنا سراسر زیادتی، حکم اور سینہ زور حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ شہداء امدادیہ اور فیصلہ ہفتہ میں عرس، گیارہویں اور تیجے ساتویں اور چالیسویں وغیرہ کے متعلق یہ منصفانہ گفتگو فرمائی ہے۔ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

حنبلی کے نزدیک جمعرات کے دن کتاب احیاء العلوم تبرکاً ہوتی تھی ختم ہوئی تبرکاً دودھ لایا گیا اور بعد دعا کے کچھ حالات مصنف کے لیے گئے۔ طریق نذر و نیاز قدیم زمانے سے جاری ہے اس زمانے میں انکار کرتے ہیں۔ (شہداء امدادیہ ص ۱۰۳ حصہ دوم)

جب ثنوی شریف ختم ہو گئی بعد ختم حکم شربت بنانے کا ہوا اور ان فرمایا کہ اس پر مولانا روم کی نیاز بھی کی جائے گی۔ گیارہ گیارہ بار سوہا



پڑھ کر نیاز کی گئی اور شربت بٹنا شروع ہوا۔

آپ نے فرمایا کہ نیاز کے دو معنی ہیں۔ ایک عجز اور بندگی اور وہ سوائے خدا کے دوسرے کے لیے نہیں ہے بلکہ ناجائز اور شرک ہے۔ دوسرے خدا کی نذر اور ثواب خدا تعالیٰ کے بندوں کو پہنچانا۔ یہ جائز ہے لوگ انکار کرتے ہیں۔ اس میں کیا خرابی ہے اگر کسی عمل میں عوارض غیر مشروعہ لاحق ہوں تو ان عوارض کو دور کرنا چاہیے نہ کہ اصل عمل سے انکار کیا جائے ایسے امور سے منع کرنا خیر کثیر سے محروم رکھنا ہے۔ (شما تم امداد یہ حصہ دوم ص ۶)

**فائدہ :** ان دونوں عبارتوں سے معلوم ہوا کہ نذر و نیاز قدیم زمانہ سے بھی جاری ہے اور مکہ مکرمہ میں بھی احیاء العلوم اور ثنوی شریف کے ختم پر مولانا روم اور حضرت امام غزالی رحمہما اللہ کے لیے دی جاتی تھی اور نذر و نیاز بمعنی ایصالِ ثواب بھی ہے اور یہی اہل السنّت کی مراد ہوتی ہے نہ بمعنی عبادت اور بندگی۔

پس یہ ہیئتِ مروجہ ایصالِ ثواب کی کسی قوم سے منحصر نہیں، اور گیارہویں حضرت غوث پاک قدس سرہ کی اور دسواں، بیسواں، چہلم، ہشتاویں اور سالیانہ وغیرہ اور توشہ حضرت شیخ عبدالحق راولوی رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت شاہ بوعلی قلندر رحمۃ اللہ علیہ و حلوائے شب برارت اور دیگر طریق ایصالِ ثواب کے اسی قاعدے پر مبنی ہیں اور مشرب فقیر کا اس مسئلہ میں یہ ہے کہ فقیر یا بند اس ہیئت کا نہیں ہے مگر کرنے والوں پر انکار بھی نہیں کرتا۔ (فیصلہ ہفت مسئلہ نمبر ۷)



کتنی تعجب اور حیرت کی بات ہے کہ مریدین ان امور کو شرک قرار دیتے ہیں اور پیر و مرشد ان کو جائز فرماتے ہیں اور مباح ٹھہراتے ہیں۔ مگر مریدان باصفا اپنے خدا رسیدہ اور خدا رسا شیخ طریقت کا نہ فتویٰ اور فیصلہ مانتے ہیں اور نہ خود ان پر اس فیصلہ کی وجہ سے فتویٰ لگاتے ہیں صرف ان کو اہل زمانہ کے رسوم سے نا آشنا اور بیگانہ تسلیم کر کے گلو خلاصی کرتے ہیں مگر اس طرح گلو خلاصی کیونکر ہو سکتی ہے وہ ہند میں رہے۔ اہل ہند کے عادات و رسومات کو دیکھا اور جہاں ہجرت کر کے پہنچے وہاں بھی اہل ہند حج و عمرہ کی صورت میں حاضر ہوتے ہی رہتے تھے آخر وہ اتنے پیغمبر کیسے ہو گئے کیا انہیں ہندوستان میں جو کچھ دیکھا تھا وہ بھول گیا تھا، یا اس وقت یہ رسوم و رواج نہیں تھے بعد میں شروع ہوئے۔ اور پھر رسوم و رواج کی حقیقت معلوم کیے بغیر وہ فیصلہ کرنے پر کمر بستہ کیونکر ہو گئے، اور کیا مولانا عبد السمیع صاحب بھی علماء دیوبند کے پیر بھاتی نہیں تھے! ان کا مشاہدہ اور علماء دیوبند کا مشاہدہ مختلف کیوں ہو گیا۔ سوائے اس کے کیا کہا جاسکتا ہے کہ اس فریق کو صرف اور صرف مسلمانوں پر رکیک حملوں اور انہیں کافر و مشرک قرار دینے کا از حد شوق تھا اور اس دُھن میں وہ کسی کی بھی بات سننے کو تیار نہیں تھے۔ خواہ علماء کلام فرمادیں:

فی دُعا الاحیاء للاموات و صدقتم عنہم نفع لہم

(عقائد نسفی و شرح)

زندہ لوگوں کے فوت شدگان کے لیے دُعا کرنے اور ان کی طرف سے



صدقہ دینے میں ان کے لیے نفع اور فائدہ ہے، خواہ مفسرین نذرمانی ہوئی  
گاتے کے جواز اور حلت کا قول کریں۔ (تفسیر احمدیہ ص ۲۹۶ ج ۱)

خواہ فقہار کرام تصریح فرماویں.... (رد مختار ص ۲۵۶، ص ۲۵۷ جلد ۴)

جملہ عبادات بدنیہ اور مالیہ قالیہ اور قالبیہ کا ثواب اموات کو پہنچانا  
جائز ہے۔ (طریقہ محمدیہ و مدیقہ ندیہ ص ۷۲۲ جلد ۲)

حتیٰ کہ قرآن مجید کا اعلان بھی ان کو متاثر نہ کر سکا۔ کس قدر مالی عبادت  
میں شراکت کی تصریح موجود ہے۔ یہ ہے اللہ کا حصہ اور یہ ہے ہمارے شریک  
کا حصہ بلکہ مزید برآں یہ کہ اگر اللہ تعالیٰ والے حصے سے کچھ کھجوریں وغیرہ  
اصنام و اوثان والے حصے میں مل جائیں تو واپس نہ کرتے مگر اللہ تعالیٰ کے  
حصہ میں معبوداتِ باطلہ کے حصہ سے شامل ہو جائیں تو فوراً واپس لیتے  
اسی طرح جانوروں میں سے حصہ نکالتے وقت بھی کرتے تھے۔

چنانچہ فرمانِ باری تعالیٰ ہے :

فَمَا كَانَ لَشُرَكَائِهِمْ فَلَا يَصِلُ إِلَى اللَّهِ وَمَا كَانَ  
لِللَّهِ فَهُوَ يَصِلُ إِلَى شُرَكَائِهِمْ سَاءَ مَا يَحْكُمُونَ ۝

(سُورَةُ الْاِنْعَامِ آيَةُ ۱۳۶)

علامہ عثمانی صاحب حضرت شاہ رفیع الدین صاحب کے حوالے سے

فرماتے ہیں :

کافر اپنی کھیتی میں سے اور مویشی کے بچوں میں سے اللہ تعالیٰ کی نیاز  
نکالتے اور بتوں کی بھی نیاز نکالتے۔ پھر بعض جانور اللہ کے نام کا بہتر دیکھا



تو بتوں کی طرف بدل دیا مگر بتوں کی طرف کا اللہ تعالیٰ کی طرف نہ کرتے  
 اس سے زیادہ ڈرتے تھے۔ اسی طرح غلہ وغیرہ میں سے (تا) اور بہانہ یہ کہتے  
 کہ اللہ تعالیٰ غنی ہے اس کا حصہ کم ہو جائے تو کیا پروا ہے بخلاف بتوں  
 کے کہ وہ ایسے نہیں۔

تماشا یہ ہے کہ یہ کہہ کر بھی شرماتے نہیں تھے کہ جو ایسے محتاج ہوں ان  
 کو معبود اور مستعان ٹھہرانا کہاں کی عقلمندی ہے۔

بہر حال ان آیات میں مشرکین کی اس تقسیم کار و کیا گیا ہے یعنی خدا کی  
 پیدا کی ہوئی کھیتی اور مویشی میں سے اول تو اس کے مقابل غیر اللہ کا حصہ  
 نکالنا پھر بری اور ناقص چیز خدا کی طرف رکھنا کس قدر ظلم اور بے انصافی ہے  
 اقول، شاہ صاحب کا ترجمہ من دون کا بالعموم ور لے اور نیچے والا ہوتا  
 اور علامہ سرفراز صاحب بھی انہیں سے یہ ترجمہ نقل کرتے اور اس کی تشریح  
 نیچے کے ساتھ کرتے ہیں لیکن معلوم ہوتا ہے کہ یہ ترجمہ یہاں بالکل نامناسب  
 ہے کیونکہ عملی طور پر انہوں نے اپنے معبودات کو اللہ تعالیٰ سے اوپر ہی مانا  
 الحاصل کافروں جنوں یا بتوں وغیرہ کی مالی عبادت اور مقبولانِ بارگاہِ  
 خداوند تعالیٰ کے ایصالِ ثواب اور ان کے ہایا اور تحائف میں چشمِ بینا کے لیے  
 روزِ روشن بلکہ دوپہر کے اُجالے کی طرح فرقِ روشن اور نمایاں ہے مگر کوئی  
 خود ہی آنکھیں بند کیے ہوتے ہو تو اس کا کیا علاج؟ اور اگر واقعی جہاں  
 میں کوئی ایسا فرد ہے کہ وہ غیر اللہ کی مالی عبادت کے طور پر مال صرف  
 کرتا ہے اور اسے ثواب پہنچانا، اس کی کفالت کرنا یا اس کے متعلقین



اور خدام کی ضروریات کی کفالت اس کے پیش نظر نہ ہو تو بالکل ناجائز، حرام اور کفر و شرک ہے۔

## گلدستہ توحید

۹۔ قرآن کا فیصلہ ہے کہ خدا کے نیک بندوں کو اس کے ورے کا راسخ بنانے سے انسان کافر ہو جاتا ہے :

أَفَحَسِبَ الَّذِينَ كَفَرُوا أَن يَتَّخِذُوا عِبَادِي مِن دُونِي أَوْلِيَاءَ ط

(سورہ کہف آیت ۱۰۲)

کیا سمجھتے ہیں کافر کہ ٹھہرائیں میرے بندوں کو میرے ورے حمایتی۔ (ص ۵۲)

۱۰۔ قرآن کریم میں منافقین کے فعل ریا کی تردید یراؤن الناس سے کی گئی ہے اور حدیث شریف میں ہے ان الیسیر من الریاء شرك کہ تھوڑا سا دکھاوا بھی شرک ہے

۱۱۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نجران کے عیسائیوں کو خط لکھوایا جس میں آپ نے یہ بھی ارشاد فرمایا :

اما بعد فانی ادعوکم الی عبادۃ اللہ من عبادۃ العباد  
وادعوکم الی ولایۃ اللہ من ولایۃ العباد -

(تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۲۶۹ بحوالہ بیہقی)

اگر شرک صرف بُت پرستی کا نام ہوتا تو لوگوں کے دکھاوے کے لیے جو کام کیا جاوے اس پر شرک کا اطلاق کیسے صحیح ہوتا؟ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم



نے عبادۃ العباد اور ولایۃ العباد کی بجائے عبادۃ الاصنام اور عبادۃ الاوثان  
کیوں نہ فرما دیا۔ (ص ۵۴)

## گلشنِ توحید و رسالت

علامہ صاحب نے پتہ نہیں کہاں سے یہ غلط قول سُنا ہے کہ سوائے  
بتوں اور اصنام و اوثان کے کسی کی عبادت کفر و شرک نہیں ہے اور کونسا  
پاگل ہو گا جو ایسا بیہودہ قول کرے گا۔ البتہ ہم اس کے قائل و معترف اور  
ذعن و معتقد ہیں کہ کسی احمق کی حماقت اور جاہل کی جہالت اور کافر و مشرک  
کے کفر و شرک کی وجہ سے ان مقبولانِ خداوند تعالیٰ رسل کرام اور اولیاءِ عظام  
اور ملائکہ مقربین کی خُداداد قوتیں اور طاقتیں، صفاتِ کمال، اور عالی  
استعدادات سلب نہیں ہو جاتیں اور ان کو پتھر کے مجسموں کی مانند عاجز و  
بے بس اور مجبور و معذور اور جاہل و بے علم اور بے خبر و بے شعور قرار دینا  
سراسر گستاخی و بے ادبی، بیباکی و جسارت اور بے دینی و بے ایمانی ہے۔  
علاوہ ازیں عبادت الگ چیز ہے اور تعظیم و تکریم علیحدہ امر ہے، اولیاءِ  
غیر اللہ میں اثبات کے شرک ہونے میں کلام نہیں ہے اور ثانی کے مقبولانِ بارگاہ  
کے حق میں فرض و واجب اور لازم ہونے میں شک و شبہ کی گنجائش نہیں ہے

## انبیاء و اولیاء کی ولایتِ حمایت

رہا معاملہ ولایت اور حمایت کا تو اللہ تعالیٰ کی ولایت و حمایت اس



کی شان کے لائق ہے اور اولیاء کرام اور محبوبانِ بارگاہِ عزت کی ولایت و حمایت ان کی شان کے لائق ہے مطلق ولایت کا انکار جہالت بلکہ انکارِ نصوح کے مترادف ہے اور اللہ تعالیٰ کی ولایت و حمایت جیسی ولایت و حمایت غیر اللہ کے لیے ثابت کرنا سراسر کفر و شرک ہے۔ فرمانِ خداوند تعالیٰ ہے:

إِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللَّهُ وَرَسُولُهُ وَالَّذِينَ آمَنُوا

(سُورَةُ مَائِدَةَ آيَةُ ۵۵)

تمہارا ولی اور حمایتی صرف اللہ تعالیٰ ہے اور اس کے رسولِ مقبولؐ اور اہل ایمان۔

یہ کلماتِ طیبات عبد اللہ بن سلام اور ان کے ساتھیوں کے حق میں نازل ہوئے جو بانی اسلام کی نبوت و رسالت پر ایمان لائے اور یہودیت ترک کر دی تو یہودیوں نے ان سے بائیکاٹ کر دیا اور ہر طرح کا تعلق ختم کر دیا، تو اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنی اور رسولِ معظمؐ اور اہل اسلام کی حمایت اور امداد و اعانت کا مژدہ سنایا۔ قال تعالیٰ:

۲- وَالظَّالِمُونَ مَا لَهُمْ مِنْ وَوَلِيٍّ وَلَا نَصِيرٍ ۝ (سُورَةُ شُورَى آيَةُ ۸)

۳- وَمَنْ يُضِلِلْ فَلَنْ تَجِدَ لَهُ وَلِيًّا مُرْشِدًا ۝ (سُورَةُ كَهْفِ آيَةُ ۱۷)

۴- وَمَنْ يُضِلِلِ اللَّهُ فَمَا لَهُ مِنْ وَوَلِيٍّ مِّنْ بَعْدِهِ ۝ (سُورَةُ شُورَى آيَةُ ۲۲)

یعنی ظالموں اور گم گشتگانِ بادیہ ضلالت کے لیے کوئی ولی و نصیر اور ولی و مرشد اور معاون و مددگار اور راہِ راست پر چلانے والا نہیں ہے۔

۵- وَاجْعَلْ لَّنَا مِن لَّدُنكَ وَلِيًّا ۝ وَاجْعَلْ لَّنَا مِن لَّدُنكَ نَصِيرًا

(سُورَةُ نَسْرِ آيَةُ ۷۵)

اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم۔



اور بنا ہمارے لیے اپنے پاس سے ولی اور حمایتی اور بنا ہمارے لیے اپنے پاس سے نصیر اور مددگار۔

۶- فَإِنَّ اللَّهَ هُوَ مَوْلَاهُ وَجِبْرِيلُ وَصَالِحُ الْمُؤْمِنِينَ

وَالْمَلَائِكَةُ بَعْدَ ذَلِكَ ظَهِيرٌ ۝ (سورہ تحریم آیت ۴)

پس تحقیق اللہ تعالیٰ اپنے رسول کا مولیٰ ہے اور جبریل اور نیکو کار مومنین اور ان کے علاوہ تمام ملائکہ پشت پناہ اور مددگار ہیں۔

۷- وَالْمُؤْمِنُونَ وَالْمُؤْمِنَاتُ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ

(سورہ توبہ آیت ۷۱)

اور مومن مرد اور عورتیں ایک دوسرے کے معاون و مددگار ہیں۔

۸- لَا يَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُونَ الْكَافِرِينَ أَوْلِيَاءَ مِنْ دُونِ الْمُؤْمِنِينَ

(سورہ آل عمران آیت ۲۸)

نہ بنائیں اہل ایمان کافروں کو دوست مسلمانوں کو چھوڑ کر۔

وَمَنْ يَفْعَلْ ذَلِكَ فَلَيْسَ مِنَ اللَّهِ فِي شَيْءٍ (سورہ آل عمران آیت ۲۸)

اور جو کوئی یہ کام کرے تو نہیں اس کو اللہ تعالیٰ سے کوئی تعلق وغیر ذلک

من الآیات۔

## علامہ صاحب کی پیش کردہ آیت کا صحیح مفہوم

وہ آیت کریمہ جس کے ساتھ علامہ سرفراز صاحب نے تمسک کرتے

ہوئے ولایت کو شرک قرار دیا ہے اس کا معنی و مفہوم یہ ہے کہ کیا منکرین



یہ سمجھتے ہیں کہ حضرت عزیر اور حضرت مسیح اور دیگر مقربانِ خداوند تعالیٰ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے مقابلہ میں ان کی حمایت کریں گے، ہرگز ایسے نہیں ہوگا۔ وہ خود ان کی حرکات سے بیزاری کا اظہار فرمائیں گے اور تمہارے مقابل مدعی بن کر کھڑے ہوں۔ کذا فی الحاشیہ العثمانیہ۔

ان آیاتِ مبارکہ میں اللہ تعالیٰ کا مومنین کے لیے ولی ہونا اور رسولِ مختتم <sup>ﷺ</sup> کا ان کے لیے ولی ہونا اور ان کا آپس میں ایک دوسرے کا ولی ہونا اور کفار و مشرکین اور ضال و گمراہ لوگوں کے لیے کسی کا ولی و مرشد نہ ہونا اور ظالمین و مشرکین کا ولایتِ خداوند تعالیٰ اور حمایتِ انبیاء اور اعانتِ اولیاء سے محروم ہونا واضح ہو گیا اور مومنین کی مومنین سے ہٹ کر کفار کیساتھ ولایت و حمایت اور دوستی اور محبت والے تعلق کا ممنوع ہونا واضح ہو گیا تو لامحالہ حدیث شریف میں جس ولایتِ عباد سے منع کیا گیا ہے وہ کفار اور دشمنانِ خداوند تعالیٰ کی ولایت ہے۔ نیز عیسائی لوگ اپنے حکمرانوں اور بادشاہوں کو سجدے کیا کرتے تھے اور ان کو خدائی درجہ دیتے تھے انہیں کو دیکھ کر اہل اسلام نے بھی عرض کیا تھا کہ رومی و فارسی اپنے بادشاہوں کو سجدے کرتے ہیں حالانکہ وہ دشمنانِ خداوند تعالیٰ ہیں، تو آپ اس کے زیادہ حقدار ہیں، تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا :

”میرے دین میں غیر اللہ کو سجدہ کی اجازت نہیں اگر اجازت ہوتی تو میں سب سے پہلے بیوی کو حکم دیتا کہ وہ اپنے خاوند کو سجدہ کرے۔ لہذا اس قسم کی ولایتِ عبادِ یتیماناً انکار کی حقدار ہے اور اس سے باز رہنا لازم اور ضروری



ہے۔ نیز ریا کاری کو شرکِ اصغر قرار دینا اس کے ذریعے دنیا داروں کی نظروں میں عزت پیدا کرنے کے لیے ہے ورنہ کوئی تعدیل ارکان کرے اور طویل رکوع و سجود اور طویل قرأت کرے اس لیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مجھے اس طرح نماز پڑھتے دیکھ کر خوش ہوں گے اور مجھ پر نگاہِ کرم اور نظرِ شفقت فرمادیں گے اور عبادت پر مداومت اور مواظبت کی دُعا دیں گے تو کیا یہ بھی شرک ہوگا! ہرگز نہیں ہرگز نہیں بلکہ اس میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ثواب و جزا کی طرح اہل دنیا سے منفعت کی اُمید ورجا پیدا ہو جاتی ہے اس مشابہت کی بنا پر اس کو مجازاً شرک کہہ دیا جاتا ہے حالانکہ اس کے کبار میں سے ہونے پر بھی اتفاق نہیں کیا گیا چہ جائیکہ کفر و شرک جو کبار کی آخری حد ہے مگر علامہ صاحب کو شرک کا لفظ درکار ہے خواہ اس کا معنی اور حکم شرعی جو بھی ہو۔

اسی لیے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ کوئی شخص جب تک لوگوں کو مینگنی کی طرح حقیر نہ سمجھے تو وہ ایماندار نہیں ہو سکتا۔

لَا يُؤْمِنُ أَحَدٌ حَتَّىٰ يَكُونَ الْخَلْقَ عِنْدَهُ كَالْبَاعِرِ -

(مرقات مش ۶۸ جلد ۱۰)

لہذا اس میں بھی مقبولانِ بارگاہ کو شامل کرنا غلط ہے اور دنیا داروں اور مالداروں کی طرح انبیاء و رسل اور اولیاء کرام کو مینگنی کی طرح حقیر سمجھنے پر استدلال بھی سراسر غلط ہے۔ کیونکہ وہ شعائر اللہ سے ہیں اور ان کی تعظیم ضروری

ہے بلکہ جانِ اسلام اور رُوحِ ایمان ہے۔ قال اللہ تعالیٰ :

وَمَنْ يُعْظِمِ شَعَائِرَ اللَّهِ فَإِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوبِ

(سورہ الحج آیت ۳۲)



بلکہ جب ان کے قدموں سے مس ہو جانے والے پتھر اور پہاڑیاں شعائر اللہ سے ہیں اور ان کی تعظیم ایمانِ کامل اور اعتقادِ خالص کی دلیل ہے تو ان حضرات کی تعظیم و تکریم بطریقِ اولیٰ جانِ ایمان اور روحِ یقین ہوگی۔ قال تعالیٰ:

إِنَّ الصَّفَا وَالْحَرْوَةَ مِنْ شَعَائِرِ اللَّهِ (سُورَةُ الْبَقَرَةِ آيَةُ ۱۵۸)

وقال تعالیٰ:

وَاتَّخِذُوا مِنْ مَّقَامِ إِبْرَاهِيمَ مُصَلًّى ط (سُورَةُ الْبَقَرَةِ آيَةُ ۱۲۵)

اگر مقامِ ابراہیم کے قرب میں پڑھی جانے والی نماز حرمِ پاک کے دیگر حصّوں میں پڑھی جانے والی نمازوں سے زیادہ اجر و ثواب کی موجب ہے اور اس میں خیر و برکت اور قبولیت زیادہ ہے اور یقیناً ہے ورنہ اللہ تعالیٰ اس مقام پر بالخصوص نماز پڑھنے کا حکم کیوں دیتا تو ان حضرات کے قرب و جوار میں ادا کی جانے والی نماز بھی زندگی اور وصال ہر دو صورت میں زیادہ قبولیت اور خیر و برکت کی موجب ہوگی :

وكذا صرح به العلماء الاعلام - ملاحظه ہواشعة اللغات -

اما من اتخذ مسجدا في جوار صالح او صلي في مقبرته

وقصد به الاستظهار بروحه او وصول اثر ما من

اثار عبادته اليه لا التعظيم له والتوجه نحوه فلا

حرج عليه - (حاشیہ بخاری شریف ص ۸۶۵ جلد ثانی)

نوٹ: علامہ صاحب نے اس باب میں پیغمبرِ انِ کرام، فرشتوں، پیروں

مولویوں اور جنّات کی پرستش کا شرک ہونا ثابت کرنا تھا لیکن ساتھ ہی ہمتوانت



کے موضوع اور عنوان سے متعلق بحث چھیڑ دی اور ایمان ابی طالب کے معاملہ میں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بے بسی اور عبد اللہ بن ابی منافق کی مغفرت و بخشش کے معاملہ میں مجبوری ثابت کر کے آپ کے مشککتا، اور حاجت روانہ ہونے پر اپنے زعم میں قطعی دلیل قائم کر دی ہے اور اعلیٰ حضرت بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کو نشانہ بنایا ہے لیکن ہم اس دلیل پر تبصرہ آخری باب میں کریں گے انشاء اللہ تعالیٰ اس باب میں بظاہر علامہ سرفراز صاحب نے اصنام و اوثان کی عبادت میں شرک کے انحصار کی نفی کرنے کی سعی کی تھی لیکن درحقیقت انبیاء و اولیاء اور ملائکہ کی تعظیم و تکریم اور ادب و احترام کو بھی ممنوع اور شرک ٹھہرانے کی تمہیدی کارروائی کی تھی اس لیے ہم نے ہر دلیل کے اس پہلو کو ذرا تفصیل سے بیان کرنا ضروری سمجھا ورنہ جو عنوان انہوں نے قائم کیا اس کا نہ کوئی قائل تھا اور نہ ہی اس پر تردیدی دلائل قائم کرنے کی ضرورت ہی تھی۔



## باب ششم گلدستہ توحید

### بتوں کی اصل حقیقت کیا ہے؟

بعض حضرات مفسرین کرام نے من دون اللہ، غیر اللہ اور والذین

تدعون وغیرہ آیات کی تفسیر میں اصنام کی قید لگائی ہے۔

۱۔ عوام تو کیا بعض پڑھے لکھے طبقہ کو اس کا مطلب سمجھنے میں فاش غلطی ہوتی ہے۔ اس لیے زیادہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس غلطی کو دور کر دیا جائے دنیا میں کوئی بھی قوم ایسی نہیں گزری جس نے محض لکڑی، پتھر اور اینٹ کی بے جان صورت کو خدا، یا اللہ بنایا ہو۔ بلکہ بت تصویر اور مجسمہ جب بھی بنایا گیا کسی جاندار مخلوق بلکہ بزرگوں، پیغمبروں اور نیک بندوں کے نام اور شکل پر ہی بنایا گیا اور بتوں سے وہ کام لیا گیا جو نااہل لوگوں نے تصویرِ شیخ سے یا عالی لوگوں نے فوٹو اور تصویر سے لیا کہ ان کے سامنے رکھنے سے ذی صورت اور صاحب تصویر کا خیال جم جاتا ہے اور سمجھتی

واقع ہوتی ہے اور خیالات پر اگندہ نہیں ہوتے۔ (ص ۵)

۲۔ بھلا یہ کیونکر ہو سکتا ہے کہ ایک من کی لکڑی یا پتھر حاجت روا اور مسجود نہ ہو سکے لیکن جب اس کو چھیل کر یا تراش کر وٹل سیر کر دیں تو وہ سب کچھ کر سکے؟ بات یہ ہے کہ بن گھڑے پتھر اور لکڑی میں اس ہستی کی سی آنکھیں، ناک اور کان وغیرہ نہیں ہوتے مگر جب صنم اس کی شکل پر بن گیا



تو صاحبِ مجسمہ کے نام پر وہ قبلہ توجہ ہو گیا لیکن اصل عقیدت اور محبت لکڑی سے نہیں بلکہ محبوب انسان وغیرہ سے ہے۔ (ص ۶۳)

۳۔ دنیا کا کوئی عقلمند انسان اس کو باور نہیں کر سکتا کہ کسی باہوش آدمی نے کبھی محض اینٹ اور پتھر وغیرہ کی عبادت کی ہے یہ جو کچھ بھی ہو پیغمبروں بزرگوں، جنوں اور دیگر باعزت اور ذی رتبہ مخلوق کے نام پر ہی ہوا۔ کسی کا مجسمہ قبلہ توجہ سمجھا گیا تو کسی کا فوٹو۔ الخ (ص ۶۶)

## گلشنِ توحید و رسالت

علامہ سرفراز صاحب کا قرآنی آیات سے اعراس اور لغو دعویٰ

آپ نے علامہ صاحب کے بلند بانگ دعویٰ ملاحظہ کر لیے اور ان کا بُتوں کے معبود و مسجود حقیقی ہونے سے صریح انکار مشاہدہ کر لیا لیکن اس پورے باب میں کوئی آیت اور کوئی حدیث آپ کو نظر نہیں آئے گی جس سے علامہ صاحب نے اپنے دعویٰ کو مدلل اور مبہن کیا ہو ورنہ پچھلے ابواب میں انہوں نے بلا ضرورت و احتیاج بکثرت آیات اور احادیث بطور استدلال ذکر کرنے کی سعی فرمائی ہے اسی سے آپ کو اندازہ ہو گیا ہو گا کہ قرآن و حدیث سے جناب کے دعویٰ کی تائید و تصدیق نہیں ہوتی تھی اس لیے اس طرف سے صرف نظر اور پہلو تہی میں ہی عافیت سمجھی۔

اب ہم بتوفیق خداوند تعالیٰ و بتوسل محبوبانِ بارگاہِ قدس علامہ صاحب کے دعویٰ کی کلیت بھی اور اس کو بالکل بھی قرآن مجید کی مستعد آیات



اور احادیث سے باطل کرتے ہیں۔

علامہ صاحب نے اپنے دعویٰ میں عموم اور کلیت پیدا کرتے ہوئے کہا جو کچھ بھی ہوا پیغمبروں، بزرگوں، جنوں اور دیگر باعزت اور ذی رتبہ مخلوق کے نام پر ہی ہوا۔ اس دعویٰ کی کلیت اور عموم کا ابطال اور لغویت بنی اسرائیل کے گنو سالہ کی پرستش سے ظاہر ہے کیونکہ وہ پوجا تو اللہ تعالیٰ کی کرنا چاہتے تھے اور اس کے لیے انہوں نے یہ مجسمہ تیار کیا اور اس کے سامنے سر بسجود ہو گئے اور اس کو اللہ قرار دیتے ہوئے کہا ہذا اللہکم واللہ موسیٰ تو کیا بنی اسرائیل نے اس مجسمہ کو بھی واقعی اللہ تعالیٰ کی ذات مقدسہ کے مطابق تیار کیا تھا اور اس میں اس ہستی مقدس کی سی آنکھیں، ناک اور کان وغیرہ بنائے تھے؟ اور جب انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے عرض کیا تھا:

جَعَلْنَا لِلَّهِ كَمَا لَهُمْ إِلَهَةٌ ط (سورہ اعراف ۱۳۸)

تو کیا وہاں بھی انہوں نے ربِّ کریم کی شکل و صورت کا کوئی مجسمہ دیکھا تھا؟ نعوذ باللہ من ذلک۔ لہذا اس عموم اور کلیت کی لغویت ظاہر ہو گئی۔ نیز جناب والائے جنات اور ملائکہ کو معبوداتِ باطلہ میں شامل کیا اور ان کے ناموں پر بھی مجسمے بنے ہوئے تھے تو کیا انہوں نے واقعی ملائکہ کو دیکھا ہوا تھا اور جنات کا بھی مشاہدہ کیا ہوا تھا اور ان کی اشکال اور صورتوں پر ان مجسموں کے ناک، کان اور آنکھیں وغیرہ بنائے تھے؟ جب اللہ تعالیٰ کی رویت بھی محال اور اس کے لیے شکل و صورت اور بالخصوص



بچھڑے والی صورت و شکل محال اور ملائکہ کی رویت بھی ان کے لیے ناممکن اور جنات کا اصلی حالت میں دیکھنا بھی ان کے لیے مشکل اور متعذر کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :

إِنَّهُ يَرَاكُمْ هُوَ وَقَبِيلُهُ مِنْ حَيْثُ لَا تَرَوْنَهُمْ ط

(سورہ الاعراف ۲۷)

شیطان اور اس کا قبیلہ تمہیں وہاں سے دیکھتا ہے جہاں سے تم ان کو نہیں دیکھ سکتے اور جب شیطان اور جن نظر نہیں آسکتے حالانکہ ناری ہیں تو نوری بطریق اولیٰ اور جب عام مومنین کو نظر نہیں آسکتے تو کافروں کو کیونکر نظر آسکتے تھے۔ تو پھر یہ مجسمے اور تماثیل و تصاویر صاحب مجسمہ اور صاحب تصویر کے لیے قبلہ توجہ کیونکر بن گئے اور کس مناسبت اور مشابہت کی وجہ سے ؟

۲۔ نیز نبی مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ روز قیامت اللہ تعالیٰ کی طرف سے منادی اعلان کرے گا :

لِيَتَّبِعَ كُلُّ أُمَّةٍ مَا كَانَتْ تَعْبُدُ -

ہر امت اور گروہ اپنے اپنے معبودات کے پیچھے چلے اور ان کی اتباع کرے۔

فَلَا يَبْقَىٰ أَحَدٌ كَانَ يَعْبُدُ غَيْرَ اللَّهِ مِنَ الْأَصْنَامِ وَالْأَنْصَابِ

الْآتِي سَاقِطُونَ فِي النَّارِ (الحديث متفق عليه مشكوة باب بحوض الشفاعة)

پس کوئی بھی شخص باقی نہ رہے گا جو غیر اللہ کی عبادت کرتا تھا اصنام کی



یا انصاب کی گر آتش دوزخ میں گر پڑیں گے اور صرف وہی لوگ باقی بچ جائیں گے جو صرف اللہ وحدہ کی عبادت کرتے تھے خواہ مشقی اور پرہیزگار خواہ فاسق اور گنہگار۔

اس بخاری اور مسلم کی متفق علیہ روایت کے مطابق (جس کا انکار بقول علامہ علی قاری اور علامہ بدرالدین عینی اور علامہ ابن حجر عسقلانی الحاد اور بے دینی اور زندقیت ہے) یہ تسلیم کرنا لازم کہ جہنم میں بتوں کے ساتھ ساتھ انصاب بھی گریں گے۔ اور انصاب نصب کی جمع ہے جس سے مراد ہے؛ سنگے کہ برپا کردہ شود و عبادت کردہ شود اور اذبح کردہ شود نزد وہ بقصد تبرک طاعت وہ پتھر جس کو زمین میں گاڑ کر کھڑا کیا جائے گا اور اس کی عبادت کی جائے اور اس کے قریب تبرک اور اطاعت کے طور پر جانوروں کو ذبح کیا جائے۔ علامہ علی قاری قرأت میں فرماتے ہیں وہی حجارة كانت تنصب و تعبد من دون الله و یذبحون علیها تقربا الیٰ الٰہتہم و کل ما نصب و اعتقد تعظیمہ من الحجر والشجر فهو لنصب

(صفحہ نمبر ۲۸۸ جلد نمبر ۱)

اور وہ پتھر ہیں جن کو گاڑا جاتا اور پوجا کی جاتی اور ان پر جانوروں کو ذبح کرتے اپنے معبودات کا تقرب حاصل کرنے کے لیے اور ہر وہ شے جس کو کھڑا کیا جائے اور اسکی تعظیم کا قصد کیا جائے پتھر ہو یا درخت ہو پس وہ نصب ہے اب تو واضح ہو گیا کہ بغیر تراش خراش اور کان ناک اور آنکھیں بنانے

بغیر بھی پتھر پوجے جاتے تھے۔

لہ (اشعة اللمعات ص ۲۱۲ ج ۲)



امام راغب صاحب اصفہانی المفردات فی غرائب القرآن میں فرماتے ہیں  
 وكان للعرب حجارة تعبدھا وتذبح علیھا - (۴۹۴)

عربوں کے ہاں پتھر تھے جن کی عبادت کرتے تھے اور ان پر جانور ذبح  
 کرتے تھے۔

علامہ صاحب تو عام عقلمند کے متعلق کہتے ہیں کہ وہ باور نہیں کر سکتا کہ کسی  
 باہوش آدمی نے کبھی محض اینٹ اور پتھر کی عبادت کی ہو اور یہاں ساری  
 مخلوق کے مجموعی عقل سے بھی ہزاروں گنا زیادہ عقل و خرد کی مالک ہستی فرما  
 رہی ہے کہ وہ بن گھڑے پتھروں کی عبادت کرتے تھے جن کے باہوش و حواس  
 اور صاحب عقل و خرد ہونے پر علامہ صاحب کے گلدستہ کا پورا باب گواہ  
 نیز انصاب کا اصنام پر بطور عطف ذکر کر کے اور ان کو اللہ تعالیٰ کے علاوہ  
 معبودات کی تفسیر میں ذکر کر کے واضح فرمادیا کہ بن تراش خراش اور بزرگوں  
 پیروں، مولویوں، ملائکہ اور انبیاء و اولیاء جیسی آنکھیں اور ناک کان وغیرہ  
 بنائے بغیر بھی اجمار و اشجار کی پوجا کی جاتی تھی۔ لہذا علامہ صاحب نے  
 اس دعویٰ میں کسی اچھی قابلیت کا مظاہرہ نہیں کیا بلکہ اللہ تعالیٰ اور  
 رسول مقبول علیہ الصلوٰۃ والسلام کو جھٹلانے کی مذموم سعی کی ہے۔

۴۔ اُبُر جاعطاروی کہتے ہیں :

كفنا بعد الحجر فاذا وجدنا حجراً هو خير منه  
 القيناہ واخذنا الآخر فاذا لم نجد حجراً جمعنا  
 جثوة من تراب ثم جئنا بالشاة فحلبنا علیہ



شم طفنابہ - (بخاری شریف جلد دوم ص ۶۲۸ و فی ردایۃ احسن و فی ردایۃ اخیر)

ہم پتھر پو جا کرتے پس جب ایسا پتھر پالیتے جو پہلے پتھر سے اچھا اور خوبصورت ہوتا تو پہلے کو پھینک دیتے اور دوسرے کو لے لیتے اور جب کوئی پتھر دستیاب نہ ہوتا تو مٹی کی ڈھیری بنا لیتے پھر اس پر بکری لا کر دودھ دوہتے پھر اس ڈھیری کے گرد طواف کرتے۔ اور تراج حدیث فرماتے ہیں کہ خیر اور حسن پتھر سے مراد اس کی سفیدی اور چمک دمک اور صفائی اور نرمی وغیرہ ہے۔ آپ نور ثرا بیتے کہ مشرک اور بت پرست تو اپنے زمانہ مشرک کی اپنی عادت و خصلت اور طریق کار خود یہ بتلائیں کہ ہم بن تراشے اور ان چھلے پتھر پوجتے تھے اور یہی ہماری عادت مستمرہ تھی، (جس طرح کہ فعل مضارع پر کان داخل کرنے سے استمرار فعل پر دلالت واضح ہوتی ہے) اور اگر پتھر بھی نہ دستیاب ہوتا تو مٹی کی ڈھیری بنا کر اوپر دودھ ڈال کر اس کے طواف کر لیتے تھے اور یوں شوق عبادت پورا کرتے تھے۔ مگر علامہ صاحب آنکھیں بند کر کے کہے جا رہے ہیں کوئی باہوش آدمی ایسے نہیں کر سکتا۔

۴۔ اہل فارس آگ پوجتے تھے اور زرتشت نے ان کو اس کی پوجا پاٹ پر لگا رکھا تھا اور ہزار سال تک اس آتشکدہ کو ٹھنڈا ہی نہیں ہونے دیا تھا۔ سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت باسعادت پر وہ یکدم بجھ گئی اور اپنے پوجنے والوں کو حیرت و استعجاب میں ڈال دیا۔ بہر کیف آگ میں کوئی شکل و صورت کسی پیغمبر اور فرشتے یا ولی کی نہیں، نہ انسانی آنکھیں



اور ناک کان اور نہ ہی یہ کسی کا قبلہ توجہ تو پھر اس کی پوجا شروع کیوں ہوتی اور صدیوں تک ایک مملکت کی معبود کیونکر بنی رہی اور آج بھی کچھ پارسی اس کی پوجا کرتے ہیں۔ تو علامہ صاحب کا یہ دعویٰ سراسر لغو اور باطل ٹھہرا کہ بغیر معظّم و محترم شخصیات کے پوجا پاٹ کسی شے کی نہیں کی گئی جن کی صورتیں و شکلیں ان معظّمین کی شکل و صورت پر نہ ہوں اور ان کو صرف قبلہ توجہ سمجھ کر پوجا گیا۔

۵۔ (۱) اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے :

لَا تَسْجُدُوا لِلشَّمْسِ وَلَا لِلْقَمَرِ وَاسْجُدُوا لِلّٰهِ الَّذِي  
خَلَقَهُنَّ اِنْ كُنْتُمْ اِيَّاهُ تَعْبُدُونَ ۝ (سورہ حم سجدہ آیت ۳۷)

اور نہ سجدہ کرو سورج کو اور نہ چاند کو اور سجدہ کرو اللہ تعالیٰ کی ذاتِ والا کو جس نے انہیں پیدا کیا اگر تم اسی کی پوجا کرنے والے ہو علامہ عثمانی فرماتے ہیں، سورج اور چاند وغیرہ کو پوجنے والے بھی یہی کہتے تھے کہ ہماری غرض ان چیزوں کی پرستش سے اللہ تعالیٰ کی پرستش ہے مگر اللہ تعالیٰ نے بتلادیا کہ یہ چیزیں پرستش کے لائق نہیں۔

(ب) حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قوم اصنام کے علاوہ سورج، چاند اور ستاروں کی پوجا کرتی تھی آپ نے سارے کو دیکھ کر فرمایا کیا بقول تمہارے یہ میرا رب ہے جب وہ غروب ہو گیا تو کہا میں غروب ہونے والوں کو محبوب نہیں بناتا۔ جب چمکتے چاند کو دیکھتا تو فرمایا تمہارے عقیدہ کے مطابق کیا یہ میرا رب ہے جب وہ غائب ہو گیا تو کہا اگر مجھے میرا رب ہدایت نہ دے



تو بیشک میں گم رہوں میں سے ہو جاؤں گا۔ پھر سورج جھلکتا دیکھا تو کہا ہذا  
رَبِّي هَذَا اَكْبَرُ۔ کیا تمہارے زعم میں یہ میرا رب ہے یہ تو سب سیاروں میں  
بڑا ہے، جب وہ بھی غروب ہو گیا تو کہا:

يَقَوْمِ اِنِّي بَرِيٌّ مِّمَّا تَشْرِكُونَ ۝ (سُوۃ الانعام آیت ۷۸)

اے میری قوم میں بیزار ہوں ان سے جن کو تم شریک ٹھہراتے ہو۔  
علامہ صاحب فرماتے سورج چاند اور ستارے کس پیغمبر اور فرشتے یا  
ولی اور پیر یا مولوی کی شکل پر تھے؟ تم تو اس پر حیران تھے کہ ایک من کا  
پتھر اور لکڑی معبود و مسجود اور حاجت روا نہ ہو سکے اور تراش خراش  
کے بعد دس سیر رہ جائے تو معبود و مسجود اور حاجت روا بن جائے اب تو  
ہم نے آپ کو دکھلا دیا کہ وہ ہزاروں، لاکھوں ٹن مٹی، ریت اور پہاڑوں  
پتھروں کے مجموعہ کی پوجا پاٹ کرتے تھے۔ شاید علامہ صاحب کے نزدیک  
یہ بیہوشی کی حالت میں کرتے ہوں گے۔ مگر یہ دعویٰ بھی ناقابل اعتداد و  
اعتبار ہے ورنہ حضرت ابراہیم علیہ السلام ان سے مناظرہ ہی کیوں کرتے اور  
ان کے خلاف اس طرح جھٹتیں اور دلیلیں کیوں قائم فرماتے اور اللہ تعالیٰ  
اپنے خلیل کی فیصلہ کن دلیل اور لاجواب حجت اور مناظرہ میں فتح یابی کو  
اپنا کمالِ قدرت کیوں قرار دیتا ہے۔ فرمان باری تعالیٰ ہے:

وَتِلْكَ حُجَّتُنَا آتَيْنَاهَا اِبْرٰهِيْمَ عَلٰى قَوْمِهٖ لِيَرْفَعُوْا دَرَجٰتِهٖ

مَنْ نَشَاءُ اِنْ رَّبِّكَ حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ ۝ (سُوۃ الانعام آیت ۸۳)

وہ عظیم الشان حجت و دلیل ہماری دلیل و حجت ہے۔ ہم بلند کرتے



ہیں از روئے درجات جس کو چاہیں، بلاشبہ آپ کا رب حکمت والا، دائمی علم والا ہے۔

الغرض واضح ہو گیا کہ انسانی شکل و صورت یا معظمین و مکرہین کے صور و اشکال پر تراش خراش ان کے ہاں ضروری نہیں تھی اور مجسمہ سے صاحب مجسمہ اور تصویر سے صاحب تصویر کی طرف توجہ مبذول کرنا اور اس مجسمہ و تصویر کو صرف اور صرف قبلہ توجہ بنانے کا عمومی دعویٰ اور اس کی کلیت پر اصرار اور استکبار سراسر لغو اور باطل ہے اور کتاب و سنت کے دلائل قاطعہ اور براہین باہرہ کے خلاف ہے۔

## کیا مشرکین پتھروں کے مصور مجسموں کو نہیں پوجتے تھے؟

اب ہم علامہ صاحب کے اس دعویٰ کو بنیاد و بن سے اُکھیرتے ہیں کہ مشرکین صرف اور صرف قبلہ توجہ سمجھ کر ان مخصوص اجسام اور صور و اشکال کو پوجتے تھے نہ کہ ان کی ذاتوں کو معبود و سجد اور حاجت روا اور شکل کُنا سمجھتے تھے۔ قرآن گواہ ہے کہ علامہ صاحب اس دعویٰ میں سراسر جھوٹے ہیں اور آپ نے بالکل غلط دعویٰ کیا ہے، اس باب نے ان کا قرآن فہمی اور شیخ القرآن ہونے کا دعویٰ خاک میں ملا دیا ہے۔

۱۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے آذر کو کہا :

اتَّخِذْ أَصْنَامًا إِلَهًا إِنِّي أَرَاكَ وَقَوْمَكَ فِي ضَلٰلٍ مُّبِينٍ ۝

(سورہ الانعام آیت ۷۴)



کیا تو مانتا ہے بتوں کو خدا، میں دیکھتا ہوں کہ تو اور تیری قوم صریح گمراہی میں ہے۔ علامہ عثمانی فرماتے ہیں، اس سے زیادہ صریح اور صاف گمراہی کیا ہوگی کہ اکرم المخلوقات انسان اپنے ہاتھ سے تراشے پتھروں کو خدائی کا درجہ دے کر ان کے سامنے سر بسجود ہو جائے اور انہیں سے مرادیں مانگنے لگے۔

۲۔ اِذْ قَالَ لِاٰبِيْهِ وَقَوْمِهِ مَا هٰذِهِ التَّمٰثِيْلُ الَّتِي خٰنْتُمْ لَهَا عَاكِفُوْنَ ۝ قَالُوْٓا وَاٰبَاؤُنَا لَهَا عِبِدِيْنَ ۝ قَالَ لَقَدْ كُنْتُمْ اَنْتُمْ وَاٰبَاؤُكُمْ فِى ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝

(سُوۃ الانبیاء آیت ۵۲-۵۳-۵۴)

جب کہا اس نے اپنے باپ کو اور قوم کو یہ کیسی مورتیاں ہیں جن پر تم مجاور بنے بیٹھے ہو۔ بولے ہم نے پایا اپنے باپ دادوں کو ان کی پوجا کرتے ہوئے بولا مقرر رہے تم اور تمہارے باپ دادے صریح گمراہی میں یعنی اس کی حقیقت تو بیان کر دو کہ آخر پتھر کی خود تراشیدہ مورتیاں خدا کس طرح بن گئی۔ (ص ۶۲) یعنی عقل و فطرت اور نقل معتمد بہ کی کوئی شہادت ہماری تائید میں نہیں ہے تو نہ سہی لیکن بڑی بھاری دلیل بُت پرستی کے حق اور صواب ہونے کی یہ ہے کہ اوپر سے ہمارے باپ دادا ان ہی کی پوجا کرتے چلے آئے ہیں پھر ہم اپنے بڑوں کا طریقہ کیسے چھوڑ دیں۔

(حاشیہ عثمانی صاحب)

ابراہیم علیہ السلام نے کہا:



وَتَاللّٰهِ لَا كَيْدَ نَّ اَصْنَا مَكْمٌ بَعْدَ اَنْ تُوْلُوْا مَدْبِرِيْنَ ۝

(سُورَةُ الْاَنْبِيَاءِ آيَةُ ۵۷)

قَالُوْا مَنْ فَعَلَ هٰذَا بِالِهَيْتِنَاۤ اِنَّهٗ لَمِنَ الظّٰلِمِيْنَ ۝

(سُورَةُ الْاَنْبِيَاءِ آيَةُ ۵۹)

اور قسم اللہ کی میں علاج کروں گا تمہارے بتوں کا جب تم جاچکو گے پھر کر ڈالا ان کو ٹکڑے ٹکڑے مگر ایک بڑا ان کا شاید اس کی طرف رجوع کریں۔ کہنے لگے کس نے یہ کام ہمارے معبودوں کے ساتھ کیا وہ تو کوئی بے انصاف ہے۔

۴۔ قَالُوْا اَنْتَ فَعَلْتَ هٰذَا بِالِهَيْتِنَاۤ يَا اِبْرٰهِيْمُ ۝ قَالَ بَلْ فَعَلَهُ بَطُوْلٌ فَسْئَلُوْهُمْ اِنْ كَانُوْا يَنْصِقُوْنَ ۝

(سُورَةُ الْاَنْبِيَاءِ آيَةُ ۶۲-۶۳)

بولے کیا تو نے کیا ہے یہ ہمارے معبودوں کے ساتھ اسے ابراہیم، بولا نہیں پر یہ کیا ہے ان کے اس بڑے نے سو ان سے پوچھ لو اگر وہ بولتے ہیں!

لَقَدْ عَلِمْتُمْ اٰهْوٰٓءَ الَّذِيْنَ يَنْصِقُوْنَ ۝ (سُورَةُ الْاَنْبِيَاءِ آيَةُ ۶۵)

تو تو جانتا ہے جیسا یہ بولتے ہیں۔

یعنی جان بوجھ کر ہم سے ایسی ناممکن بات کا مطالبہ کیوں کرتا ہے،

کہیں پتھر بھی بولے ہیں۔ (حاشیہ عثمانی صاحب)

۵۔ قَالَ اَفَتَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُكُمْ شَيْئًا



وَلَا يَضُرُّكُمْ ۚ أَفِ لَكُمْ وَلِمَا تَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ

(سورہ الانبیاء آیت ۶۶ - ۶۷)

أَفَلَا تَعْقِلُونَ ۝

بولا کیا پھر تم پوجتے ہو اللہ تعالیٰ سے ورے ایسے کو جو تمہارا کچھ بھلا  
نہ کر سکے اور نہ بُرا۔ بیزار ہوں میں تم سے اور جن کو تم پوجتے ہو اللہ کے  
سوا، کیا تم کو سمجھ نہیں ہے۔

یعنی پھر تم کو ڈوب کرنا چاہیے کہ جو مُورتی ایک لفظ نہ بول سکے، کسی  
آڑے وقت کام نہ آسکے، ذرہ برابر نفع اور نقصان اس کے اختیار میں  
نہ ہو اسے خدائی کا درجہ دے رکھا ہے۔ کیا اتنی موٹی بات بھی تم نہیں  
سمجھ سکتے۔

(حاشیہ علامہ عثمانی)

۶۔ إِذْ قَالَ لِأَيُّهِمْ وَقَوْمِهِ مَا تَعْبُدُونَ ۚ قَالُوا نَعْبُدُ  
أَصْنَامًا فَنُظِلُّ لَهَا مِنْ كَيْفِيْنَ ۚ قَالَ هَلْ يَسْمَعُونَكُمْ  
إِذْ تَدْعُونَ ۚ أَوْ يَنْفَعُونَكُمْ ۚ أَوْ يَضُرُّونَ ۚ قَالُوا بَلْ  
وَجَدْنَا آبَاءَنَا كَذَلِكَ يَفْعَلُونَ ۚ قَالَ أَفَرَأَيْتُمْ مَا  
كُنْتُمْ تَعْبُدُونَ ۚ أَنْتُمْ وَأَبَاؤُكُمْ الْأَقْدَمُونَ ۚ فَانظُرْ  
عَدُوِّيَ إِلَّا رَبَّ الْعَالَمِينَ ۚ

(سورہ شعراء آیت ۷ تا ۱۷)

جب کہا اپنے باپ کو اور اس کی قوم کو تم کس کو پوجتے ہو وہ بولے  
ہم پوجتے ہیں مورتیوں کو پھر سارے دن انہیں کے پاس لگے بیٹھے رہتے ہیں  
کہا کچھ سنتے ہیں تمہارا کہا جب تم پکارتے ہو، یا کچھ بھلا کرتے ہیں  
تمہارا یا بُرا، بولے نہیں پر ہم نے پایا اپنے باپ دادوں کو یہی کرتے،



کہا بھلا دیکھتے ہو جن کو تم پوجتے رہے ہو تم اور تمہارے باپ دادے اگلے سووہ میرے دشمن ہیں مگر جہان کا رب ۔

یعنی ان منطقی بحثوں کو اور کٹھ ججتیوں کو ہم نہیں جانتے۔ نہ ہماری عقیدت اور پرستش کا دار و مدار ان باتوں پر ہے۔ بس سو ذلیلوں کی یہی ایک دلیل ہے کہ ہمارے بڑے اسی طرح کرتے چلے آئے کیا ہم ان سب کو حق سمجھ لیں۔ حاشیہ عثمانی صاحب۔ یعنی لو میں بے خوف و خطر اعلان کرتا ہوں کہ تمہارے ان معبودوں کے ساتھ میری لڑائی ہے میں ان کی گت بنا کر رہوں گا۔

تَاللّٰهِ لَا يَكِيْدُنْ اَصْنَٰمُكُمْ بَعْدَ اَنْ تُوْلُوْا مَدْبَرِيْنَ  
اگر ان میں کوئی طاقت ہے تو مجھ کو نقصان پہنچا دیکھیں۔ کما قال:

فِي مَوْضِعٍ اٰخِرٍ وَلَا اِخَافُ مَا تُشْرِكُوْنَ بِهٖ اِلَّا

اِنْ يَشَآءَ اللّٰهُ رَبِّيْ شَيْئًا - (علامہ عثمانی صاحب)

۷۔ فَرَاغَ اِلَى الْيَتِيْمِ فَقَالَ اَلَا تَاْكُلُوْنَ مَا لَكُمْ لَا

تَنْطَلِقُوْنَ ۝ فَرَاغَ عَلَيْهِمْ ضَرْبًا بِالْيَمِيْنِ ۝ فَاَقْبَلُوْا اِلَيْهِ

بِرِئُوْنٍ ۝ قَالَ اَتَعْبُدُوْنَ مَا تَخْتُوْنَ ۝ وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ

وَمَا تَعْمَلُوْنَ ۝ (سورہ الصّٰفّٰت آیت ۹۱ تا ۹۶)

پھر جاگھسا ان کے بُتوں میں۔ پھر بولا تم کیوں نہیں کھاتے۔ تم کو کیا ہے کہ نہیں بولتے۔ پھر گھسا ان پر مارتا ہوا دائیں ہاتھ سے۔ پھر آئے لوگ اس پر دوڑ کر گھبراتے ہوئے۔ بولا کیوں پوجتے ہو جو تم آپ تراشتے ہو



اور اللہ نے بنایا تم کو اور جو تم بناتے ہو۔  
علامہ عثمانی دیوبندی نے کہا :

ابراہیم علیہ السلام کی غرض یہ ہی تھی کہ کوئی موقع فرصت اور تنہائی کا ملے تو ان جھوٹے خداؤں کی خبر لوں۔ چنانچہ بُت خانہ میں جا گھسے اور بُتوں کو خطاب کرتے ہوئے کہا، یہ کھانے اور چڑھاوے جو تمہارے سامنے رکھے ہوئے ہیں انہیں کیوں نہیں کھاتے باوجودیکہ تمہاری صورت کھانے والوں جیسی ہے۔ جب بُتوں کی طرف سے کھانے کے متعلق کچھ جواب نہ ملا تو کہنے لگا تم بولتے کیوں نہیں یعنی اعضاء اور صورت تمہاری تو انسانوں کی سی بنا دی لیکن انسانوں کی رُوح تم میں نہ ڈال سکے۔ پھر تعجب ہے کہ کھانے پینے اور بولنے والے انسان بے حس و حرکت انسان کے سامنے سر بسجود ہوں اور اپنی مہمت میں ان سے مدد طلب کریں۔ یعنی جس کسی نے بھی توڑا (اس کے بارے میں سوال مت کرو بلکہ یہ بتلاؤ) کہ تم یہ احمقانہ حرکت کرتے کیوں ہو کیا پتھر کی بے جان صورت جو خود تم نے اپنے ہاتھوں سے تراش کر تیار کی عبادت اور پرستش کے لائق ہوگی۔ اور وہ اللہ جو تمہارا اور تمہارے ہر ایک عمل اور معمول کا نیز ان پتھروں کا پیدا کرنے والا ہے اس سے کوئی سروکار نہ رہا؟ پیدا تو ہر چیز کو وہ کرے اور بندگی دوسروں کی ہونے لگے۔ پھر دوسرے بھی کیسے جو مخلوق در مخلوق ہیں، آخر یہ کیا اندھیر ہے۔

(حاشیہ عثمانی صاحب)

۸۔ اِنَّمَا تَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللّٰهِ اَوْثَانًا وَتَخْلُقُونَ اِفْكَاطًا



إِنَّ الَّذِينَ تَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ لَا يَمْلِكُونَ لَكُمْ رِزْقًا

(سورہ عنکبوت آیت ۱۷)

(ابراہیم علیہ السلام نے جبکہ اپنی قوم سے کہا) تو تم پوجتے ہو اللہ تعالیٰ کے سوا یہی بتوں کے تھان اور بناتے ہو جھوٹی باتیں۔ بے شک جن کو تم پوجتے ہو اللہ کے سوا وہ مالک نہیں تمہاری روزی کے۔

یعنی جھوٹے عقیدے تراشتے ہو اور جھوٹے خیالات اور ادھام کی پیروی کرتے ہو چنانچہ اپنے ہاتھوں سے یہ بت بنا کر کھڑے کر لیے ہیں جنہیں جھوٹ موٹ خدا کہنے لگے۔ (حاشیہ عثمانی صاحب)

۹- وَقَالَ إِنَّمَا اتَّخَذْتُمْ مِنْ دُونِ اللَّهِ أَوْثَانًا مَوَدَّةَ بَيْنِكُمْ

فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا ثُمَّ يَوْمَ الْقِيَامَةِ يَكْفُرُ بَعْضُكُمْ

بِبَعْضٍ وَيَلْعَنُ بَعْضُكُمْ بَعْضًا وَمَأْوَاكُمُ النَّارُ وَمَا

لَكُمْ مِنْ نَصِيرِينَ ۝ (سورہ عنکبوت آیت ۲۵)

اور ابراہیم بولا جو تم نے ٹھہرائے ہیں اللہ تعالیٰ کے سوا بتوں کے تھان سو دوستی کر کر آپس میں دنیا کی زندگانی میں۔ پھر دن قیامت کے منکر ہو جاؤ گے ایک دوسرے کے اور لعنت کرو گے ایک کو ایک اور ٹھکانا تمہارا دوزخ ہے اور کوئی نہیں تمہارا مددگار۔

## وجہ استدلال

۱- ان آیات کریمہ کو نظر تحقیق اور فکر عمیق سے دیکھنے پر مفسرین کرام کی



تفسیرات سے قطع نظر بھی صاف ظاہر ہو جاتا ہے اور حقیقی صورت حال کھل کر سامنے آ جاتی ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان کو ملائکہ اور انبیاء کا پیروں اور مولویوں وغیرہ کا پوجاری نہیں کہا بلکہ اصنام و اوثان کا جو ان کی اپنی تراش و خراش سے وجود میں آئے اور ان مورتیوں کا جو وہ آپ گھڑتے تھے اور انہوں نے بھی انہیں پر اللہ کا اطلاق کیا اور ان کی حقیقت کے متعلق اس سے زیادہ کچھ نہ بتلا سکے کہ ہم آباؤ اجداد کے مقلد محض ہیں ان کو دیکھا کہ ان مورتیوں اور مجسموں کی پوجا کرتے تھے لہذا ہم نے بھی پوجا شروع کر دی۔

۲۔ نیز حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان پر اور ان کے معبودات پر اُف کہی اور ان کے خلاف عداوت اور دشمنی کا اعلان کیا اگر یہ مجسمے صرف قبلہ توجہ تھے اور اصل معبودات ملائکہ اور انبیاء و اولیاء تھے تو لازم آیا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان پر اُف کہی ہو اور ان کے خلاف عداوت اور دشمنی کا اظہار کیا ہو، حالانکہ ان کی عداوت اور دشمنی اللہ تعالیٰ کے ساتھ عداوت اور دشمنی کے مترادف ہے۔

مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِلَّهِ وَمَلَائِكَتِهِ وَرُسُلِهِ وَجِبْرِيلَ وَ

مِيكَائِيلَ فَإِنَّ اللَّهَ عَدُوٌّ لِلْكَافِرِينَ ۝ (سورہ البقرہ آیت ۹۸)

جو شخص اللہ تعالیٰ کا دشمن ہو اور اس کے ملائکہ اور رسل کا (بالعموم) اور جبریل و میکائیل کا (بالخصوص) تو وہ کافر ہے اور تحقیق اللہ تعالیٰ کافروں کا دشمن ہے۔



اور حدیثِ قدسی ہے : (بخاری شریف ص ۹۶۳ جلد ۲) -

من عادى لى وليا فقد آذنته بالحرب (ص ۹۶۳ جلد ۲)

جو میرے ولی کے ساتھ دشمنی کرے تو میں اس کے خلاف اعلانِ جنگ کرتا ہوں۔ اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے :

من عادى لله ولىا فقد بارز الله بالمحاربة -

جس نے اللہ تعالیٰ کے کسی ولی کے ساتھ عداوت رکھی تو اس نے اللہ تعالیٰ

کو لکارا جنگ کے لیے۔

نیز ماں باپ کو اُف کہنا حرام ہے۔ قال تعالیٰ :

فَلَا تَقُلْ لِهٰمًا اُفٍّ وَلَا تَنْهَرُهُمَا (سُورَةُ بَنِي اِسْرٰئِيْل ۲۳)

تو ملائکہ اور انبیا و اولیاء جیسی بلند مرتبت ہستیوں کو اُف کہنا کیونکر

روا ہوگا اور اللہ تعالیٰ کے عظیم پیغمبر ایسے مقدس لوگوں کی بے ادبی کیونکر کر

سکتے تھے۔ لہذا مہرِ نیروز کی طرح و اسخ اور روشن ہو گیا کہ وہ قوم انہیں

صور و تماثل اور اصنام و اوثان اور پتھر کے گھڑے ہوئے مجسموں کو پوجتی

تھی اس لیے آپ نے ان کے نہ کھانے اور نہ بولنے کی بات کی اور ان سے

کہا کہ اپنے انہیں خداؤں سے دریافت کر لو۔ جب وہ معبود ہی نہیں تھے

بلکہ صرف قبلہ توجہ تھے تو پھر ان پر طنز و تشنیع اور ان کی عاجزی اور بیچارگی

کے اظہار کا کیا مطلب؟ کیا حضرت ابراہیم خلیل علیہ السلام کو ان مشرکین کا

اصل عقیدہ و نظریہ معلوم نہ ہو سکا تھا؟ کہ یہ ان مورتیوں کو نہیں پوجتے

بلکہ یہ تو صرف قبلہ توجہ ہیں اور علامہ سرفراز صاحب کو ان کا اصل عقیدہ



معلوم ہو گیا؟ یا للعجب۔

۳۔ نیز حیرت کی بات یہ ہے کہ پوچھنے والے کہتے ہیں کہ ہم ان سورتوں اور ان پتھروں کو پوچھتے ہیں اور ان کے وکیل علامہ سرفراز صاحب کہتے ہیں نہیں بالکل نہیں کوئی باہوش آدمی بے جان سورتی کی پوجا کیسے کر سکتا ہے؟

یا للعجب ولضیعة الدراية والدرّب ولفقدان العقل والنظر۔

۱۰۔ اِنَّ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ عِبَادٌ اَمْثَلُكُمْ

فَادْعُوْهُمْ فَلَيْسَتْ جِبُوَالَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ

اَلْهُمَّ اَرْجُلُ يَّمْسُوْنَ بِهَآءَامَ لَهُمَّ اَيْدٍ يَّبْطِشُوْنَ

بِهَآءَامَ لَهُمَّ اَعِيْنَ يُّبْصِرُوْنَ بِهَآءَامَ لَهُمَّ اِذَا نَ

يَسْمَعُوْنَ بِهَآءَامَ

(سورہ الاعراف آیت ۱۹۴-۱۹۵)

جن کو تم پکارتے ہو اللہ کے سوا وہ بندے ہیں تم جیسے بھلا پکارو تو ان کو پس چاہیے کہ وہ قبول کریں تمہارے پکارنے کو اگر تم سچے ہو کیا کیا ان کے پاؤں ہیں جن سے چلتے ہیں۔ یا ان کے ہاتھ ہیں جن سے پکرتے ہیں۔ یا ان کی آنکھیں ہیں جن سے دیکھتے ہیں یا ان کے کان ہیں جن سے سنتے ہیں۔

قُلْ اَدْعُوا شُرَكَاءَكُمْ ثُمَّ كِيدُوْنَ فَلَا تُنظِرُوْنَ

(سورہ الاعراف آیت ۱۹۵)

تو کہہ دے کہ پکارو اپنے شرکیوں کو، پھر بُرائی کرو میرے حق میں اور مجھ کو ڈھیل نہ دو۔



علامہ عثمانی فرماتے ہیں :

ان آیات میں بُت پرستی کا رد فرماتے ہیں یعنی جو کسی کو پیدا نہ کر سکے بلکہ خود تمہارا بنایا ہوا ہو وہ تمہارا خدا یا معبود کیونکر ہو سکتا ہے؟ جن بتوں کو تم نے معبود ٹھہرا لیا ہے اور خدائی کا حق دیا ہے وہ تمہارے کام تو کیا آتے جو اپنی حفاظت پر قادر نہیں اور باوجود مخلوق ہونے کے ان کمالات سے محروم ہیں جن سے کسی مخلوق کو دوسری پر تفوق اور امتیاز حاصل ہو سکتا ہے۔ گو ان کے ظاہری ہاتھ پاؤں، آنکھ کان سب کچھ تم بناتے ہو لیکن ان اعضاء میں وہ قوتیں نہیں جن سے انہیں اعضاء کہا جاسکے۔ نہ تمہارے پکارنے پر مصنوعی پاؤں سے چل کر آسکتے ہیں اور نہ ہاتھوں سے کوئی چیز پکڑ سکتے ہیں۔ نہ آنکھوں سے دیکھ سکتے ہیں، نہ کانوں سے کوئی بات سُن سکتے ہیں۔ اگر پکارتے پکارتے تمہارا گلا پھٹ جائے گا تب بھی وہ تمہاری آواز سُننے والے نہیں۔ اور اس پر چلنے والے یا اس کا جواب دینے والے نہیں۔ تم ان کے سامنے چلاؤ یا خاموش رہو، دونوں حالتیں یکساں ہیں، نہ اس سے فائدہ نہ اس سے نفع۔ تعجب ہے کہ جو چیزیں مملوک اور مخلوق ہونے میں تم جیسی عاجز اور در ماندہ بلکہ وجود اور کمالات وجود میں تم سے بھی گنتی گزری ہوں انہیں خدا بنا لیا جائے اور جو اس کا رد کرے اسے نقصان پہنچنے کی دھمکیاں دی جائیں۔ (ص ۳۵)

اقول۔ جس طرح ابراہیم علیہ السلام نے بُت خانہ میں جا کر بتوں سے فرمایا کیا وجہ ہے کھاتے کیوں نہیں تمہاری شکل تو کھانے والوں جیسی ہے،



تمہیں کیا ہے بولتے کیوں نہیں تمہاری شکل تو بولنے والوں جیسی ہے اسی طرح یہاں بھی فرمایا گیا کہ ان کی شکل و صورت تو تم نے اپنے جیسے بندوں والی بنائی لیکن ان میں چلنے پھرنے، پکڑنے اور دیکھنے سُننے وغیرہ کی طاقت تو پیدا نہ ہو سکی لہذا وہ تم سے بھی عاجز و بے بس تو اپنے سے بھی کمزور اور معذور تر مخلوق کو اپنا معبود بنا لینے کا کیا مطلب؟ گویا اللہ تعالیٰ کے نزدیک وہ ارباب عقل و خرد اس فمائش کے قابل ہیں کہ انہیں کہا جا رہا ہے کہ اپنے سے گئی گزری چیزوں کو معبود کیوں بنا رکھا ہے مگر علامہ رفراز صاحب فرماتے ہیں بے جان مورتیوں کی کوئی باہوش آدمی عبادت نہیں کر سکتا اور نہ کوئی عقلمند ان کے حق میں یہ باور کر سکتا ہے۔ پتہ نہیں علامہ صاحب اللہ تعالیٰ اور رسول مقبول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو بھی عقلمند باور کرتے ہیں یا نہیں؟ چہ جائیکہ اپنے مولانا شبیر احمد عثمانی کو نعوذ باللہ۔

جو چاہے آپ کا خشن کرشمہ ساز کرے

**ضروری تنبیہ :** علامہ صاحب کے دیگر حسینی المشرب پر بھائیوں نے اصحاب قبور انبیاء کرام اور اولیاء عظام کو پاؤں اور ہاتھوں، آنکھوں اور کانوں سے محروم ثابت کر دیا اور اس آیت کریمہ سے ان کے سُننے دیکھنے سے قاصر ہونے اور امداد و اعانت سے معذور ہونے پر استدلال کیا ہے مگر علامہ صاحب اہل قبور کے سُننے دیکھنے کے قائل ہیں۔ اگر وہ سچے ہیں تو پھر ان کا عقیدہ غلط ہے اور اگر ان کا عقیدہ صحیح ہے تو پھر ان کا غلط ہے حضرات انبیاء علیہم السلام کا شب معراج بیت المقدس میں جمع ہونا



(احادیث صحیحہ سے ثابت ہے نیز مولوی شاہ اسماعیل دہلوی کے اعتراف کے مطابق) نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سید احمد بریلوی کو چھوہارے کھلا کر فنا فی الرسول کے مقام تک پہنچانا، حضرت قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ کا سید احمد بریلوی کو مزار شریف پر مراقبہ کے دوران حشتی سلسلہ کا فیض دینا اور اور حضور غوث اعظم رضی اللہ عنہ اور خواجہ بہاؤ الدین نقشبندی رضی اللہ عنہ کا دہلی میں آکر ان کو قادری اور نقشبندی سلسلہ کی ولایت دینا، اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کا سید احمد بریلوی کو اچھی طرح غسل دینا، اور حضرت زہرا رضی اللہ عنہا کا اس کو قیمتی لباس زیب تن کرانا جیسے کہ صراطِ مستقیم ص ۲۳۰-۲۳۲ پر مفصل طور پر بیان کیا گیا ہے۔ اس امر کی بین برہان اور روشن دلیل ہے کہ انبیاء و اولیاء کو اس آیت مبارکہ کا مصداق بنانا بالکل غلط ہے اور اگر مصداق بنانا صحیح ہے تو مولوی شاہ اسماعیل صاحب نے جو کچھ کہا وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ اور حضرت سیدہ زہرا رضی اللہ عنہا اور حضرت غوث اعظم، حضرت شاہ نقشبند، اور حضرت قطب الدین بختیار کاکی رحمہم اللہ تعالیٰ پر بہتان ہے فیصلہ پر بھائی خود کریں کہ ان میں کون بہتان تراش اور افتراء پرداز ہے اور کون سچا اور کون کذاب ہے؟

۱۱- يَا أَيُّهَا النَّاسُ ضُرِبَ مَثَلٌ فَاستَمِعُوا لَهُ ط إِنَّ الَّذِينَ تَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ لَنْ يَخْلُقُوا ذُبَابًا وَلَوْ اجْتَمَعُوا لَهُ وَإِنْ يَسْلُبْهُمُ الذُّبَابُ شَيْئًا لَا يَسْتَنْقِذُوهُ



مِنْهُ ط ضَعْفَ الطَّالِبِ وَالْمَطْلُوبِ ۝ (سُوہ حج آیت ۷۳)  
 اے لوگو ایک مثل کہی ہے سو اس پر کان رکھو جن کو تم پوجتے ہو اللہ کے  
 سوا ہرگز نہ بنا سکیں ایک مکھی اگرچہ سارے جمع ہو جائیں۔ اور اگر کچھ چھپن  
 لے ان سے مکھی تو چھڑا نہ سکیں وہ ان سے۔ بودا ہے چاہنے والا اور  
 جن کو چاہتا ہے۔

علامہ شبیر احمد عثمانی فرماتے ہیں :

یعنی مکھی بہت ہی ادنیٰ اور حقیر جانور ہے جن چیزوں میں اتنی بھی  
 طاقت نہیں کہ سب مل کر صرف ایک مکھی پیدا کر دیں یا مکھی ان کے چڑھانے  
 وغیرہ سے کوئی چیز لے جائے تو اس سے واپس لے سکیں۔ انکو خالق السموات  
 والارض کے ساتھ معبودیت اور خدائی کی کرسی پر بٹھا دینا کس قدر بیجانی  
 حماقت اور شرناک گستاخی ہے۔

سچ تو یہ ہے کہ مکھی بھی کمزور مکھی سے زیادہ ان کے بت کمزور اور  
 بُتوں سے بڑھ کر ان کا پوجنے والا کمزور ہے جس نے ایسی کمزور اور حقیر  
 چیز کو اپنا معبود اور حاجت روا بنا لیا۔ (حاشیہ عثمانی)

کیا علامہ سرفراز صاحب کو اپنے اکابر کی تفاسیر اور حواشی دیکھنے کی اور جھوٹے اور بے بنیاد  
 دعویٰ پر نظر ثانی کی جرأت اور ہمت ہے؟ اور راہِ راست کی طرف رجوع کی توفیق و سہولت ہے؟

۱۲۔ اِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللّٰهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ ط

اَنْتُمْ لَهَا وَاِرْدُونَ ۝ لَوْ كَانَ هُوَ لَآءِ الْاِلٰهَةِ مَا وَّرَدُوْهَا ط

(سُوہ انبیاء آیت ۹۹)

وَ كُلِّ فِيْهَا خٰلِدٌ وَّن ۝

بیشک تم اور جو کچھ تم پوجتے ہو اللہ کے سوا ایندھن ہے دوزخ



کا تم کو اس پر پہنچنا ہے۔ اگر ہوتے یہ بُت معبود تو نہ پہنچتے اس پر سارے اس میں سدا پڑے رہیں گے۔

علامہ شبیر احمد عثمانی دیوبندی اس آیت کریمہ کے حاشیہ میں فرماتے ہیں یہ خطاب مشرکین کو ہے جو بُت پوجتے تھے یعنی تم اور تمہارے یہ معبود سبھی دوزخ کا ایندھن ہیں۔

وَقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ ۖ (سُورَةُ الْبَقَرَةِ آيَةُ ۲۴)

اس کا یہ معنی نہیں کہ اصنام (بُت) معذب ہوں گے بلکہ مقصد یہ ہے کہ بُت پرستوں پر حجت زیادہ لازم ہو جیسے کہ آگے فرمایا :  
لَوْ كَانَ هُوَ آئِلَآءِ رَبِّهِ مَا يَخَافُ ۗ (سُورَةُ الْاَنْبِيَاءِ آيَةُ ۹۹)

اور ان کی حسرت بڑھے اور حماقت زیادہ واضح ہو کہ جن سے خیر کی توقع رکھتے تھے وہ آج خود اپنے آپ کو نہ بچا سکے پھر ہماری حفاظت کیا کر سکتے ہیں۔

**تنبیہ :** ما تقبذون من دون من مراد یہاں صرف اصنام ہیں کیونکہ خطاب انہیں کے پرستاروں سے ہے لیکن اگر ما کو عام رکھا جائے تو بشرط عدم المانع کی قید معتبر ہوگی یعنی جن فرضی معبودوں میں کوئی مانع دخول نارسے نہ ہو وہ اپنے عابدین کے ساتھ دوزخ کا ایندھن بنیں گے مثلاً شیاطین اور اصنام۔ باقی حضرت عزیر، حضرت مسیح اور ملائکہ اللہ جن کو بہت لوگوں نے معبود ٹھہرایا ہے ان حضرات کی مقبولیت اور وجاہت مانع ہے کہ معاذ اللہ اس عموم میں شامل رکھے جائیں۔ اس لیے آگے تصریحاً فرمادیا :



إِنَّ الَّذِينَ سَبَقَتْ لَهُمْ مِنَّا الْحُسْنَىٰ أُولَٰئِكَ عَنْهَا  
مُبَعَّدُونَ ۝

(سُورَةُ الْأَنْبِيَاءِ آيَةُ ۱۰۱)

بیشک جن کے لیے پہلے سے ٹھہر چکی ہماری طرف سے نیکی وہ اس  
دور رہیں گے۔ (عاشیہ عثمانی)

**اقول:** علامہ سرفراز صاحب سے دریافت طلب امر یہ ہے کہ اس  
آیت کریمہ میں ملائکہ اور انبیاء و اولیاء تو داخل ہو نہیں سکتے ورنہ انکا دوزخی  
ہونا لازم آئے گا جو سراسر لغو اور باطل ہے۔ اور اصنام محض قبلہ توجہ تھے  
اصل معبود و مسجود وہ تھے نہیں جیسے کہ علامہ سرفراز نے دعویٰ کیا ہے، تو  
پھر ان کو بھی دوزخ میں داخل کرنے کا کوئی جواز نہیں تو سرے سے اس  
آیت کا کوئی مصداق ہی باقی نہ رہا حالانکہ اصنام و اوثان بالاجماع اور  
بالاتفاق بلکہ از روئے نص قرآنی جہنم کا ایندھن ہونگے جیسا کہ علامہ عثمانی صاحب  
نے اس کا حوالہ دیا ہے:

وَقُودُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ ۖ

(سُورَةُ بَقَرَةَ آيَةُ ۲۴)

کہ آتش دوزخ کا ایندھن انسان ہیں اور پتھر یعنی اصنام و اوثان اور  
بخاری و مسلم کی متفق علیہ حدیث بھی اس پر دلالت کرتی ہے کہ اصنام اور  
انصاب دوزخ میں گریں گے

آخر یہ کہاں کا عدل و انصاف ہے کہ اصل معبود چھوڑ کر صرف ان کو  
دوزخ میں ڈال دیا جائے اور ان کو عبرت کا سامان بنایا جائے جو معبود  
و مسجود تھے ہی نہیں بلکہ محض قبلہ توجہ تھے اور اصلی معبود کی شکل و صورت



ذہن نشین کرانے کا ذریعہ تھے۔ لہذا روزِ روشن کی طرح واضح ہو گیا کہ علامہ سرفراز صاحب کا دعویٰ غلط ہے اور نصوصِ قرآنیہ اور شواہدِ حدیث اور اجماعِ علماءِ اُمت کی رو سے باطل اور سراسر تحکم اور سینہ زوری اور شریعت کیساتھ استہزاء اور مزاح کے قبیل سے ہے اور قرآن مجید کی صریح آیات کی تکذیب ہے۔

۱۳۔ یٰصَاحِبِی السَّبْحٰنِ اَرْبَابٌ مُّتَفَرِّقُوْنَ خَیْرًا مِّنَ اللّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ اِلَّا اَسْمَاءٌ سَمَّیْتُمُوْهَا اَنْتُمْ وَاٰبَاؤُكُمْ مَّا اَنْزَلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ اِنْ اَحْكُمُ الْاِلٰهُ ط

(سورہ یوسف آیت ۳۹ - ۴۰)

اے رفیقو قید خانے کے بھلا کئی معبود جدا جدا بہتر یا اللہ اکیلا زبردست کچھ نہیں پوجتے ہو سوائے اس کے مگر نام ہیں جو رکھ لیے ہیں تم نے اور تمہارے باپ دادوں نے نہیں اتاری اللہ تعالیٰ نے ان کی کوئی سند، حکومت نہیں ہے کسی کی سوائے اللہ کے۔

علامہ شبیر احمد عثمانی دیوبندی لکھتے ہیں :

یعنی مختلف انواع و اشکال کے چھوٹے بڑے دیوتا جن پر تم نے خدائی اختیارات تقسیم کر رکھے ہیں۔ ان سے لو لگانا بہتر ہے یا اس اکیلے زبردست خدا سے جس کو ساری مخلوق پر کلی اختیار اور کامل تصرف و قبضہ حاصل ہے یعنی یوں ہی بے سند اور بے ٹھکانے کچھ نام رکھ چھوڑے ہیں جن کے نیچے حقیقت ذرہ برابر نہیں۔ ان ہی نام کے خداؤں کی پوجا کر رہے ہو۔ ایسے جہل پر انسان کو شرمانا چاہیے۔



**اقول :** حضرت یوسف علیہ السلام کو کیوں نہ پتہ چل سکا کہ یہ نام تو بڑی مبارک اور متبرک ہستیوں کے ہیں۔ کیا علامہ سرفراز صاحب کو پنج پیر کا پتہ چل گیا مگر اللہ تعالیٰ کے اس عظیم المرتبت بندے اور نبی کو معلوم نہ ہو سکا کہ یہ تو انبیاء علیہم السلام یا ملائکہ مقربین یا اولیاء کرام کے نام مبارک ہیں۔ اصل معبود تو یہ ہیں ہی نہیں۔ نیز اسی مضمون کی اور آیات بھی ہیں :

۱۴۔ اِنْ هِيَ اِلَّا اَسْمَاءٌ سَمَّيْتُمُوهَا اَنْتُمْ وَاٰبَاءُكُمْ مَّا

اَنْزَلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ اِنْ يَتَّبِعُونَ اِلَّا الظَّنَّ وَمَا

تَهْوٰى الْاَنۡفُسُ ج (سورہ نجم آیت ۲۳)

یہ سب نام ہیں جو رکھ لیے ہیں تم نے اور تمہارے باپ دادوں نے۔ اللہ نے نہیں اتاری ان کی کوئی سند، محض اُگل پر چلتے ہیں اور جو نفسوں کی ہنگامے یعنی پتھروں اور درختوں کے کچھ نام رکھ چھوڑے ہیں جنکی خدائی کی کوئی سند نہیں، بلکہ اس کے خلاف پر دلائل قائم ہیں۔ ان کو اپنے خیال میں خواہ بیٹیاں کہیں خواہ بیٹے یا کچھ اور محض کہنے کی بات ہے جس کے نیچے حقیقت کچھ بھی نہیں۔ (حاشیہ عثمانی صاحب)

۱۵۔ اسی طرح جب حضرت ہود علیہ السلام کو ان کی قوم عاد نے کہا :

اَجِئْنَا لِنَعْبُدَ اللّٰهَ وَحَدَهُ وَنَذَرَ مَا كَانَ يَعْبُدُ اٰبَاؤُنَا ج

(سورہ الاعراف آیت ۷۰)

کیا تو اس لیے ہمارے پاس آیا کہ ہم صرف اللہ اکیلے کی عبادت کریں اور چھوڑ دیں انہیں جنکی ہمارے باپ دادوں نے عبادت کرتے تھے۔ تو آپ نے



ان کے جواب میں یہ بھی فرمایا :

أَتَجَادِلُونَ نَبِيَّ فِي آسْمَائِهِ سَمِيئًا وَهَآءِ أَنْتُمْ وَآبَاءُكُمْ مِمَّا

نَزَّلَ اللَّهُ بِهَا مِنْ سُلْطَانٍ ط (سورہ الاعراف آیت ۱۷)

کیا تم میرے ساتھ جھگڑا کرتے ہو ایسے ناموں میں جو تجویز کے تم نے اور تمہارے باپ دادوں نے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں کوئی سند نازل نہیں کی۔

علامہ عثمانی صاحب فرماتے ہیں :

مبتوں کو جو کہتے تھے فلاں رزق دیتا ہے اور فلاں مینہ برسانے والا ہے

اور فلاں بیٹے والا ہے، وعلیٰ ہذا القیاس یہ محض نام ہی نام ہیں جن کے نیچے کوئی حقیقت اور واقعیت نہیں ہے۔ خدائی صفات پتھروں میں کہاں سے آگئی۔

اقول: الغرض اگر تمام اصنام و اوثان اور تماثیل و مجسمے اللہ تعالیٰ

کے مقبول اور محبوب لوگوں کے نام پر تھے تو پھر یہ خالی نام اور بے حقیقت عنوان تو نہ ہوتے بلکہ ان کے معنوں اور مصداق انتہائی معزز و مکرم شخصیات

تھیں۔ جس طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا :

وَمُبَشِّرًا بِرَسُولٍ يَأْتِي مِنْ بَعْدِي اسْمُهُ أَحْمَدُ ط

(سورہ صف آیت ۶)

اور میں بشارت دینے والا ہوں اس رسول کی جو میرے بعد آئیں گے

جن کا نام احمد ہے۔



اللہ تعالیٰ نے حضرت زکریا سے فرمایا :

إِنَّا نُبَشِّرُكَ بِغُلَامٍ إِسْمُهُ يُحْيَىٰ (سورہ مریم آیت ۷)

ہم تمہیں ایک بچے کی بشارت دیتے ہیں جن کا نام یحییٰ ہے۔

اور حضرت مریم علیہا السلام کو فرمایا :

إِنَّ اللَّهَ يُبَشِّرُكَ بِكَلِمَةٍ مِّنْهُ اسْمُهُ الْمَسِيحُ عِيسَىٰ

ابن مَرْيَمَ (سورہ آل عمران آیت ۴۵)

اللہ تمہیں بشارت دیتا ہے اپنے مخصوص کلمہ کی جس کا نام مسیح عیسیٰ بن

مریم ہے۔

اور اپنے بارے میں فرمایا :

لِلَّهِ الْأَسْمَاءُ الْحُسْنَىٰ فَادْعُوهُ بِهَا (سورہ الاعراف آیت ۱۸۰)

اللہ تعالیٰ کے لیے خوب نام ہیں اس کو ان ناموں کے ساتھ پکارو۔

اپنے اسماء کا مصداق اور ان کی واقعیت اور حقیقت بھی بیان فرمائی۔

محمد کریم، یحییٰ اور عیسیٰ علیہم السلام کے اسماء کی بھی حقیقت اور ان کے مصداق

بھی بیان فرمائے۔ تو یہ خالی نام نہ ہوتے مگر مشرکین کے معبودات خالی نام

ہوتے جن کی کوئی حقیقت اور واقعیت نہیں اور نہ ہی حضرت ابراہیم علیہ السلام

کے سوال پر وہ ان کی حقیقت اور واقعیت بتلا سکے تو یہ قبلہ توجہ آخر کن کے

لیے ٹھہرے جبکہ عبادت کرنے والوں کو بھی پتہ نہیں ہمارا کعبہ مقصود کون ہے

اور اللہ تعالیٰ بھی بار بار یہی فرما رہا ہے کہ ان کی کوئی حقیقت ہی نہیں۔

کاش اس وقت علامہ سرفراز صاحب موجود ہوتے تو حضرت ابراہیم علیہ السلام



کیا خود ان کے معبودِ حقیقی اللہ تعالیٰ کو بھی کافی ودانی جواب دیتے ایسا جواب جو بالکل لاجواب ہوتا، نعوذ باللہ۔

سامری کا تیار کردہ بچھڑا اگرچہ ان کے ہاں بنی اسرائیل کا الہ اور موسیٰ علیہ السلام کا الہ قرار پایا لیکن یہ تو بتلائیے وہ کس کعبہ مقصود کے لیے قبلہ توجہ تھا۔ اہل عرب کا حال ابوجہار عطار دی کی روایت سے ظاہر کہ نیا خوبصورت پتھر مل جاتا تو نہ صرف یہ کہ پہلے کی عبادت ترک کر دیتے بلکہ اس کو پھینک دیتے اور نئے نویلے کی پوجا شروع کر دیتے اور کوئی بھی نہ ملتا تو مٹی کی ڈھیری جس پر بکری کا دودھ دوہ لیا جاتا وہ معبود بن جاتا۔ آخر یہ شیربزد والی مٹی کس ذات والا صفات کے لیے قبلہ توجہ ہوا کرتی تھی اور یہ سفید براق اور ملائم اور جنگلوں سے چنے ہوئے پتھر کس ذات اقدس کے لیے قبلہ توجہ ہوا کرتے تھے۔

## دھوکہ دہی

علامہ سرفراز صاحب نے انتہائی فریب کاری اور دھوکہ دہی سے کام لیتے ہوئے چند مخصوص ناموں والے اصنام اور مجسموں کی پرستش چونکہ مقبولانِ بارگاہِ خداوندِ تعالیٰ کے نام پر شروع کی گئی تو ہر جگہ یہی اصول اور ضابطہ فرض کر لیا حالانکہ یہ سراسر غلط ہے اور خلاف واقعہ ہے۔

نیز یہ مخصوص اسماء والے مجسمے بھی خود معبود سمجھے جاتے تھے اور ان کو پوجنے والے قطعاً ان کو قبلہ توجہ قرار نہیں دیتے تھے مگر یہاں فریب کاری یہ کی گئی کہ قبلہ توجہ بنانے والے تو صرف اللہ تعالیٰ کو پوجتے تھے اور ان



بُتوں کو صرف اپنے بزرگوں کی یاد دہانی اور ذوق اور سکون حاصل کرنے کے لیے رکھا ہوا تھا اور جو پوجتے تھے وہ ان کی ذاتوں کو قطعاً قبلہ توجہ نہیں سمجھتے تھے مگر اوائل پر اواخر کا قیاس کر لیا گیا اور غیر مشرک پر مشرکین کو قیاس کر لیا گیا حالانکہ تفسیر درمنثور اور تفسیر عزیزی میں بلکہ خود انکے نقل کردہ حوالہ جات میں بھی غیر ارادی طور پر ایسے حوالے بھی آگئے ہیں جن سے یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے جیسے کہ مفصل طور پر بیان کروں گا۔

فی الحال یہی عرض کرنا ہے کہ بُتوں کا معبود و مسجود ہونا ایسی واضح اور بدیہی حقیقت ہے اور قرآن مجید نے اس کو ایسے واضح اور غیر مبہم انداز میں بیان فرمایا ہے کہ شک و شبہ کی گنجائش ہی نہیں چھوڑی اور خود علامہ صاحب کے ہم مسلک اور اکابرین علماء نے بھی ترجمہ اور حاشیہ میں اس حقیقت کو برملا اور واشگاف الفاظ میں بیان کر دیا ہے اس کے باوجود بھی اگر ان کی طرف سے انکار اور انکار ہے اور میں نہ مانوں میں نہ مانوں کی رٹ لگائی جاتی رہے تو ان کے لیے کسی دماغی ہسپتال کی خدمات ہی حاصل کرنی پڑیں گی دوسری کیا صورت ہو سکتی ہے؟

## اصنام پرستی کا سبب موجب اور علتِ باعثة

بُت پرستی جس قدر بدیہی البطلان اور بیہودہ فعل ہے اسی قدر اس کو قدیم مذہب ہونے کا بھی امتیاز حاصل ہے چنانچہ قرآن مجید سے ثابت ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کو اس فعلِ بد اور قبیح رسم اور کفر و شرک سے



باز رکھنے کے لیے مبعوث فرمایا گیا لیکن ساڑھے نو سو سال کی تبلیغ اور شب و روز کے وعظ و نصیحت کا بھی اس قوم پر کوئی اثر نہ ہوا اور ان مورتیوں کو اللہ ماننے پر مصر رہے باوجود ان کے بے جان اور جہاد ہونے کے اور حضرت نوح علیہ السلام کو پیغمبر ماننے پر بھی تیار نہ ہوئے، **إِلَّا مَا شَاءَ اللَّهُ - أَلَا أُرْسِلُكُمْ فِي تَرَاتِيمٍ فَتَنْتَفِعُوا بِهَا آيَاتٍ**۔ اللہ آپ کو بدترین تشدد کا نشانہ بناتے رہے اور ہر طرح کی ایذا رسانی میں کوئی دقیقہ فرو گذاشت نہ کیا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے آذر اور اس کی قوم کو بار بار منع کیا۔ ان بے جان مجسموں کی دیکھنے سُننے اور نفع رسانی اور ضرر دینے سے عاجزی اور بے چارگی واضح کی اور ان کے ٹکڑے کر کے رکھ دیئے اور قوم سے کہا ان سے پوچھو تمہیں کس نے توڑا ہے! یہ اپنا دفاع جب نہیں کر سکتے اپنے توڑنے والے کی شکایت اور اس کی مخبری نہیں کر سکتے تو تمہیں کیا فائدہ اور نفع پہنچا سکتے ہیں لیکن آذر نے اور اس کی قوم نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو جلا کر راکھ بنانے کی سعی ناتمام کی :

**حَرِّقُوهُ وَانصُرُوا آلِهَتَكُمْ** (سورہ الانبیاء آیت ۶۸)

اس کو جلا دو اور اپنے خداؤں کی مدد کرو اور ان کی طرف سے انتقام لو۔ آذر نے دھکی دی۔

**لَا رَجْمَنَّكَ وَأَهْجُرَنِي مَلِيًّا** (سورہ مریم آیت ۴۶)

اگر تم نے میرے ان خداؤں سے اعراض اور روگردانی جاری رکھی اور ان کے خلاف بولنے سے باز نہ آئے تو میں سنگسار کروں گا ورنہ مجھے اپنے



حال پر چھوڑ کر یہاں سے نکل جاؤ۔ چنانچہ آپ کو مجبور کر کے نکال دیا گیا لیکن ان مجسموں کو خدا ماننے پر اصرار رہا اور ایسی عظیم ہستی کو نبی و رسول ماننے پر بھی تیار نہ ہوئے۔

حضرت ہود علیہ السلام کی قوم عاد نے بھی اپنے ان اصنام و اوثان کو کو تو خدا ماننے پر اصرار کیا لیکن ان کو نبی بھی نہ مان سکے اور آپ نے عذاب خداوند تعالیٰ سے ڈرایا تو کہا، لے آ عذاب بالآخر صفحہ ہستی سے مٹ گئے مگر بت پرستی سے باز نہ آئے اور حضرت ہود علیہ السلام کو نبی ماننے پر بھی تیار نہ ہوئے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم طرح طرح کے معجزات آپ سے دیکھنے کے باوجود اللہ تعالیٰ کی قدرت کے کرشمے مشاہدہ کرنے کے باوجود بت پرست قوم کو بت پوجتے دیکھتے ہیں تو فوراً ایسے معبود مہیا کرنے اور بنا دینے کا مطالبہ کرنے لگتے ہیں اور موقع ملتے ہی سونے کا بچھڑا بنا کر اس کی پوجا شروع کر لیتے ہیں اور حضرت ہارونؑ کی روک ٹوک کو بھی کوئی اہمیت نہیں دیتے نبی مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قوم آپ سے منہ مانگے معجزے دیکھتی اور مشاہدہ کرتی رہی مگر آپ کی ذات مقدسہ پر ظلم و تشدد جاری رکھا حتیٰ کہ شہید کرنے کا عزم مصمم کر لیا۔ آپ نے ہجرت فرمائی پھر بھی آرام و سکون سے مدینہ منورہ میں بھی نہ بیٹھنے دیا ایسی ہستی جس نے چاند کے ٹکڑے کر دکھلائے درخت جڑوں سمیت چلا دیئے، پتھر پانی پر تیرا دیئے، پتھروں اور جانوروں سے اپنی رسالت کی گواہی دلوادی ان کو تو رسول اور نبی ماننے لے علیہ السلام۔



کو بھی تیار نہ ہوتے تھے اور ان بے جان مجسموں اور سُننے دیکھنے چلنے پھرنے اور پکڑنے تھامنے سے محروم مورتیوں کو الہ اور معبود مانتے رہے تو یہ سوچنے اور غور کرنے کا مقام ہے کہ ایسا کیوں ہوتا رہا۔

اگر ان مجسموں میں سے بعض صاحبین عباد کے نام پر تھے تو بھی بے جان مورتیاں ہی تھیں اور ان کے مقابل صالح ترین ہستیاں اور بے مثل سیرت و کردار والی شخصیات اور معجزات و خوارق عادات دکھلانے والی مقدس ذاتیں موجود تھیں جن کو وہ نبوت کا درجہ بھی دے کر راضی نہیں تھے مگر ان کو الہ اور معبود ماننے پر صند اور اصرار کر رہے تھے اور دنیوی طور پر تباہی و بربادی اور ہلاکت و فنا اور نیستی و نابودی اختیار کر رہے تھے مگر اللہ وحدہ لا شریک لہ کی طرف بُلانے والوں کی دعوت قبول کرنے کو تیار نہیں تھے تو اس کا سبب باعث اور علتِ موجبہ تلاش کرنے کی ضرورت ہے اور اس طرف رغبت و میلان کی وجہ وجہ معلوم کرنے کی ضرورت ہے۔

۱۔ توجو کچھ اکابرین ملت کے ارشادات سے ہمیں سمجھ آئی ہے وہ یہ ہے کہ وہ لوگ اللہ تعالیٰ کی جسمیت اور اس کے حسین مجسموں میں حلول کے قائل تھے اور بغیر جسم کا خدا اور صورت و شکل سے پاک خداوند تعالیٰ ان کے عقول و اذہان قبول ہی نہیں کرتے تھے۔ اور نہ ایسے مقامِ تنزیہ تک ان کے لیے رسائی ممکن تھی اس لیے وہ مظاہر کی طرف بھاگتے تھے جیسے کہ قومِ نوحؑ کا حال بیان کیا جا چکا ہے۔

۲۔ نیز ان میں اندھی تقلید کوٹ کوٹ کر بھری تھی۔ وہ دلائل و براہین اور

لہ (علیہ السلام)۔



حکمت و منطق نام کی کوئی شے نہ جانتے تھے اور نہ مانتے تھے اس لیے جب بھی عاجز اور بے بس ہوتے تو یہی سند اور دلیل دیتے :

وَجَدْنَا آبَاءَنَا لَهَا عِبِدِينَ ۝ (سورہ الانبیاء آیت ۵۳)

کچھ معلوم نہیں بس ہم نے اپنے باپ دادوں کو ان کی پوجا کرتے دیکھا لہذا ہم بھی ان کی عبادت کرتے ہیں اور کرتے رہیں گے۔

امام رازی علیہ الرحمہ نے فرمایا :

كانوا يقولون ان في عبادة الاصنام عزة من حيث القرب  
والنظر اليها وعرض الحوائج عليها والله لا يرى ولا

يصل اليه احد - (تفسیر کبیر ص ۳۶ جلد نمبر ۷)

مشرکین کہتے تھے کہ بتوں کی پرستش میں عزت و وقار ہے، قرب اور مشاہدہ کے لحاظ سے اور حاجات رو برو ہو کر پیش کرنے کے لحاظ سے جبکہ اللہ تعالیٰ نہ دیکھا جاتا ہے اور نہ اس تک کسی کو رسائی اور وصل حاصل ہے دوسرے مقام پر فرماتے ہیں :

لعلهم كانوا من المجسمة فاعتقدوا جواز

حلول الرب فيها فعبدوها على هذا التاويل -

شاید کہ بت پرست لوگ مجسمہ فرقہ سے تعلق رکھنے والے تھے پس

انہوں نے ان تیار کردہ مجسموں میں رب تبارک و تعالیٰ کے حلول کا عقیدہ

اپنا لیا اور اس عقیدہ و نظریہ کے تحت ان کی عبادت شروع کر دی۔

(تفسیر کبیر ص ۲۱۹ جلد اول)



شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی فرماتے ہیں :

”قوم نوح علیہ السلام را اصل مرض آں بود کہ در طلبِ تقربِ الی اللہ و استعانتِ در حوائجِ خود بتوجہ الی المظاہر الکاملہ من ارواح الاولیاء گرفتار بودند و تقرب بسوائے مرتبہ تنزیہ و استعانتِ بآں مرتبہ اصلاً در ذہن نشانی گنجائش نمی کرد۔“

حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کو دراصل یہ مرض لاحق تھا کہ قُربِ خُداوندی کی طلب میں اور اپنے حاجات میں باری تعالیٰ کی اعانت و امداد حاصل کرنے میں اللہ تعالیٰ کے مظاہرِ کاملہ یعنی ارواحِ اولیاء کی طرف رغبت اور توجہ میں مبتلا اور گرفتار تھے۔ محض ذاتِ پاکِ خُدا سے بزرگ و برتر کا قُرب یا اس سے استعانت کا تصور تک بھی ان کے لیے قابلِ قبول نہیں تھا۔

(تفسیر عزیزی ص ۱۱۵ پ ۲۹)

نیز حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں :

فکان الناس فی زمنِ ابراهیم علیہ السلام توغلو فی بناء المعابد والکنائس باسم روحانیت الشمس وغیرها من الکواکب و صار عندہم التوجہ الی المجرّد الفیر المحسوس بدون ہیکل یبنی باسمہ یكون الحلول فیہ والتلبس بہ تقرباً منه امرًا محالاً



تدفعه عقولہم بادی الرائی -

(حجۃ اللہ البالغہ مترجم جلد اول ص ۱۴۴)

یعنی حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانہ میں لوگوں نے آفتاب اور دیگر ستاروں کے نام پر بکثرت عبادت خانے اور کنیسے بنائے تھے ان کی نظر میں کسی ذات مجرد وغیر محسوس کی طرف متوجہ ہونا بغیر اس کے محال تھا کہ اس کے نام کی ہیکل بنائی جائے اور اس میں حلول سمجھا جائے اور اس کی پرستش کرنا باعث تقرب سمجھا جائے — بادی الرائی میں ان کی عقلوں میں اور کچھ نہیں آتا۔

(حجۃ اللہ البالغہ صفحہ نمبر ۱۴۴)

۳۔ نیز ان کی عقل اور نظر و فکر میں یہ بات بھی نہیں آ سکتی تھی کہ صرف ایک ذاتِ خداوند جل و علیٰ کی اتنے بڑے جہاں میں اکیلی تدبیر و تصرف کر سکتی ہے اور معاونین و مددگاروں کے بغیر اس کا انتظام و انصرام کر سکتی ہے۔ اہلئے جب نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان سے لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ کہنے کا مطالبہ کیا تو وہ چلا اٹھے۔

أَجْعَلُ الْأِلَهَةَ إِلَهًا وَاحِدًا ۖ إِنَّ هَذَا لَشَيْءٌ عَجَابٌ ۝

(سورہ ص آیت ۵)

کیا کر دی اس نے اتنوں کی بندگی کے بدلے ایک ہی کی بندگی۔  
یہ بھی بڑے تعجب کی بات ہے۔ یعنی اس سے بڑھ کر تعجب کی بات کیا



ہوگی کہ اتنے بڑے جہان کا انتظام اکیلے ایک خدا کے سپرد کر دیا جائے اور مختلف شعبوں اور محکموں کے جن خداؤں کی بندگی قرونوں سے ہوتی چلی آئی ہے وہ سب یک قلم موقوف کر دی جائے گویا ہمارے باپ دادا سے بڑے جاہل تھے اور بے وقوف ہی تھے جو اتنے دیوتاؤں کے سامنے سر عبودیت خم کرتے رہے۔ (عاشیہ عثمانی)

الغرض ان کے اس فاسد و باطل نظریہ و عقیدہ کے تحت اللہ تعالیٰ کے لیے نظام کائنات چلانے میں معاونین اور مددگاروں کی ضرورت تھی، اور ان کے یہ معبود اس ضرورت کو پورا کرتے تھے اس لیے ان کی الوہیت کی نفی اور ان کی معبودیت کا انکار ان کے لیے قطعاً قابل قبول نہیں تھا اور مزید برآں ان کو عبادت میں ترجیح اس لحاظ سے ہو گئی کہ ان کا قرب حاصل ہو سکتا تھا اور دیدار و مشاہدہ بھی اور روبرو ہو کر عرض و حاجت بھی جب کہ اللہ تعالیٰ نہ دیکھا جاسکتا تھا اور نہ اس تک کسی کی رسائی ہو سکتی تھی اور ان کے زعم فاسد میں گو بظاہر ان کے اصنام و اوثان کے حواس و مشاعر وغیرہ نہیں تھے لیکن باطنی طور پر وہ ان میں موثر قدرت و قوت کے وجود و تحقق کے قائل تھے اسی لیے حضرت ہود علیہ السلام کو کہا :

مانری الا اعتراک بعض الہتنا بسوء

ہم یہی عقیدہ رکھتے ہیں کہ ہمارے کسی معبود نے تمہیں خمطی اور مجنون بنا

دیا ہے۔



اور فتاویٰ عزیز یہ میں مندرج برہمن کے اعتراض سے بھی یہ حقیقت  
نمایاں ہو جاتی ہے کہ اہل قبور اور اصنام ظاہری طور پر دو تو ہی قوت و  
قدرت سے عاری ہیں اور اہل قبور باطنی قوت سے حاجت روائی کر سکتے  
ہیں تو ہمارے اصنام بھی اسی طرح کر سکتے ہیں۔

## صنم سازی، اور صنم پرستی کا آغاز کیسے ہوا

۱۔ امام بخاری ابن المنذر اور ابن مردویہ نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے  
نقل کیا ہے کہ وہ اصنام و اوثان جو نوح علیہ السلام کی قوم میں تھے وہ عربوں  
کی طرف منتقل ہو گئے۔

وكانوا اسماء رجال صالحين من قوم نوح فلما  
هلكوا اوحى الشيطان الى قومهم ان نصبوا  
الى مجالسهم التي كانوا يجلسون انصابا سموها  
باسماءهم ففعلوا فلم تعبد حتى اذا هلك  
اولئك ونسخ العلم عبادت -

یعنی وِدّ، سواع، یغوث، یعوق اور نسر۔

نوح علیہ السلام کی قوم کے نیک آدمیوں کے نام پر تھے۔ جب ان  
کا انتقال ہوا تو شیطان نے ان کی قوم سے کہا کہ ان کی پشتگاہوں میں  
مجھے کھڑے کر دو اور ان کو ان بزرگوں والے ناموں سے موسوم کر دو  
چنانچہ انہوں نے شیطان کے کہنے کے مطابق عمل کیا لیکن ان لوگوں نے ان  
سے رضی اللہ عنہما۔



مجسموں کی عبادت اور پرستش نہ کی لیکن جب وہ لوگ فوت ہو گئے اور ان کے بارے میں صحیح معلومات نہی نسلوں کو ہاتھ نہ لگیں تو ان کی پرستش اور عبادت شروع کر دی گئی۔ (تفسیر درمنثور ص ۲۶۹ جلد ۴ - بخاری شریف جلد ثانی ص ۶۳۲)

۲۔ عبد بن حمید نے محمد بن کعب سے نقل کیا ہے کہ ”ود“، ”سواع“ وغیرہ نیک لوگ تھے جو حضرت آدم اور حضرت نوح علیہما السلام کے درمیانی عرصہ میں پیدا ہوئے تھے۔ پس ان کی وفات کے بعد ایسی قوم پیدا ہوئی جو ان کی عبادات کے مطابق عبادت کرنا چاہتے تھے تو ابلیس نے ان سے کہا:

لو صورتم صورہم فکنتم تنظرون الیہم  
کیا ہی اچھا ہو کہ تم ان کی صورتیں بنا لو اور ان کو دیکھا کرو۔  
چنانچہ شیطان لعین کی تعلیم کے مطابق ان کی شکل و صورت پر مجسمے تیار کر لیے گئے اور اللہ تعالیٰ کی عبادت ہوتی رہی جب وہ قوم دارِ آخرت کو سدھا گئی اور نہی نسل پیدا ہو گئی تو ابلیس نے ان سے کہا:

ان الذین کانوا من قبلکم کانوا یعبدونہا فعبدوہا  
بے شک تم سے پہلے لوگ ان کی عبادت کیا کرتے تھے۔

چنانچہ انہوں نے بھی ان مجسموں کی عبادت شروع کر دی۔

۳۔ ابوالشیخ نے کتاب العظمت میں محمد بن کعب قرظی سے نقل کیا ہے کہ آدم علیہ السلام کے پانچ بیٹے تھے۔ ود۔ سواع۔ یغوث۔ یعوق اور نسر اور وہ عبادت گزار بندے تھے۔ ان میں سے ایک کی وفات ہو گئی، تو دوسرے اس پر انتہائی غمگین اور اندوہگین ہوئے۔



شیطان انسانی شکل میں نمودار ہو کر ان سے کہنے لگا تم بھائی کی وفات پر بہت غمزہ اور پریشان ہو تو انہوں نے کہا ہاں ! تو اس نے کہا اگر تمہیں اس سے دلی رغبت ہو تو میں تمہاری عبادت گاہ کے مہراب میں اسکی صوت پر مجسمہ تیار کر دیتا ہوں۔ اس کو دیکھو گے تو اس بھائی کی یاد تازہ ہو جائیگی انہوں نے کہا نہیں۔

نکرہ ان تجعل لنا شیئا فی قبلتنا نصلی الیہ

ہم اس کو پسند نہیں کرتے کہ تو ہمارے قبلہ کی جانب ایسی شے بنائے کہ ہم اس کی طرف نماز پڑھیں۔ تو اس نے کہا اچھا میں مسجد کے پچھلے حصے میں بنا دیتا ہوں تو انہوں نے کہا ٹھیک ہے چنانچہ اس نے اس ایک کا مجسمہ بنا کر کھڑا کر دیا۔ حتیٰ کہ وہ پانچوں فوت ہو گئے اور ابلیس نے ان پانچوں کے مجسمے تیار کر کے مسجد کے پچھلے حصے میں نصب کر دیئے۔ حتیٰ کہ نئی نسلوں نے اللہ تعالیٰ کی عبادت چھوڑ کر ان کی عبادت شروع کر دی۔

۴۔ ابن جریر اور ابن منذر نے ود، سواع، یغوث، یعوق اور نمر کے متعلق حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے :

ہذہ اصنام کانت تعبد فی زمن نوح۔

یہ بت ہیں جو نوح علیہ السلام کے زمانے میں پرستش کیے جاتے تھے۔

۵۔ عبد بن حمید نے ابو مطہر کے حوالے سے امام ابو جعفر محمد باقر رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ ”وَدّ“ مسلمان آدمی تھا، اور وہ لوگوں میں محبوب اور پسندیدہ شخص تھا جب وہ مر گیا تو لوگوں نے بابل کے علاقہ میں اس کی قبر



کے ارد گرد ڈیرے ڈال دیتے اور اس پر جزع جزع کا اظہار کیا۔ جب ابلیس نے ان کا نوحہ اور غم و ماتم دیکھا تو انسانی صورت میں سامنے آگیا اور کہا میں نے فوت ہونے والے پر تمہارے غم و اندوہ اور حزن و ملال کا مشاہدہ کیا ہے اگر مناسب سمجھو تو میں اس کی مورتی تیار کر دیتا ہوں وہ تمہاری محفل میں رہے گی اور تم اس کو دیکھ کر اپنے فوت ہونے والے کی یاد تازہ کرتے رہنا انہوں نے کہا ٹھیک ہے۔ چنانچہ شیطان نے اس کی تمثال اور مورتی تیار کی اور انہوں نے اس کو اپنی محفل و مجلس میں نصب کر دیا۔ جب ابلیس نے ان کو اس طرح یاد دہانی اور تسکین حاصل کرتے دیکھا تو کہا اگر مناسب سمجھو تو میں تم میں سے ہر ایک کے گھر میں اس کی شبیہ اور مورتی بناتے دیتا ہوں۔ تم میں سے ہر ایک اپنے اپنے گھر پر اس کی شکل و صورت دیکھ کر اپنا ذوق و شوق پورا کر لے گا۔ تو انہوں نے کہا ٹھیک ہے۔ چنانچہ ابلیس نے یہ کام سرانجام دیا اور ہر ایک کو اپنے گھر میں وہ تصویر اور مجسمہ دیکھ کر اپنا ذوق پورا کرنے کا موقع مل گیا۔ ان کے بیٹوں نے آباؤ کو دیکھا کہ وہ ان کے ذریعے صرف ان کی زیارت والی یاد تازہ کرتے ہیں اور پرستش نہیں کرتے چنانچہ انہوں نے بھی اپنے آپ کو اسی دائرہ تک محدود رکھا (لیکن اس کے بعد جب)

وتناسلوا ودرس امر ذکر ہم ایاہ حتی اتخذوہ

الہا یعدونہ من دون اللہ قال وکان اول ما عبد

غیر اللہ فی الارض ود الصنم الذی سموہ بوڈ۔

ان کی نسلیں پھیلتی رہیں اور یاد تازہ کرنے والا مقصد مٹ گیا حتیٰ کہ



اس کو اللہ سمجھ لیا جس کی اللہ تعالیٰ کے سوا عبادت کرنے لگے۔ ابو جعفر نے کہا کہ زمین پر پہلے پہل جس غیر اللہ کی عبادت کی گئی وہ ود نامی صنم تھا جس کو اس ود نامی شخص کے نام سے موسوم کیا گیا تھا۔

(در منثور ص ۲۶۹ جلد ۶ - تفسیر روح المعانی ص ۲۹ جلد ۲۹ - تفسیر ابن کثیر ص ۲۲۶ جلد ۴)

۶۔ فاکھی نے ذکر کیا کہ سب سے پہلے اصنام پرستی نوح علیہ السلام کے دور نبوت میں پائی گئی۔ بیٹے اپنے آباء کے ساتھ برو احسان اور خلوص و ہمدردی رکھتے تھے (جب باپ فوت ہوتا تو وہ پریشان رہتے) چنانچہ ایک شخص کا باپ فوت ہوا تو وہ اس پر بہت غمزہ اور ملول ہوا پھر اس نے اس کی شکل پر مجسمہ بنایا۔ پس جب کبھی دیدار کا شوق پیدا ہوتا تو اس تمثال اور مجسمہ کو دیکھ لیتا۔ چنانچہ جب وہ آپ مر گیا تو اس کے بائے میں اسی طرح کیا گیا جیسے کہ اس نے اپنے باپ کے بارے میں کیا تھا پھر لگاتار یہ طریقہ رائج رہا۔

فمات الآباء فقال الابناء ما اتخذ هذه آباءنا الا انها

كانت الهتهم فعبدوها۔

جب سبھی کے باپ فوت ہو گئے اور بزرگ چل بسے اور نئی پود نمودار ہو گئی تو انہوں نے کہا ہمارے آباء و اجداد نے یہ مجسمے یونہی نہیں بنا رکھے تھے مگر یہ کہ یہی ان کے معبودات اور اللہ تھے تو انہوں نے تمثال اور مجسموں کی عبادت شروع کر لی۔

۷۔ عبد بن مردویہ اور ابن المنذر نے ابو عثمان سے نقل کیا کہ میں نے یغوث



کو دیکھا جو سیسہ سے تیار کیا ہوا بُت تھا۔

يحمل علي جمل اجرد فاذا برك قالوا رضى ربكم بهذا المنزل  
جو باریک بالوں والے اُونٹ پر لاوا جاتا تھا جب وہ اُونٹ بیٹھ جاتا  
تو کہتے تمہارے رب نے اس مقام و منزل کو پسند کر لیا ہے۔ (لہذا اس کو  
یہیں اُتار کر نصب کر دو) (تفسیر درنثور ص ۲۶۹ - ص ۲۷۰ جلد ۶)

۸۔ شاہ عبدالعزیز دہلوی نے ”ود، سواع، یغوث، یعوق اور نسر“ کی  
پرستش کا آغاز کیونکر ہوا اس پر روشنی ڈالتے ہوئے فرمایا:

حضرت ادریس علیہ السلام کی وفات کے بعد آدم علیہ السلام کی اولاد میں  
بُت پرستی شروع ہو گئی اور اس کا سبب یہ بنا کہ حضرت ادریس علیہ السلام  
کے تمام لڑکے اولیاء و صلحاء تھے، اور لوگوں کو خداوند تعالیٰ کی عبادت میں  
مصرف و مشغول رکھتے تھے۔ اور ہر ایک نے اپنے لیے مسجد تعمیر کی ہوئی  
تھی جس میں لوگوں کو ذکر اور طاعت کی دعوت دیتے تھے اور لوگوں کو ان  
کی موجودگی میں ذوق و شوق حاصل ہوتا اور سرستی کے ساتھ عبادت میں  
مصرف رہتے اور لذت پاتے جب حضرت ادریس علیہ السلام کے یہ صاحبزادے  
انتقال کر گئے تو لوگوں کو بہت حسرت اور پریشانی لاحق ہوئی اور ایک دوسرے  
سے عبادت میں لذت و سرور اور ذوق و شوق حاصل نہ ہونے کی شکایت کی  
تو شیطان لعین نے اس موقع کو غنیمت جانا اور ایک بزرگ کی شکل میں عمامہ  
سر پر سجائے ہاتھ میں عصا تھامے آ موجود ہوا اور انہیں عبادت میں  
ذوق و شوق اور لذت و سرور حاصل کرنے کی تجویز بیان کرتے ہوئے



کہنے لگا کہ ان بزرگوں کی صورتیں پتھر سے تراش لی جائیں اور ان کو ہی بزرگوں کا لباس پہنا دیا جائے اور ان کو اپنے مقابل مسجد کے محراب میں نصب کر لو اور انہیں اپنے احوال پر مطلع اور نگران سمجھو کیونکہ اولیاء اللہ فوت نہیں ہوتے۔ اور وہی لذت جو ان کی موجودگی میں حاصل کیا کرتے تھے وہی وہی لذت و سرور اب ان کی صورتوں اور تماشیل سے حاصل کرو۔ لوگوں کو اس خبیث کی یہ تدبیر پسند آگئی اور اسی کے مطابق عمل کیا۔

ابتداء میں تو یوں قرار دیا کہ نماز و عبادت سے فارغ ہو کر جو شخص باہر نکلے لگے وہ ان مجسموں اور صورتوں کی دست بوسی اور قدم بوسی کر کے باہر نکلے تاکہ جماعت میں اس کی حاضری ارواح بزرگاں کے پاس اور ان کے سامنے ثابت ہو جائے اور یہ اللہ تعالیٰ کے ہاں گواہی دیں اور شفاعت کریں کہ اس شخص نے ہمارے ساتھ تیری عبادت میں شرکت کی ہے۔

”رفتہ رفتہ چنیں رواج یافت کہ محض قدم بوسی و دست بوسی آن تصاویر کردہ بیرون مسجد می رفتند و عبادت و ذکر مطلق موقوف شدتہ این کہ بجائے قدم بوسی خاکبوسی و سجدہ راج گشت۔ پدر نوح علیہ السلام ہمیشہ مردم را ازین فعل شنیع ممانعت میکرد و لیکن مردم باز نمی آمدند تا آنکہ حق تعالیٰ حضرت نوح علیہ السلام را برسالت فرستاد۔“ (تفسیر عزیزی ص ۱۳ ص ۱۲ جز ۲۹)

رفتہ رفتہ اس طرح رواج ہو گیا کہ محض ان مجسموں کی قدم بوسی اور دست بوسی کر کے مسجد سے باہر چلے جاتے تھے اور عبادت اور ذکر خداوند تعالیٰ مطلقاً موقوف ہو گیا پھر معاملہ یہاں تک بڑھا کہ قدم بوسی کی بجائے خاک بوسی



اور سجدہ کرنے کا رواج ہو گیا۔ حضرت نوح علیہ السلام کے باپ لوگوں کو اس بُرے فعل اور قبیح عمل سے منع کرتے تھے لیکن وہ لوگ اس حرکت سے باز نہیں آتے تھے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام کو رسول بنا کر مبعوث فرمایا۔

۹۔ علامہ ابن القیّم نے کہا :

قال غیر واحد من السلف کان هولاء قوما صلحین  
فی قوم نوح فلما ماتوا عکفوا علی قبورهم ثم صوروا  
تماثلهم ثم طال علیهم الامد فعبدوهم -

(اغاثۃ اللہقان ص ۱۸۲ - البدایہ والنہایہ ص ۱۹۰ جلد ۲ - گلدستہ توحید ص ۵۹)

اکثر حضراتِ سلف کا بیان ہے کہ یہ پانچ حضرات نوح علیہ السلام کی قوم کے نیک لوگ تھے جب وہ وفات پا گئے تو لوگوں نے ان کی قبروں پر مجاوری اختیار کر لی۔ پھر ان کی تصویریں اور مجسمے بنالیے۔ پھر جب کافی زمانہ گزر گیا تو ان کی عبادت شروع کر دی۔

۱۰۔ علامہ ابن کثیر، البدایہ والنہایہ اور تفسیر ابن کثیر میں فرماتے ہیں :

کانوا قوما صلحین من بنی آدم ولهم اتباع یقتدون  
بهم قال اصحابہم الذین یقتدون بهم لوصورناہم کان  
اشوق لنا الی العبادۃ اذا ذکرناہم فصوروہم فلما  
ماتوا وجاء آخرون دب الیہم ابلیس فقال انما کانوا  
یعبدونہم و بہم یسقون المطر فعبدوہم -



یہ حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد میں سے نیک لوگ تھے اور کچھ لوگ ان کے تابع اور مقتدی تھے جو ان کی پیروی کرتے تھے انہوں نے کہا اگر ہم ان کی مورتیاں بنالیں تو خداوند تعالیٰ کی عبادت میں ان کے ذریعے زیادہ فوق شوق پیدا ہو جائے گا۔ جبکہ ہم ان کو یاد کریں گے (اور ان کی عبادت کا نقشہ آنکھوں کے سامنے آئے گا) چنانچہ انہوں نے ان کی مورتیاں بنا دیں۔ جب وہ لوگ فوت ہو گئے اور دوسری نسلیں ان کی جگہ آگئیں تو شیطان ان کی طرف کھسکا اور انہیں کہا کہ تمہارے اسلاف ان کی عبادت کیا کرتے تھے اور انہیں کی وجہ سے ان پر بارش برستی تھی چنانچہ انہوں نے ان کی عبادت شروع کر دی۔

فائدہ : تفسیر ابن جریر میں بھی بعینہ یہی عبارت مذکور ہے۔ ملاحظہ ہو

صفحہ نمبر ۶۲ جز ۲۹۔

## علامہ سرفراز صاحب کی کتمانِ حقیقت کی سعی ،

نوٹ : علامہ سرفراز صاحب نے تفسیر درمنثور ، تفسیر عزیزی کے نام گنوا دیئے مگر عبارت کسی کی بھی درج نہیں کی اور البدایہ والنہایہ اور تفسیر ابن کثیر کی عبارت درج کی لیکن ادھوری یعنی فصوصوسم ، ک اور جہاں سے ان کی ابلیس کے درغلانے پر پھیلی نسلوں نے عبادت شروع کی اس کو ترک کر دیا۔ صرف علامہ ابن القیم کی عبارت میں اس حقیقت کا اعتراف ہو گیا۔



ثم طال عليهم الامد فعبدوهم

پھر ان پر زمانہ بیت گیا اور دراز عرصہ ہو گیا تو ان لوگوں نے ان کی عبادت شروع کر دی۔ اسی طرح بخاری شریف میں مذکور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت بھی سرے سے ذکر نہ کی حالانکہ "لات" بت کے بارے میں بخاری شریف کی اس جلد کا حوالہ دیا تو آپ کو دو۔ سواع اور یغوث۔ یعوق اور نسر کا ذکر کیوں نہ دکھائی دیا۔ حالانکہ امام بخاری نے انہیں ناموں کو باب کا عنوان قرار دیا تھا۔

اس سے صاف ظاہر ہے کہ علامہ صاحب نے حقیقت حال کو چھپانے کی اور اپنے قارئین کو دھوکہ دینے کی پوری پوری کوشش کی ہے کیوں کہ جو چیز حقیقت میں شرک تھی اور جن لوگوں نے یہ مشرکانہ فعل شروع کیا ان کی نشاندہی ضروری تھی تاکہ غیر مشرک کو مشرک قرار دینے کی غلطی لازم نہ آئے۔ پہلے ملاحظہ کر چکے ہیں کہ اوان نے ان معظمین کے مجسموں کو مسجد کے محراب میں بنانے کی اجازت ہی نہیں دی تھی کیونکہ اس طرح ان کی طرف سجدہ کرنا لازم آئے گا اور مسجد کے آخری حصے میں ان مورتیوں کے تیار کرنے کی اجازت دی تو ایسے لوگوں کو مشرک قرار دینا کس قدر ظلم عظیم ہوگا۔

اسی طرح جن لوگوں نے ان کی موجودگی کو صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت میں ذوق شوق پیدا کرنے کا ذریعہ سمجھا اور ان کی عبادت اور پوجا پاٹ کو روا نہیں رکھا تھا ان پر بھی شرک جلی کا فتویٰ سراسر ظلم اور زیادتی ہے، اور ایسے ظلم و عدوان کا سبب بنا بھی سراسر ظلم ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ



علامہ ابن کثیر نے بھی وہ روایت ذکر کی ہے جو ہم نے تفسیر در منثور کے حوالے سے امام ابو جعفر سے نقل کی اور علامہ سید محمود آلوسی رحمہ اللہ نے بھی اس کو ذکر کیا جس کا یہ جملہ قابل غور ہے :

وتناسلوا ودرس امر ذکر ہم ایاہ حتی اتخذوہ

الہا یعبدونہ من دون اللہ اولاد اولاد ہم -

حتیٰ کہ ان کی نسلیں پھیلیں اور وہ کی یادگیری والا عندیہ اور نظریہ میٹ گیا یہاں تک کہ ان کی اولاد کی اولاد نے اس مجسمہ کو الہ بنا لیا جس کی وہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ عبادت کرتے تھے اور علامہ ابن حجر عسقلانی نے ذکر کیا ہے کہ اوائل صرف ان کو ہاتھ لگایا کرتے تھے اور مہلائیل کے دور تک یہی کیفیت رہی۔

فعبدوہا بتدریج الشیطان لہم ثم صارت سنہ

فی الجاہلیۃ فی العرب - (ص ۵۲ جلد ۸)

پس انہوں نے شیطان کے درجہ بدرجہ شرک کی طرف لے جانے کی وجہ سے ان مورتیوں کی عبادت شروع کر لی بعد ازاں دور جاہلیت میں عربوں میں بھی بت پرستی کا رواج ہو گیا۔

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب نے "الفوز الکبیر" میں بھی یہی تحقیق فرمائی ہے:

وکانوا ینہتون من الحجر والصفرو غیر ذلک

صوراً یتخذونہا قبلۃ التوجہ الی تلک الارواح

حتیٰ یعتقد الجہال شیئاً فشیئاً تلک الصور



معبودۃ بذواتھا فتطرق بذالك خلط عظیم ۵۔  
 وہ لوگ پتھر اور پتل وغیرہ سے مورتیاں بناتے تھے جنہیں ان ارواح  
 کی طرف توجہ کے لیے قبلہ بناتے تھے حتیٰ کہ جاہل لوگ آہستہ آہستہ انہیں  
 کو بذاتِ خود معبود سمجھنے لگے اور اس طرح بے جان مورتیوں اور ان ارواح  
 میں عظیم اختلاط نے راہ پکڑی۔

رابعاً بیان شناعة عبادة الاوثان وسقوط الاحجار  
 من مراتب الكمالات الانسانية فكيف  
 بمرتبة الالوهية وهذا الجواب مسوق لقوم  
 يعتقدون الاصنام معبودين لذواتهم . ۵۔  
 چوتھی صورت ان پر رد و قدح کی یہ تھی کہ بتوں کی عبادت کی  
 قباحت بیان فرمائی اور ان کا کمالاتِ انسانیہ کے مراتب سے بھی ساقط  
 ہونا چاہیے۔ مراتب الوہیت پر فائز ہوں اور یہ جواب اس قوم کو دیا گیا  
 جو اصنام کو بذاتِ خود معبود مانتے تھے۔

## کیا تصاویر رکھنا حرام تھا!

رہا مورتیوں اور تصاویر کا معاملہ تو اس دور میں ان کے بنانے یا  
 بنی بنائی رکھنے کے حرام ہونے پر چاہیے کہ شرک ہونے پر قطعاً کوئی دلیل  
 نہیں ہے۔ بلکہ انبیاء علیہم السلام کی تصاویر اللہ تعالیٰ نے اپنے کمالِ قدرت  
 سے تیار کر کے آدم علیہ السلام کو عطا فرمائی تھیں جو یکے بعد دیگرے



انبیاء علیہم السلام کے پاس رہیں پھر بنی اسرائیل اور اہل کتاب کے قبضہ میں آگئیں چنانچہ علامہ ابن حجر عسقلانی نے حضرت ابو سفیان رضی اللہ عنہ کے حوالے سے ذکر کیا ہے کہ صاحب بصری نے مجھ سے کہا کہ اگر تجھے نبوت کا دعویٰ کرنے والی اس شخصیت کی تصویر دکھائی جاتے تو کیا اس کو پہچان لو گے تو میں نے کہا ہاں پھر وہ مجھے ایک عبادت خانہ میں لے گئے اور تصاویر دکھلائیں لیکن میں نے آپ کی صورت ان میں نہ دیکھی۔

ثم ادخلت في كنيسة اخرى فاذا انا بصورة محمد  
وبصورة ابي بكر الا انه دونه -

پھر مجھے دوسرے عبادت خانہ میں داخل کیا گیا تو ناگاہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی صورت اور ابو بکر (رضی اللہ عنہ) کی صورت میرے سامنے تھی مگر یہ کہ ابو بکر کی تصویر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تصویر سے نیچے تھی۔

ابو نعیم نے علیہ میں اسناد ضعیف کے ساتھ ذکر کیا ہے کہ ہرقل اور قیصر روم کے پاس سونے کا صندوق تھا جس کا سونے کا تالا تھا اور اس میں سے اس نے لپیٹا ہوا ریشم کا کپڑا نکالا جس میں تصاویر تھیں اور پھر وہ تصاویر جناب ابو سفیان اور ان کے ساتھیوں کے سامنے رکھیں جن کے آخر میں محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی تصویر تھی۔

فقلنا باجمعنا هذه صورة محمد فذكر لهم انها  
صور الانبياء وانه خاتمهم صلى الله عليه وسلم  
تو ہم سب نے بیک زبان کہا کہ یہ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی



تصویر ہے تو قیصر روم نے ان کو بتلایا کہ یہ سبھی انبیاء علیہم السلام کی تصاویر ہیں اور وہ ان میں آخر الزمان پیغمبر ہیں۔

حافظ ابن کثیر نے زیر آیت :

يَجِدُونَهُ مَكْتُوبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرَةِ وَالْانجِيلِ

طبرانی کے حوالے سے حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ سے نقل کیا، کہ انہوں نے شام میں دیگر تصاویر کے ساتھ نبی مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تصویر دیکھی جن کی ایڑی مبارک کو کوئی دوسرا شخص پکڑے ہوئے ہے تو انہوں نے دریافت کیا کہ یہ کون ہیں تو انہیں اہل کتاب نے جواب دیا :

انہ لم یکن نبی الا کان بعدہ نبی الا ہذا  
النَّبی فانہ لا نبی بعدہ و ہذا الخلیفۃ بعدہ  
واذا صفۃ ابی بکر۔

کہ پہلے جو نبی بھی تشریف لایا اس کے بعد نبی کا ظہور ہوا مگر اس نبی کے بعد دوسرا کوئی نبی نہیں اور یہ ان کے بعد خلیفہ ہیں تو ناگاہ ابو بکر صدیقؓ والی صفت و کیفیت نظر پڑی۔

حافظ ابن کثیر نے ہی امام حاکم صاحب مستدرک کے حوالے سے ہشام بن العاص امویؓ کی روایت نقل کی ہے کہ جب بطور سفیر قیصر روم کی طرف ان کو بھیجا گیا تو اس کے ہاں ایک صندوق متعدد خانوں پر مشتمل دیکھا جن پر قفل لگے ہوئے تھے اور اس نے ہر ایک کو کھول کر اس میں موجود صورتیں دکھلائیں۔ جو کہ حضرت آدم، حضرت نوح، حضرت ابراہیم، حضرت اسمعیلؑ

رضی اللہ عنہ۔



حضرت یعقوب، حضرت اسمعیل، حضرت یوسف، حضرت موسیٰ، حضرت ہارون  
 حضرت داؤد، حضرت سلیمان، حضرت عیسیٰ بن مریم علیہم الصلوٰۃ والسلام اور  
 حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی صورتیں تھیں۔ فرماتے ہیں  
 ہم نے قیصر روم سے دریافت کیا :

من این لك هذه الصور لانا نعلم انها صورت علی  
 ما علیہ الانبیاء لانا رأینا صورہ نبینا مثله فقال  
 ان آدم سأل ربہ ان یریه الانبیاء من ولده فانزل  
 علیہ صورہم -

یہ تصاویر تھیں کہاں سے ہاتھ لگیں کیونکہ ہم یقینی طور پر جانتے ہیں  
 (کہ یہ خیالی اور فرضی صورتیں نہیں ہیں بلکہ) وہ انبیاء علیہم السلام کی واقعی صفت  
 اور کیفیت پر مشتمل ہیں کیونکہ ہم نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صورت  
 کو بالکل ان کے مماثل پایا ہے۔ تو اس نے کہا حضرت آدم علیہ السلام نے  
 اللہ تعالیٰ سے عرض کیا تھا کہ انہیں اپنی اولاد میں سے ہونے والے انبیاء  
 کا دیدار کراتے تو اللہ تعالیٰ نے ان پر انبیاء علیہم السلام کی صورتیں نازل  
 فرمائیں۔ یہ آدم علیہ السلام کے خزانہ میں تھیں، منتہائے مغرب میں جناب  
 ذوالقرنین نے ان کو آدم علیہ السلام کے خزانہ سے نکالا۔ پس وہ  
 دانیال علیہ السلام کے سپرد کیں۔

اور ایسے ہی اس روایت کو حافظ کبیر ابو بکر بیہقی نے دلائل النبوت

میں حاکم سے بطور اجازت ذکر کیا ہے وہ سند لا باس بہ ہے۔ ص ۲۵۸-۲۵۹  
 ج ۲



اور علامہ سرفراز صاحب نے بھی ابن کثیر کی دونوں روایتوں کو اختصاراً اور جلالاً نقل کیا ہے  
(گلدستہ ص ۶۳)

الحاصل بطور نقل صحیح و معتبر ثابت ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے علم ازیلی محیط کے مطابق انبیاء علیہم السلام بلکہ نبی مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلیفہ بلا فصل صدیق اکبر (رضی اللہ عنہ) تک کی بھی تصاویر بنا کر آدم علیہ السلام کے سپرد فرمائیں اور ان کی واقعیت اور حقیقت کی صحیح ترجمانی اور مستقبل زمانہ میں ظاہر ہونے والی شخصیات کی صحیح عکاسی سے بھی یہ یقینی طور پر معلوم ہو جاتا ہے کہ علیم بکل شئی نے ہی ان کو قلم قدرت سے تیار فرمایا اور اپنے خلیفہ اول کے سپرد فرمایا جنہوں نے ان کو زندگی بھر حرز جان بناتے رکھا اور بعد ازاں بھی مقدس شہنشاہ اور مقدس انبیاء اور پھر اہل کتاب اور ان کے اکابر اور خواص کے پاس عزت و احترام سے رکھی رہیں۔

اگر تصاویر کا رکھنا اور ان سے انس اور ذوق و شوق اور سکون و قرار حاصل کرنا کفر و شرک ہوتا بلکہ مکروہ و حرام ہوتا تو اللہ تعالیٰ نہ نازل فرماتا اور نہ ہی اس طرح محفوظ رہنے دیتا لہذا ان پانچ مقدس شخصیات کی تصاویر اور مورتیاں رکھنے کی وجہ سے اوائل پر کفر و شرک تو کجا حرام اور مکروہ تحریمی کے ارتکاب کا فتویٰ لگانا بھی مشکل ہے۔ نیز اگر تصاویر بنانا ان کی شریعت میں ممنوع ہوتا تو وہ مجسمے تیار نہ کرتے اور نہ کسی کو تیار کرنے کی اجازت دیتے جیسے کہ مسجد کے محراب میں ان تماثیل اور مجسموں کو نصب کرنے سے روک دیا اور کہا ہم اس امر کو قطعاً پسند نہیں کرتے کہ ہمارے محراب میں ایسے مجسمے نصب ہوں اور ہم ان کی طرف منہ کر کے نماز ادا کریں۔



اور قبل ازیں تعظیم اور عبادت کا فرق علامہ شبیر احمد عثمانی صاحب کے حوالے سے ذکر کیا جا چکا ہے لہذا مشرک صرف اور صرف وہی لوگ قرار پائیں گے جن کے متعلق عبادت کرنے کی صراحت و وضاحت مذکور ہے۔

## عبادتِ اصنام کی حقیقت اور شرک کی علت

۱۔ حضرت شاہ ولی اللہ کی اس عبارت سے اصنام کی عبادت اور شرک کی علت واضح ہو جاتی ہے جو بدورِ بازنہ سے نقل کی گئی ہے:

و کفر اللہ سبحانہ مشرک کی مکہ بقولہم لرجل سخی  
کان یلت السویق للحجاج انه نصب منصب  
الالوہیة فجعلوا یستعینون بہ عند الشدائد  
”اور اللہ تعالیٰ نے مشرکین مکہ کو کافر قرار دیا کیونکہ انہوں نے اس  
سخی شخص کے متعلق جو حاجیوں کو ستو پلایا کرتا تھا یہ نظریہ اور عقیدہ اپنا  
لیا تھا کہ یہ منصب الوہیت پر مقرر کر دیا گیا ہے تو انہوں نے اس سے  
مشکلات میں استعانت و استمداد شروع کر لی۔“

اور قبل ازیں علامہ تفتازانی کی تصریح ذکر کی جا چکی ہے کہ مجوس غیر اللہ  
میں الوہیت معنی وجوب الوجود تسلیم کرتے ہیں اور بت پرست بتوں میں  
الوہیت معنی استحقاق العبادات تسلیم کرتے ہیں۔ نیز مشرکین مکہ قبور میں  
حیات و زندگی تو تسلیم ہی نہیں کرتے تھے لہذا مقبور جسم کے حق میں قطعاً  
ان کا یہ عقیدہ ہی نہیں ہو سکتا اور نہ اس کی زندگی میں اس کی پرستش کی گئی



تو لا محالہ اس کے نام پر لات نامی بُت میں ہی الوہیت تسلیم کی اور اس کی عبادت شروع کر دی کیونکہ ان کا عقیدہ قرآن مجید نے بیان کرتے ہوئے فرمایا:

إِنْ هِيَ إِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا نَمُوتُ وَنَحْيَا (سورہ المؤمنون آیت ۲۷)

بس یہ صرف دُنیا کی زندگی ہے زندہ رہیں گے اور مر جائیں گے۔

حتیٰ کہ بدر میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اہل قلیب کو نذر و خطاب فرمایا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس پر حیرت و استعجاب کا اظہار کرتے ہوئے عرض کیا:

انّی یسمعوا وانی یجیبوا وقد جیفوا

یہ لوگ سُن کیسے سکتے ہیں اور جواب کیسے دے سکتے ہیں جب کہ مُردار ہو چکے ہیں۔

گویا اس وقت تک اہل اسلام بھی قبور کی حیات اور عذاب و ثواب سے آگاہ نہیں تھے اس کے بعد جب نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مُصاحح فرمائی:

ما انتم باسمع لما اقول منهم ولكن لا یجیبون۔

تم ان سے کوئی زیادہ نہیں سُننے والے، لیکن ان کا جواب تمہارے کانوں تک نہیں پہنچ رہا۔

تب صحابہ کرام اور بعد والے اہل اسلام نے یہ عقیدہ اپنایا:

۲۔ اس طرح حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی حجۃ اللہ البالغہ کی اس عبارت سے بھی غیر اللہ کی عبادت کا مدار کس امر پر ہے اور کفار و مشرکین یہ عبادت کس زعم پر کرتے تھے۔ اس کی پوری پوری وضاحت ہو



جاتی ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ مشرکین اہل اسلام کے ساتھ اس امر میں تو موافق تھے کہ اللہ تعالیٰ امور عظام کی تدبیر و تصرف میں مستقل اور متفرد ہے اور ایسے ہی وہ کام بھی جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے خود کرنے کا عزم باجزم کر رکھا ہے اور کسی دوسرے کو ان میں تصرف کا اختیار نہیں دیا لیکن دوسرے امور میں مسلمانوں کے ساتھ انہوں نے اتفاق و موافقت نہیں کی۔

ذہبوا الی ان الصّٰلِحِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ عِبِدُوا اللّٰهَ فَتَقَرَّبُوا

الیہ فاعطاهم الالوهیة فاستحقوا العبادۃ (الی)

وقالوا هو لاء یسمعون ویبصرون ویشفعون

لعبادهم ویدبرون امورهم وینصرونهم

فختوا علی اسماءهم احجاراً وجعلوها قبلۃ

عند توجہم الی هو لاء - ( ص ۵۹ جلد - ۱ )

بلکہ مشرکین اس نظریہ کے قائل ہو گئے کہ ہم سے پہلے گزرے ہوئے صاحبین نے اللہ تعالیٰ کی عبادت کی پس اس کے مقرب بن گئے تو اللہ تعالیٰ نے ان کو الوہیت دیدی لہذا وہ عبادت کے مستحق ہو گئے اور انہوں نے کہا کہ یہ لوگ سنتے اور دیکھتے ہیں اور اپنے عبادت گزاروں کی شفاعت کرتے ہیں اور ان کے معاملات سدھارتے اور مشکلات حل کرتے ہیں اور نصرت و امداد دیتے ہیں۔ پس ان کے ناموں پر پتھر گھڑ لیے اور ان اصنام و تماثیل کو ان کی طرف توجہ کے لیے قبلہ بنا لیا۔

اس سے بھی صاف ظاہر کہ انہوں نے کچھ معاملات میں ان کو اللہ تعالیٰ



کے ساتھ تدبیر و تصرف میں شریک مان لیا اور ان میں الوہیت تسلیم کر لی  
 بمعنی تدبیر و تصرف بھی اور بمعنی استحقاق عبادت بھی پھر ان کے ناموں پر  
 فرضی تصاویر و تماثل بنالیں اور ان کو ان مقررین کی طرف توجہ کے لیے  
 قبلہ بنا لیا۔

**ضروری تشبیہ :** علامہ سرفراز صاحب کی تدلیس :

اس عبارت کا آخری حصہ علامہ سرفراز صاحب نے اپنی عادت تدلیس  
 کے تحت چھوڑ دیا تاکہ حقیقت حال واضح نہ ہو جائے۔ وہ ملاحظہ ہو :

فخلف من بعدہم خلف فلم یفطنوا للفرق

بین الاصنام و بین من ہی علی صورتہ فظنوها

معبودات باعیانہا و لذلک رد اللہ علیہم تارة

بالتنبیہ علی ان الملك و المحکم له خاصة و تارة

ببیان انها جمادات الہم ارجل یشون بہا ام

لہم اید یبطشون بہا ام لہم آذان یسمعون بہا

بعد میں آنے والے لوگوں نے اصنام میں اور جن کی صورتوں پر اصنام

بنائے گئے تھے ان میں فرق نہ سمجھتے ہوئے انہیں کی ذاتوں کو معبودات

سمجھ لیا اور اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان کا رد کبھی اس تشبیہ کے ساتھ کیا

ہے کہ ملک اور حکم صرف اللہ تعالیٰ کے لیے ہے اور کبھی یہ بیان کر کے

کہ وہ جمادات ہیں کیا ان کے پاؤں ہیں جن کے ساتھ چلتے ہیں؟ کیا ان

کے ہاتھ ہیں جن سے پکڑتے ہیں۔ کیا ان کے لیے آنکھیں ہیں جن سے دیکھتے



ہیں۔ کیا ان کے کان ہیں جن کے ساتھ سنتے ہیں۔ گویا جب ان میں یہ اعضا اور حواس موجود نہیں تو وہ تم سے بھی عاجز اور ضعیف ہیں، پھر ان کی عبادت کرنے کا کیا جواز ہے کیونکہ معبودِ لا محالہ عابد سے قوی اور توانا ہر نامزدی ہے اور ایسے معذور و مجبور مجسموں کو پوجنا بہت بڑی حماقت اور انتہاء درجہ کی جہالت کا مظاہرہ ہے مگر علامہ سرفراز صاحب نے صرف یہ تاثر دینے کی کوشش کی کہ اصنام صرف قبلہ توجہ تھے معبودِ حقیقی نہیں تھے حالانکہ یہ دعویٰ صرف شاہ صاحب پر ہی بہتان نہیں بلکہ کلام مجید کو بھی جھٹلانے کے مترادف ہے۔ اور یہی تحقیق دیگر اکابر مفسرین نے بھی بیان فرمائی ہے کہ مشرکین محض ان تصاویر و تماثل کے دیدار پر اکتفا نہیں کرتے تھے بلکہ ان کی عبادت کرتے تھے۔

۳۔ چنانچہ حافظ ابن کثیر فرماتے ہیں: قال تعالیٰ:

وَالَّذِينَ اتَّخَذُوا مِنْ دُونِهِ أَوْلِيَاءَ مَا نَعْبُدُهُمْ إِلَّا لِيُقَرِّبُونَا  
إِلَى اللَّهِ زُلْفَىٰ ط

(سورہ زمر آیت ۳)

ای انما یجملہم علی عبادتہم لہم انہم عمدوا الی  
اصنام اتخذوها علی صور الملیکة المقربین فی  
زعمہم فعبدو واتلک الصور تنزیلا لذلک منزلة  
عبادتہم ہولاء الملیکة یشفعوا لہم عند اللہ  
فی نصرہم ورزقہم وما ینوبہم من امور الدنیا  
فاما المعاد فکانوا جاہدین لہ کافرین بہ۔

(ص ۳۵ جلد ۲)



جن لوگوں نے اللہ تعالیٰ کے سوا حمایتی فرض کر رکھے تھے انہوں نے کہا ہم ان کی عبادت نہیں کرتے مگر صرف اس لیے کہ ہمیں اللہ تعالیٰ کے قرب پر فائز کر دیں یعنی ان کو ان حمایتیوں کی عبادت پر یہ امر برا لگینا کہتا تھا کہ انہوں نے ایسے اصنام کی طرف قصد و ارادہ کیا جن کو ملائکہ مقربین کی صورتوں پر بنا رکھا تھا اپنے زعم اور خیالِ فاسد کے مطابق پس ان صورت و تماثل اور اصنام کی عبادت شروع کی اسکو ملائکہ مقربین کی عبادت کی جا بجا قرار دیتے ہوئے تاکہ اللہ تعالیٰ کے ہاں ان کی شفاعت کریں نصرت و اعانت میں اور رزق و روزی میں اور دنیوی حوادث و مشکلات میں لیکن قیامت (میں امداد و اعانت اور شفاعت مراد نہیں کیونکہ وہ تو اس کے منکر تھے اور اس کے ساتھ کفر کرنے والے تھے۔

۴۔ امام رازی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں :

انہم وضعوا هذه الاصنام والاثان على صور  
انبياءهم واکابرهم وزعموا انهم متى  
اشتغلوا بعبادة هذه التماثل فان اولئك الاکابر  
تكون شفعاءهم عند الله - (تفسیر کبیر ص ۸۱۸)

ان مشرکین نے یہ اصنام اور اوشان اپنے انبیاء اور اکابرین کی صورتوں پر تیار کیے اور یہ اعتقادِ فاسد جمایا کہ وہ جب ان صورتوں اور مجسموں کی عبادت کے ساتھ مشغول ہوں گے تو وہ انبیاء اور اکابرین ان کی اللہ تعالیٰ کے ہاں شفاعت کریں گے۔



۵۔ علامہ سید شریف جرجانی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں :  
 بت پرست دو واجب الوجود خداؤں کے قائل نہیں اور نہ وہ اصنام  
 اور اوثان کو صفات الوہیت کے ساتھ موصوف و مستصف مانتے ہیں اگرچہ  
 الہ کا لفظ بولتے ہیں۔

بل اتخذوها علیٰ انہا تماثل الانبیاء والزہاد  
 او الملائکة او الکواکب واشتغلوا بتعظیمہا علی  
 وجہ العبادۃ تو صلابہا الیٰ من هو الہ حقیقۃ

(شرح مواقف منہ مطبع نوکسور)

بلکہ انہوں نے ان صور و تماثل کو اختیار کیا کہ وہ انبیاء اور زاہد لوگوں  
 کی تصاویر ہیں یا ملائکہ مقربین یا ستاروں کی اور ان اصنام و اوثان کی عبادت  
 کے طور پر تعظیم و تکریم میں مشغول ہو گئے حقیقی الہ کی طرف رسائی کے لیے۔

۶۔ حضرت شاہ عبد العزیز محدث دہلوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں :  
 قوم حضرت نوح علیہ السلام را صل مرصن آں بود کہ در طلب تقرب  
 الی اللہ و استعانت در حوائج خود بتوجہ الی المظاہر الکاملہ من ارواح الاولیاء  
 گرفتار بودند۔ و تقرب بسوئے مرتبہ تنزیہ و استعانت بآں مرتبہ اصدا  
 در ذہن ایشان گنجائش نہ داشت و رفتہ رفتہ ارواح آں اولیاء بسبب  
 کمال انہماک ایشان در حب دنیا و تعمیر آں و بسبب تصور ایشان از ادراک  
 مرتبہ روحیہ نیز از نظر ایشان غائب شدہ و ارواح شیطانہیہ ہمیشہ بجائے  
 آنہاں ایشان را بخود مائل ساختہ می فریفتند تا آنکہ نام نام اولیاء بود و



حقیقت حقیقتِ شیطان - (تفسیر عزیزی ص ۱۱۵-۱۱۶ جز ۲۹)

حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کو دراصل یہ مرض لاحق تھا کہ اللہ تعالیٰ سے قربت اور نزدیکی حاصل کرنے میں اور اپنے حاجات میں اعانت و امداد حاصل کرنے میں اولیاء کرام کے ارواح کے مظاہر کاملہ (ان کے صور و تماثل) کی طرف توجہ اور التفات میں گرفتار اور مبتلا تھے اور اللہ تعالیٰ کے مرتبہ تنزیہ کا تقرب اور اس سے استعانت کی بالکل ان کے ذہن میں گنجائش ہی نہیں تھی۔ رفتہ رفتہ ان اولیاء کرام کے ارواح بھی انکی نظروں سے غائب ہو گئے۔ بسبب ان کے دنیوی محبت میں مکمل انہماک کے اور اس کی تعمیر و ترقی میں مشغولیت کے اور بسبب روحی مرتبہ اور روحانی مقام کے اور اک سے عاجز و قاصر ہونے کے اور ان ارواح طیبہ کی بجائے شیطانی خلیت ارواح نے ان کو اپنی طرف مائل کر کے فریب دینا شروع کیا۔ حتیٰ کہ ان صور و تماثل اور اصنام و اوثان پر بوجہ انیوالا نام تو اولیاء کرام والا رہ گیا لیکن ان کی حقیقت صرف اور صرف شیطان والی حقیقت رہ گئی۔

شاہ عبدالعزیز فرماتے ہیں :

اگر نظر ایشاں در عبادت و تقرب باصل مراتب ارواح اولیاء متوجہ  
میشد نیز ایشانرا از جانب آل ارواح ہدایت و ارشادے می رسد و  
بر توجہ الی اللہ ایشاں راجستہ جستہ در منامات و معاملات دلالت می فرموند  
واذ شرک صریح بازمی داشتند - (ص ۱۱۶ جز ۲۹)

اگر اللہ تعالیٰ کی عبادت میں اور اس کی طرف تقرب میں ارواح اولیاء



کے اصل مراتب کے ذریعے ان کی نظر و فکر متوجہ ہوتی تو بھی ان ارواح کی طرف سے ان کو رہنمائی اور رہبری حاصل ہو جاتی اور آہستہ آہستہ ان کو اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ کر دیتے خوابوں میں اور منامات میں رہنمائی کر کے اور انہیں صریح شرک میں مبتلا ہونے سے بچا لیتے لیکن وہ تو ان کے ارواح مقدسہ کی طرف نہ متوجہ تھے اور نہ ہی اس کی اہلیت رکھتے تھے۔

۷۔ نیز حضرت ابراہیم علیہ السلام کا اصنام سے خطاب تم کھاتے کیوں نہیں سامنے تو کھانے کی بہت اشیاء رکھی ہیں، بولتے کیوں نہیں مجھے جواب تو دو شکل تو تمہاری بولنے والوں جیسی ہے۔ پھر ان کے عابدین سے کہنا ان سے پوچھ لو اگر بولتے ہیں تو۔ اور ان کا صاف صاف اقرار کرنا یہ بولتے نہیں ہیں وغیر ذلک اس امر کی بین برہان اور لاریب دلیل ہے کہ روحانی مظاہر ہونے اور قبلہ توجہ ہونے والا تصور قطعاً ان کو نہیں تھا ورنہ وہ کہہ دیتے حضرت یہ تو صرف قبلہ توجہ ہیں اصل اللہ ہمارے تو اور ہیں۔

۸۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان کہ ان کے پاؤں ہیں جن کے ساتھ چل سکیں۔ ہاتھ ہیں جن سے پکڑ سکیں۔ آنکھیں ہیں جن سے دیکھ سکیں۔ کان ہیں جن سے سن سکیں حالانکہ شکل و صورت تو ان کی تم نے بندوں والی بنا رکھی ہے۔ یہ بھی اس امر کی روشن دلیل ہے کہ انہیں مجسموں اور صور و تماثل کو ہی وہ معبود و مسجود سمجھنے لگ گئے تھے اور ارواح اولیاء اور ارواح انبیاء اور ملائکہ قطعاً ان کی نظروں میں نہیں تھے۔



اگر عبادت کسی نبی و ولی کی ہو تو بھی شرک ہے اور جب مصنوعی مجسموں کی ہو تو اس کے شرک ہونے میں کیا شک و شبہ ہو سکتا ہے اور ابتدا میں اگرچہ ارواحِ کاملین کی طرف توجہ کے لیے یہ مجسمے تیار کیے گئے لیکن پھر خود ہی مطلوب و مقصود قرار پاتے جس طرح کوئی شخص کعبہ مبارکہ کو ہی معبود اور مسجود سمجھ لے تو یقیناً مشرک ہے لیکن جس ذاتِ اقدس نے کعبہ کو قبلہ کا درجہ دیا اس کا یہ نثار تو نہیں تھا کہ کعبہ کو ہی معبود بنا لیں، تو کیا کسی کی ایسی حماقت کی وجہ سے وہ لوگ بھی مورد الزام اور محل تنقید ٹھہریں گے جو محض قبلہ سمجھیں اور عبادت صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی کریں۔

علیٰ ہذا القیاس جن لوگوں نے یہ مجسمے بنانے کی اجازت صرف یادگیری اور یاد دہانی کے لیے دی اور عبادت صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی کرتے رہے ان کو مشرک کہنا قطعاً روا نہیں اور جنہوں نے عبادت شروع کر لی، وہ پکے مشرک ہیں ان کی رعایت روا نہیں ہے۔

لیکن ان کے ناجائز عمل کی بنا پر کیا ان کاملین کی ارواحِ طیّبہ سے کمالات سلب کر لیے گئے؟ اور انہیں دیکھنے سننے اور چلنے پھرنے سے معذور کر دیا گیا؟ حاشا وکلا ہرگز نہیں! حضرت عزیر علیہ السلام کیا شبِ معراج بیت المقدس میں حاضر نہیں ہوئے تھے اور سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتدار نہیں کی تھی۔ حضرت مسیح علیہ السلام کیا تشریف نہیں لائے تھے۔ بقول تمہارے ہم نے حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ کو خدا بنایا ہوا ہے تو کیا ان کا مرتبہ ولایت سلب ہو گیا ہے اور وہ تدبیر و تصرف سے



محروم ہو گئے اور اگر ایسا ہے تو سید احمد بریلوی کو قادری فیض خود تشریف  
لا کر کیسے عطا کر گئے وغیر ذلک۔

الحاصل آیات کریمہ اور تفسیری اقوال اور اکابر کی تصریحات سے اصنام  
و اوثان کی حقیقت واضح ہو گئی کہ ابتداء میں ارواح انبیار و اولیاء کی طرف  
توجہ و التفات کا ذریعہ سمجھ کر ان کو بنایا اور ان کا ملین کے ارواح کو اللہ تعالیٰ  
کے تقرب اور اس سے استعانت کا ذریعہ اور وسیلہ بنایا گیا لیکن جوں جوں  
نئی نسلیں آتی گئیں ابتدائی تصور و خیال ترک ہوتا گیا۔ حتیٰ کہ ان کی عبادت  
اس زعم پر شروع کر لی کہ اس سے کا ملین کی رُو میں خوش ہوں گی اور وہ  
ہماری اللہ تعالیٰ کے ہاں سفارش کریں گی اور پھر نسبت یہاں تک پہنچی کہ  
خود ان مُورثیوں کو ہی معبود و مسجود بنالیا اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ عبادت  
کے استحقاق میں شریک کر لیا۔ اسی لیے جہنم میں گرنے کے بعد کہیں گے۔

تَاللّٰهِ اِنْ كُنَّا لَفِي ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝ اِذْ نَسُوْا بِيْكُمْ رَبَّ الْعٰلَمِيْنَ ۝

(سُوْرَةُ الشُّعَرٰ اٰیٰت ۹۷-۹۸)

بخدا ہم کھل گمراہی میں تھے جبکہ تمہیں رب العالمین کے برابر ٹھہرتے تھے  
حالانکہ انبیار و اولیاء یا ملائکہ تو ان کے ساتھ العیاذ باللہ جہنم میں  
نہیں ہوں گے اور یہ کلام ان سے جہنم میں سرزد ہو گا۔

قَالُوْا وَهُمْ فِيْهَا يَخْتَصِمُوْنَ ۝ (سُوْرَةُ الشُّعَرٰ اٰیٰت ۹۶)

وہ دوزخ میں باہم جھگڑتے ہوئے اس طرح کہیں گے۔

اور اس لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا :



إِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ  
 أَنْتُمْ لَهَا وَارِدُونَ ۝ لَوْ كَانَ هُوَ اللَّهُ مَا وَرَدُوهَا  
 وَكُلٌّ فِيهَا خَالِدُونَ ۝

(سورہ الانبیاء آیت ۹۸-۹۹)

بیشک تم اور جن کی تم اللہ تعالیٰ کے سوا عبادت کرتے ہو سب جہنم  
 کا ایندھن ہیں اور تم سب اس میں داخل ہونے والے ہو اگر یہ اصنام و اوثان  
 وغیرہ خدا ہوتے تو جہنم میں داخل نہ ہوتے۔ سبھی اسمیں ہمیشہ رہنے والے ہو۔

## علماء دیوبند کی عجیب و غریب منطق ،

یہ کتنا عجیب معاملہ ہے کہ علامہ صاحب اصنام و اوثان کو محض قبلہ  
 توجہ قرار دیتے ہیں اور حقیقی معبود و مسجود انبیاء کرام اور اولیاء کرام کو قرار  
 دیتے ہیں اور مسیٰ، پتھر وغیرہ کی مورتیوں کو کسی باہوش شخص کے نزدیک  
 قابل پرستش ہی نہیں سمجھتے مگر اللہ تعالیٰ بھی اور خود بت پرست بھی تسلیم  
 کرتے ہیں کہ ہم انہی اصنام اوثان کی پرستش اور عبادت کرتے تھے اور  
 انہیں اللہ تعالیٰ کے ساتھ عبادت میں شریک کرتے تھے۔

نیز یہ بھی کس قدر تعجب خیز اور حیرت انگیز معاملہ ہے کہ جن کی عبادت  
 کی گئی وہ اسی طرح مقرب اور جنتی اور جنت کی نعمتوں سے مزے لوٹیں اور  
 جن بیچاروں کی عبادت ہی نہیں کی گئی بلکہ بقول علماء دیوبند وہ صرف اور  
 صرف قبلہ توجہ تھے وہ دھریے گئے اور دوزخ میں ہمیشہ کے لیے داخل  
 کر دیئے گئے۔



## اصنام پر شیاطین کا تسلط

۱۔ حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب کے ارشاد سے عزی اور نائلہ نامی بٹوں اور تھانوں کی تباہی پر عورتوں کے نمودار ہونے کی حقیقت بھی واضح ہو گئی کہ ارواح اولیاء اور ارواح انبیاء علیہم السلام کا ان مظاہر اور صور و تماثل کے ساتھ کوئی ربط اور تعلق نہ تھا اور ان کے پرستار بھی حب دنیا میں انہماک وغیرہ کی وجہ سے ان ارواح طیبہ کی طرف توجہ سے قاصر رہے اور مرتبہ روحیہ کے ادراک سے عجز کی وجہ سے بھی ان سے ربط و تعلق قائم نہ کر سکے تو شیطانوں نے ان مجسموں میں ڈیرے جما لیے اور لوگوں کو فریفتہ کرنا شروع کر دیا۔

۲۔ حافظ ابن کثیر نے حضرت ابوالطفیل رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ حضرت خالد رضی اللہ عنہ کو فتح مکہ کے بعد نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عزی کی تباہی کے لیے بھیجا انہوں نے تین درخت کاٹ دیئے اور مکان منہدم کر دیا جب حاضر بارگاہ ہوئے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم نے اصل مقصد پورا نہیں کیا پھر جاؤ (گویا نگاہ نبوت سے دیکھ لیا کہ اصل بہار شرف و فساد اور مدار شرک تو ابھی باقی ہے) آپ گئے تو اس کے مجاوروں نے پکارنا شروع کیا یا عزی یا عزی چنانچہ آپ کیا دیکھتے ہیں :

إذا امرت عریانة ناشرة شعرها تحفن التراب



عَلَى رَأْسِهَا ففمفسها بِالسَّيْفِ حَتَّى قَتَلَهَا (ص ۲۵۲ جلد ۲)

کہ ایک برہنہ عورت ہے جو بال کھولے ہوتے ہے اور سر پر خاک ڈال رہی ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تلوار اس میں چھبوا کر اسکو قتل کر ڈالا۔

۳۔ اسی طرح حضرت ابن ابزی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب مکہ فتح ہو گیا تو ادھیڑ عمر کی حبشی نما بڑھیا واویلا کرتی ہوئی اور اپنے رخساروں کو نوچتی ہوئی جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے آئی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا :

تلك نائلة ايست ان تعبد ببلد کم هذا ابدا

یہ نائلہ ہے جو تمہارے اس شہر میں پوجا اور پرستش کیے جانے سے ہمیشہ کے لیے نامید ہو چکی ہے۔

قابل غور امر یہ ہے کہ جب نائلہ امام نووی رحمہ اللہ کی تصریح کے مطابق انسان تھی تو پتھر کا مجسمہ ٹوٹنے سے وہ کیسے برآمد ہوئی تو واضح ہو گیا کہ ان مجسموں پر شیاطین نے قبضہ جما رکھا تھا اور ان کے ٹوٹنے پر وہ بے گھر ہو گئے اور ماتم کرنے لگے۔

۴۔ نیز اگر وہ خالی خولی مجسمے رہتے اور کسی کو ذرہ بھر دنیا میں نفع و نقصان ان سے حاصل نہ ہوتا تو لوگ اتنے عرصہ دراز تک ان کی پرستش اور پوجا پاٹ میں کیوں مصروف رہتے دراصل وہی جنات اور شیاطین کسی کو پہلے ضرر اور ایذا پہنچاتے پھر بول پڑتے کہ فلاں بت کے پاس لے جاؤ تو یہ آدمی ٹھیک ہو جائے گا ورنہ دنیا کی کوئی طاقت تمہارے اس آدمی



کو بچا نہیں سکتی۔ اور ایسے ہی ان کے کرتوت دیکھ کر مشرکین نے حضرت  
ہود علیہ السلام کو کہا تھا :

إِنَّ نَقُولُ إِلَّا اِعْتْرَاكَ بَعْضُ اِلٰهَتِنَا بِسُوْعٍ

(سورہ ہود آیت ۵۴)

ہم تو یہی کہتے ہیں کہ تجھے آسید پہنچایا ہے ہمارے معبودوں میں سے  
کسی نے بہت بُری طرح۔

یعنی یہ جو تم بہکی بہکی باتیں کہ رہے ہو اور ساری دُنیا جہان کو بیوقوف  
بنا رہے ہو۔ ہمارا خیال یہ ہے کہ ہمارے دیوتاؤں میں سے کسی نے تمہیں  
آسید پہنچا کر مجنون اور پاگل کر دیا ہے (العیاذ باللہ) کیونکہ تم انکی عبادت  
اور پرستش سے روکتے جو تمہیں اور ان کو بُرا بھلا کہتے تھے۔ انہوں نے اس  
گستاخی کی تمہیں سزا دی ہے کہ اب تم بالکل دیوانوں کی سی باتیں کرنے  
لگے ہو۔ (حاشیہ عثمانی)

۵۔ نیز اس سے ملائکہ معصومین کے جواب کی حقانیت اور واقعیت بھی واضح  
ہو گئی کہ یہ تو جنوں کی پوجا کیا کرتے تھے۔

بل كانوا يعبدون الجن اكثرهم بهم مومنون  
اور ان کے اکثر انہیں کے معتقد ہیں۔ اور اگر حقیقت حال اس طرح  
نہ ہو تو بظاہر ان معصومین کی طرف کذب کی نسبت لازم آئے گی۔  
۶۔ علاوہ ازیں علامہ سرفراز صاحب نے جو دعویٰ کیا تھا کہ بُت صرف  
قبلہ توجہ تھے اصل معبود انبیاء اولیاء تھے۔ ان کے اساف و ناملہ کا یہاں



ذکر کرنے سے اس کی لغویت بھی واضح ہو گئی کیونکہ یہ دونوں مسخ شدہ انسانی مجسمے تھے۔ ان دونوں نے کعبہ مبارکہ کے اندر زنا کیا تھا تو اللہ تعالیٰ نے ان کو پتھر بنا دیا چنانچہ ان کو اٹھا کر صفا و مردہ پر ڈال دیا گیا تاکہ انکی حالت دیکھ کر لوگ عبرت حاصل کریں۔ مگر عرصہ دراز کے بعد جب انکا کروت لوگوں کے ذہنوں سے محو ہو گیا تو ان کو بھی معبود و مسجود بنا لیا گیا اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ حصہ داری اور شراکت کا مقام دے دیا گیا۔ مختصر یہ کہ انہیں غائب خدا کی پرستش میں کوئی ذوق شوق اور سکون و قرار حاصل نہیں ہوتا تھا، اس لیے انہیں کوئی نہ کوئی محسوس و مبصر مجسمہ درکار ہوتا تھا لہذا جیسے بھی بل گئے پوج کر دل کی حسرت مثالی خواہ تراشے ہوئے ہوتے، یا ان گھڑے اور بن تراشے۔ (کما قال ابورجاء العطار دی)

۷۔ نیز علامہ صاحب کا یہ داویلا بھی ختم ہو گیا کہ کوئی باہوش آدمی محض پتھر کی مورتی کو کیونکر معبود بنا سکتا ہے کیونکہ ان کے خیال میں وہ محض پتھر نہیں تھے بلکہ بڑے بڑے کارنامے سرانجام دینے کی سکت رکھتے تھے حتیٰ کہ انہوں نے بقول ان کے اللہ تعالیٰ کے نبیوں کو بھی اپنے غیظ و غضب کا نشانہ بنا کر انسانی امتیاز یعنی عقل و خرد اور حکمت و دانائی اور فہم و فراست سلب کر کے مجنون اور پاگل بنا دیا تھا، العیاذ باللہ تعالیٰ۔ جیسے کہ کلام مجید کی شہادت اور علامہ شبیر احمد عثمانی دیوبندی کے حاشیہ سے واضح ہو چکا۔

الغرض اہل اسلام اور بت پرستوں میں اس قدر واضح فرق کے بعد بھی



اگر علامہ سرفراز صاحب کہیں کہ شرک صرف بت پرستی اور صنم پرستی کا نام نہیں ہے بلکہ کلمہ گو اور مسلمانوں کا دعویٰ کرنے والے صرف زبانی لَّا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ کہتے ہیں اور اَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ اُوپر اُوپر سے پڑھتے ہیں اور ان کا مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللَّهِ اور اَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ کہنا دکھاوے کے لیے ہے اور حقیقت میں یہ سبھی ابو جہل اور ابولہب کے بھائی ہیں تو علامہ صاحب کو اپنا علاج کرانا چاہیے ممکن ہے شفا نصیب ہو جائے بشرطیکہ تائید ایزدی نصیب ہو۔

گہر جو دل میں نہاں ہیں خدا ہی دے تو ملیں

اسی کے پاس ہے مفتاح اس خزانے کی

دیکھو خوارج کو حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ جیسی ہستی مشرک نظر آئی حالانکہ آپ کا دامن عزت اس گرد سے مکمل طور پر محفوظ تھا اور حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما ان خوارج کو اسی لیے ساری مخلوق سے بدتر سمجھتے تھے کہ وہ اصنام و اوثان والی آیات کا مصداق انبیاء و رسل کو بنا کر انکے نیاز مند اور اطاعت گزار مخلص مومنین کو مشرک بنا ڈالتے کجا رواہ البخاری عنہ تو علامہ صاحب کو کیسے یقین ہو سکتا ہے کہ ان کی نظر صحیح ہو اور ان کی سوچ و فکر میں اسی طرح کی کجی اور ٹیڑھ نہ ہو جیسے خوارج میں تھی اور حضرت مولائے مرتضیٰ کے غلاموں کو وہ اسی نظر سے نہ دیکھ رہے ہوں جن نظروں سے خارجیوں نے باب مدینۃ العلم، فاتح خیبر، زوج البتول رضی اللہ عنہما اخ الرسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا تھا۔



دلِ بینا بھی کر خدا سے طلب  
کہ آنکھ کا نور دل کا نور نہیں

## مصنوعی شیوخ القرآن کے لیے غیبی فرمان

علامہ سرفراز جیسے شیخ القرآن کے متعلق ہی صاحبِ سر رسول صلی اللہ علیہ وسلم  
اور قیامت تک نمودار ہونے والے فتووں اور ان کے قائدین سے باخبر صحابی  
حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ باعلام اللہ عالم ماکان و مایکون  
سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے راوی ہیں :

ان مما اخاف علیکم رجل قرء القرآن حتی اذا  
رعیته بهجته علیہ وکان رداءہ الاسلام اعتراه  
الی ما شاء اللہ فانسلخ منه ونبذہ وراء ظہرہ و  
سعی علی جاره بالسیف ورماه بالشرك قال قلت  
ایہما اولی بالشرك المرئی او الرامی ؟ قال بل  
الرامی - ہذا اسناد جید - (تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۲۷۱)

بیشک وہ امور جن کے بارے میں تمہارے حق میں خوفزدہ ہوں ایک  
یہ بھی ہے کہ ایک شخص قرآن پڑھے گا حتیٰ کہ جب اس کی رونق اس پر نظر  
آئے گی اور اس پر اسلام بطور چادر محیط ہوگا تو اس کو اللہ تعالیٰ جدھر  
جدھر چاہے گا مائل کر دے گا پس وہ اس چادر سے الگ ہو جائے گا،  
اور روایتے اسلام اور قرآن کو پس پشت پھینک دے گا اور اپنے پڑوسی



پرتلواری کے ساتھ حملہ کی سعی کرے گا اور اس کو شرک کا الزام دے گا۔ حضرت  
 حذیفہ نے عرض کیا ان دونوں میں سے شرک کا زیادہ سزاوار کونسا ہوگا،  
 جس کو الزام دیا گیا یا جس نے الزام دیا اور اقرار کیا تو آپ نے فرمایا بلکہ  
 جس نے الزام و اتہام عائد کیا۔

علامہ ابن کثیر نے اس روایت کو بلعم بن باعور کے متعلق وارد اس  
 آیت کریمہ کے تحت نقل کیا :

وَآتَلُّ عَلَيْهِمْ نَبَا الَّذِي اتَّبَنَاهُ أَيَّتِنَا فَانْسَلَخَ مِنْهَا

فَاتَّبَعَهُ الشَّيْطَانُ فَكَانَ مِنَ الْغَوِينَ ○ (سورہ الاحزاب ۱۷۵)

اور ان پر تلاوت کرو اس شخص کی خبر عجیب جس کو ہم نے آیات عطا  
 کیں پس وہ ان سے نکل گیا پس شیطان نے اس کو اپنے پیچھے لگا لیا پس  
 وہ گمراہوں میں سے ہو گیا۔

اور اس آیت کریمہ کے تحت ذکر کر کے واضح کر دیا کہ جس طرح بلعم بن  
 باعور نے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور بنی اسرائیل کی مخالفت کر کے اور کفار  
 کا ساتھ دے کر اپنی عاقبت تباہ کر لی اور دنیا میں ذلت و خواری سے  
 دوچار ہو گیا، اسی طرح اہل اسلام کو شرک قرار دینے کے شائق بھی اسی  
 ملعون کی سنت پر عمل پیرا ہیں اور اسی کی طرح اپنے آپ کو اپنے بلند  
 و بالا منصب سے گرانے والے اور دنیوی و اخروی ذلت و خواری سے  
 دوچار کرنے والے ہیں اور اہل سنت کو نقصان پہنچانے کی بجائے اپنے  
 آپ کو ایمان و اسلام اور قرآن مجید کے انوار و تجلیات اور فیوض و برکات  
 سے محروم کرنے والے ہیں اور کفر و شرک کے گڑھوں میں گرنیوالے ہیں العیاذ باللہ



## گلدستہ توحید

## کیا مشرکین عرب خدا تعالیٰ کو نہ مانتے تھے؟

اتنی بات تو ہر کلمہ گو جانتا ہے کہ عرب کے جن لوگوں کی طرف  
براہِ راست اللہ تعالیٰ نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث  
فرمایا تھا وہ مشرک تھے لیکن سوال یہ ہوگا کہ شرک کی کیا چیز ان میں موجود  
تھی جن کی بنا پر وہ مشرک قرار پائے۔ اگر آپ ذیل کی آیات کو پڑھیں گے  
تو آپ کو حقیقتِ حال سے کچھ آگاہی ہو جائے گی۔ (ترجمہ آیات تک اکتفا  
کیا جاتا ہے۔)

۱۔ اگر ان مشرکین سے دریافت کریں کہ انہیں کس نے پیدا کیا تو کہیں گے  
اللہ تعالیٰ نے۔ (زخرف ۸۷)

۲۔ اگر آپ ان سے دریافت کریں کہ کس نے بنائے آسمان اور زمین تو  
منزور کہیں گے اللہ نے۔ (زخرف ۳۸)

۳۔ اور اگر آپ ان سے پوچھیں کہ کس نے بنائے آسمان اور زمین اور کس  
نے کام میں لگایا سورج کو اور چاند کو تو ضرور کہیں گے اللہ نے۔

(سورہ العنکبوت ۶۱)

۴۔ اور اگر آپ ان مشرکین سے پوچھیں کہ کس نے اتارا آسمان سے پانی



پھر زندہ کیا زمین کو اس کے مرنے کے بعد تو ضرور کہیں گے اللہ نے

(عنکبوت ۶۳)

۵۔ تو پوچھ کون روزی دیتا ہے تم کو آسمان سے اور زمین سے یا کون مالک ہے کانوں، آنکھوں کا اور کون نکالتا ہے زندہ کو مردہ سے اور کون نکالتا ہے مردہ کو زندہ سے اور کون تدبیر کرتا ہے کاموں کی؟ تو بول ٹھہر

گے کہ اللہ! - (سُورہ یونس ۳۱)

۶۔ تو کہہ کس کی ہے زمین اور جو کوئی اس میں ہے؟ بتاؤ اگر تم جانتے

ہو۔ سب کہیں گے سب کچھ اللہ کا ہے۔ تو کہہ کہ پھر تم سوچتے نہیں تو

کہہ کون مالک ہے ساتوں آسمانوں کا اور مالک بڑے عرش کا۔ اب

بتائیں گے اللہ کو۔ تو کہہ کہ پھر تم ڈرتے نہیں

تو کہہ کس کے ہاتھ میں ہے اختیار ہر چیز کا اور وہ بچا لیتا ہے اور اس

سے کوئی بچا نہیں سکتا بتاؤ اگر تم جانتے ہو؟ اب بتائیں گے اللہ کو

تو کہہ کہ پھر کہاں سے تم پر جادو آ پڑتا ہے۔ (سُورہ مومنون ۸۳ تا ۸۹)

## گلشنِ توحید و رسالت

سوال کے جواب کی بجائے سوال کی تقویت،

علامہ صاحب کا دعویٰ تو یہ تھا کہ ان آیات کو پڑھنے سے اس

حقیقتِ حال سے آگاہی ہوگی اور اس سوال کا جواب ملے گا کہ شرک

کیا چیز ان میں موجود تھی لیکن ناظرینِ کرام کو یہ سوال بالکل ان آیات کر



حل ہوتا نظر نہیں آسکتا اور نہ ان میں موجود شرک والی چیز ان سے نظر آتی بلکہ ان آیات کریمہ سے تو معلوم ہوتا ہے کہ ان میں شرک نام کی کوئی شے تھی ہی نہیں کیونکہ وہ اپنا خالق، زمین و آسمان کا خالق اور ان میں سُبُوح اور چاند کو مسخر کرنے والا۔ آسمان سے بارش اتار کر وہ زمین کو حیاتِ نو بخشنے والا۔ آسمان و زمین سے روزی دینے والا۔ کانوں اور آنکھوں کا مالک زندہ کو مردہ سے اور مردہ کو زندہ سے برآمد کرنے والا۔ تمام امور کا مدبّر زمین اور اس میں موجود ہر شے کا مالک۔ ساتوں آسمانوں کا اور عرشِ عظیم کا اور ہر چیز پر قبضہ و تصرف کا مالک صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کو مانتے تھے اور ان کا عقیدہ تھا کہ وہی بچانے والا ہے اور اس سے بچانے والا کوئی نہیں ہے جیسے کہ مندرجہ بالا ارشاداتِ خداوند تعالیٰ سے ثابت ہوا اور یہ تمام جوابات ان کا شرک بالکل ظاہر نہیں کرتے بلکہ ان سے تو معلوم ہوتا ہے کہ وہ بہت بڑے موحد تھے لہذا وہ سوال اسی طرح باقی رہ گیا۔ اور علامہ صاحب کو پھر کہنا پڑ گیا، اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ وہ کیوں مشرک تھے۔ کیا خرابی تھی ان میں کہ اللہ تعالیٰ نے اور اس کے آخری پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم دونوں نے ان کو مشرک کہا۔ ان کے شرک کی علت کیا تھی؟ سو یہ بات اچھی طرح سے قابلِ غور ہے۔ گویا سوال ابھی سوال ہی ہے بلکہ مزید پختہ اور قوی ہو گیا ہے لہذا یہ دو ورق بلاوجہ کالے کر دیتے گئے۔ علامہ صاحب کیا تقریبِ تام اسی طرح ہوا کرتی ہے؟



## سوال کا صحیح جواب

۱۔ لیکن ہماری پچھلے باب میں مذکور گزارشات سے اس سوال کا جواب بخوبی مل سکتا ہے، کہ عبادتِ خداوند تعالیٰ میں اصنام و اوثان اور شیاطین کو شریک ٹھہراتے تھے۔

قَالُوا وَهُمْ فِيهَا يَخْتَصِمُونَ ۝ تَاللَّهِ إِنْ كُنَّا لَفِي ضَلَالٍ

مُبِينٍ ۝ اِذْ نُسُوِّكُمْ رَبِّ الْعَالَمِينَ ۝ (سورة الشعراء ۹۶، ۹۷، ۹۸)

اور اللہ تعالیٰ کے گھر میں تین سو ساٹھ بت رکھ کر ان کو پوجتے تھے اور اللہ تعالیٰ کے آگے سر نیاز خم نہیں کر سکتے تھے بلکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اللہ وحدہ لا شریک لہ کے حضور سجدہ کرنے ہوتے بھی نہیں دیکھ سکتے تھے حتیٰ کہ ان پر عین حالتِ سجود میں اونٹ کا شکنبہ رکھ دیا اور پھر ہنستے ہنستے زمین پر لوٹ پوٹ ہونے لگے۔ انہیں پتھروں سے تراش خراش کر بنائے ہوئے بتوں سے اللہ تعالیٰ کی طرح محبت کرتے تھے "يُحِبُّونَهُمْ كَحُبِّ اللَّهِ" بلکہ اگر کوئی خدا پرست ان کے بتوں کو گالی دیتا تو ان سے چڑھ کر اللہ تعالیٰ کی جناب میں گستاخی کرنے لگتے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَلَا تَسُبُّوا الَّذِينَ يَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ فَيَسُبُّوا اللَّهَ

عَدُوًّا بِغَيْرِ عِلْمٍ ط (سورة الانعام آیت ۱۰۸)

اور نہ گالی دو ان کو جنہیں وہ (بت پرست) اللہ تعالیٰ کے سوا پوجتے

ہیں پس وہ گالی دیں گے اللہ تعالیٰ کو از راہِ عداوت بغیرِ سمجھے۔



۲- نیز انہوں نے اللہ تعالیٰ کو بڑی بڑی اشیاء کا خالق و موجد اور اہم امور میں اگرچہ متفرد اور مستقل بالتصرف مان رکھا تھا لیکن تمام کائنات کے انتظام و انصرام میں اس کو خود کفیل اور مستقل نہیں سمجھتے تھے اسی لیے لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ کا اعلان مصطفویٰ سن کر چلا اٹھے اور از روئے انکار کہا :

أَجْعَلُ الْإِلَهَةَ إِلَهًا وَاحِدًا ۖ إِنَّ هَذَا لَشَيْءٌ عَجَابٌ ۝

(سورہ ص آیت ۵)

کیا انہوں نے تمام معبودوں کی عبادت ختم کر کے صرف ایک معبود میں بندگی کو منحصر کر دیا ہے یہ تو بہت ہی حیران کن چیز ہے بلکہ بزعم ان کے تصرف کے مالک اور بھی تھے اور اسی وجہ سے مختلف اشیاء کی عطا کے لیے مختلف خدا بنا رکھے تھے۔ اور جب جنگوں، ویرانوں میں جاتے تو اللہ تعالیٰ کا غلبہ و تصرف مد نظر نہ رہتا اور اس کی پناہ کی بجائے اس علاقہ کے رئیس جن کی پناہ حاصل کرتے، اگر ہر جگہ اللہ تعالیٰ کو متصرف مانتے اور ہر چیز اس کے قبضہ قدرت میں سمجھتے تو یہ نازیبا حرکت نہ کرتے۔ کما قال :

أَنَّهُ كَانَ رِجَالٌ مِّنَ الْإِنسِ يَعُوذُونَ بِرِجَالٍ مِّنَ الْجِنِّ  
فَزَادُوهُمْ رَهَقًا ۝ (سورہ الجن آیت ۶)

۳- علاوہ ازیں انہوں نے اللہ تعالیٰ کی حقیقت میں بھی دوسروں کو شامل کر رکھا تھا کیونکہ اولاد ماں باپ کا جز ہوا کرتی ہے اور ان کی مماثل و مجانس ہوتی ہے اور ظاہر ہے کہ اولاد بغیر بیوی کے متصور نہیں ہو سکتی اور بیوی بھی خاوند کے مماثل اور مجانس ہونی چاہیے تو اس طرح مشرک ہوئے



کہ اللہ تعالیٰ کے لیے ملائکہ کو بیٹیاں قرار دے دیا جس طرح کہ یہود نصاریٰ نے حضرت عزیر اور حضرت مسیح علیہما السلام کو بیٹے بنا دیا۔ قال تعالیٰ :

وَجَعَلُوا لِلَّهِ شُرَكَاءَ الْجِنَّ وَخَلَقَهُمْ وَخَرَقُوا لَهُ بَنِينَ وَبَنَاتٍ بِغَيْرِ عِلْمٍ سُبْحٰنَهُ وَتَعَالٰی عَمَّا يَصِفُوْنَ ۝

(سورہ انفام آیت ۲۱)

اور بنا لیے انہوں نے اللہ کے لیے شریک جن۔

حالانکہ اللہ تعالیٰ نے ان کو پیدا کیا اور تراشے اس کے لیے بیٹے اور بیٹیاں اپنی جہالت سے۔ وہ پاک ہے اور بلند تر ہے اس سے جو یہ بیان کرتے ہیں

وَيَجْعَلُوْنَ لِلّٰهِ الْبَنٰتِ سُبْحٰنَہٗ وَلَهُمْ مَا يَشْتَهُوْنَ ۝

(سورہ نحل آیت ۷۵)

اور بناتے ہیں اللہ کے لیے بیٹیاں پاک ہے وہ ان سے اور اپنے لیے

جو چاہیں اور پسند کریں یعنی بیٹے۔

مزید شرک کا پہلو یہ نکلا کہ جب باپ اور اولاد کا حقیقت میں اشتراک لازم ہے تو اللہ تعالیٰ اور ملائکہ وغیرہ میں بھی حقیقت میں اشتراک اور اتحاد ثابت ہو گیا تو استحقاق عبادت میں بھی شرکت ثابت ہو گئی۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرمایا :

قُلْ اِنْ كَانَ لِلرَّحْمٰنِ وَلَدٌ فَانَا اَوَّلُ الْعٰبِدِيْنَ ۝

(سورہ الزخرف آیت ۸۱)

فرمادیں گے ان کو اگر رحمن تبارک و تعالیٰ کے کوئی لڑکا ہو تو میں پہلا ہوں گا



اس کا پوجنے والا ( لیکن نہ اولاد اس کے لیے ممکن نہ میرا اس کے ماسوا کی پرستش کرنا ممکن )

۴- نیز بیوی کے ذریعے اولاد حاصل کرنے والا بیوی کی طرف اور انفعالات اور انفصال مادہ اور تکمیل مدت حمل وغیرہ وغیرہ کی طرف معتقد ہوتا ہے اور واجب تعالیٰ ان امور سے بالا تر ہے مگر انہوں نے اس کو محتاج مخلوق کے ساتھ شامل کر دیا۔ لہذا اس تنزیل پر لانے کی وجہ سے مشرک ہو گئے۔ یہ

۵- نیز اپنی موت اور ہلاکت کا معاملہ دہر اور زمانہ کی طرف منسوب کرتے ہوئے کہا:

مَا هِيَ إِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا نَمُوتُ وَنَحْيَا وَمَا يُهْلِكُنَا إِلَّا الدَّهْرُ

(سورہ الجاثیہ آیت ۲۴)

بس یہی دنیوی زندگی ہے زندہ رہتے ہیں اور مرتے ہیں اور نہیں ہلاک کرتا ہمیں مگر دہر اور زمانہ۔

انہی ایجاد و تخلیق کی نسبت اگرچہ اللہ تعالیٰ کی طرف کی لیکن موت اس کے قبضہ قدرت میں نہ مانی اور اس ہلاکت اور فنا کا وروذ زمانہ کے ہاتھوں تسلیم کر کے زمانہ کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک کر دیا۔ الی غیر ذلک من الخرافات

۱۔ علامہ سرفراز صاحب نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نور ماننے والوں کو بھی مشرکین کے اس اعتقاد میں شامل کرتے ہوئے کہا کہ پیغمبروں کو اذلی نور سے ماننے اور بشریت کے انکار کی تعلیم دی حالانکہ اہل سنت تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نور کو مخلوق مانتے ہیں نیز اگر وہ اس عقیدہ میں منفرد ہوتے تو پھر بھی اعتراض ہو سکتا تھا۔ حالانکہ علامہ اشرف علی تھانوی، علامہ رشید احمد گنگوہی اور علامہ قاسم نانوتوی جیسے اکابر دیوبند کا بھی عقیدہ تو یہی ہے پھر انہیں بھی مشرکین عرب کے ساتھ شامل کر دو۔ شاید علامہ صاحب نے نشر الطیب اور رسالہ امداد السلوک اور قصائد قاسمی وغیرہ کا مطالعہ نہیں فرمایا یا اپنوں اور بیگانوں کے لیے پھانسی جھانسی ہے۔



اس لیے وہ مشرک قرار پائے اور ان کے یہ اقرارات و اعترافات ان کو شرک کے عمیق گڑھے سے نہ نکال سکے۔ خود علامہ صاحب حضرت شاہ ولی اللہ کے حوالے سے بیان کر چکے ہیں کہ مشرکین نے امورِ عظام کی تدبیر و تصرف میں تو اہل اسلام کے ساتھ موافقت کی اور ایسے ہی وہ کام جن کا اللہ تعالیٰ نے پختہ عزم کر لیا ہے اور کسی دوسرے کے لیے ان میں اختیار اور تصرف باقی نہ رکھا۔ ولکن لم یوافقوہم فی سائر الامور لیکن باقی امور میں انہوں نے اہل اسلام کے ساتھ موافقت نہیں کی۔

ذہبوا الی ان الصّٰلِحِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ عِبَدُوا اللّٰهَ وَ  
تَقَرَّبُوا اِلَیْهِ فَاَعْطَاهُمْ اللّٰهُ الْاَلُوْهَیَّةَ فَاسْتَحَقُّوا الْعِبَادَةَ

(حجۃ اللہ ابانہ ص ۵۹)

بلکہ اس طرف چلے گئے کہ ان سے پہلے نیک لوگوں نے اللہ تعالیٰ کی عبادت کی اور اس کا قرب حاصل کر لیا پس اللہ تعالیٰ نے ان کو الوہیت عطا کر دی لہذا وہ عبادت کے مستحق ہو گئے۔

الغرض ثابت ہو گیا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ حقیقت میں الوہیت میں، بعض امور کے تصرف میں اصنام و اوثان اور صور و تماثل کو اور ملائکہ و جنات و شیاطین کو شریک ٹھہراتے تھے اور اللہ تعالیٰ کو ان معبودات کا محتاج سمجھتے تھے کہ ان کے تعاون کے بغیر اکیلا خدا اتنے بڑے جہان کا نظام چلا ہی نہیں سکتا اس لیے وہ ان اقرارات و اعترافات کے باوجود مشرک ٹھہرے اور ناقابلِ مغفرت و بخشش اور اپنے آلمہ سمیت ہمیشہ ہمیشہ



کے لیے دوزخ کا ایندھن قرار پائے جبکہ اہل السنۃ وجماعت بحمدہ تعالیٰ اللہ  
 تمام خرافات اور بیہودہ نظریات اور اقوال سے بری اور بیزار ہیں لہذا اللہ  
 کو مشرکین کے ساتھ شامل کرنا سراسر ظلم و عدوان ہے۔



## گلدستہ توحید

کیا مشرکین عرب نماز روزہ حج اور بانی وغیرہ کے منکر تھے؟

بعض لوگ مشرکین عرب کے جزوی نقائص اور عیوب بیان کر کے ان کو شرک کے لیے کافی سمجھتے ہیں۔ لیکن یہ خرابیاں ان کے شرک کا سبب اور علت نہیں ہو سکتیں۔ دوسری طرف ان میں ایسی خوبیاں موجود تھیں جنکی نہ صرف یہ کہ اسلام نے اجازت دی ہے بلکہ تحسین فرمائی ہے۔ اختصاراً ان کی بعض خوبیوں کا ذکر کیا جاتا ہے تاکہ آپ کے لیے حقیقی اور اصلی شرک تک پہنچا سکاں ہو جائے۔ مشرکین کا حاجیوں کو پانی پلانا، مسجد حرام تعمیر کرنا، حج کرنا وغیرہ اس سے پہلے ذکر کیا جا چکا ہے۔

## مشرکین اور نماز

یہ تو نہیں کہا جاسکتا کہ مشرکین جماعتی رنگ میں نماز پڑھتے تھے، لیکن

اے تنبیہ علامہ سرفراز صاحب کو اگر کوئی ایک خوبی بھی نظر نہیں آتی تو رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے عظام و اطاعت گزار اہل سنت میں اور اگر تمام تر خوبیاں نظر آتی ہیں تو ابو جہل اور ابولہب کی جماعت میں اور ان کے بیان میں درق پرورق سیاہ کرتے چلے گئے۔ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا فرمان کس قدر سچا اور واجب الاذعان ہے کہ خوارج کی نشانیوں میں سے یہ بھی ہے، یقتلون اہل الاسلام ویدعون اہل الاوثان اہل اسلام کو قتل کریں گے اور بت پرستوں کو چھوڑ دیں گے بلکہ یہ حضرات تو ان کے معاون و مددگار اور ان کے گن گانے والے ہیں۔ نعوذ باللہ۔



قرآن کریم، احادیث اور تاریخِ عرب سے پتہ چلتا ہے کہ مشرکین میں نماز کا تصور موجود تھا۔

۱۔ اللہ تعالیٰ نے سورہ ماعون میں ارشاد فرمایا :

فَوَيْلٌ لِلْمُصَلِّينَ ۝ الَّذِينَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُونَ ۝  
الَّذِينَ هُمْ يَرَاءُونَ ۝ (آیت ۲، ۳، ۴)

پھر خرابی ہے ان نمازیوں کے لیے جو اپنی نماز سے غافل ہیں جو دکھلاوے سے کام لیتے ہیں۔

اگر یہ سورت مدینہ طیبہ میں نازل ہوئی ہوتی تو یہ سمجھا جاتا کہ منافقین کی تردید کی گئی ہے لیکن اس سورۃ کا نزول مکہ مکرمہ میں ہوا اور مکہ مکرمہ میں یا خالص مسلمان تھے یا خالص کافر اور مشرک، وہاں منافق موجود ہی نہیں تھے اور خالص مسلمانوں کی نماز ایسی تھی ہی نہیں کہ اللہ تعالیٰ ویل کے جملے سے اس کی تردید فرماتا۔ اس لیے تسلیم کرنا پڑے گا کہ مکہ میں کچھ لوگ تھے جو کسی رنگ میں نماز پڑھتے تھے اور اللہ نے ان کی نماز میں غفلت کی تردید بیان کی۔

۲۔ حضرت ابو ذرؓ دورِ جاہلیت یعنی اسلام لانے سے قبل نماز پڑھتے تھے۔

۳۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم طلوع آفتاب کے وقت نماز نہ پڑھا کرو کیونکہ ہی ساعۃ صلوٰۃ الکفار۔ وہ کافروں کی نماز کا وقت ہے۔

مشرکین عرب چاشت کی نماز پڑھتے تھے۔ (شبلی)

مشرکین عرب میں نماز کا دستور تھا۔ (حجۃ اللہ البالغہ۔ لمخصاصت تامۃ)



## گلشنِ توحید و رسالت

مشرکین کی طرفداری میں علامہ صاحب کا آیاتِ قرآنیہ کی مخالفت کرنا علامہ صاحب کو اہل السنّت کی عداوت میں مشرکینِ عرب سے کس طرح پیار ہو چلا ہے کہ انہیں نمازی ثابت کرنے کے لیے ہیر پھیر، ایچ پیج اور حکم اور سینہ زوری سے کام لینے اور قرآن مجید کی صریح آیات کا انکار کرنے اور شانِ نزول اور اقوالِ مفسرین کو ٹھکرانے اور خود سورہ ماعون کی اس آیت کو مابعد سے الگ تھلک کر کے ہر قیمت پر ابوتہل اور ابولہب کی پارٹی کو نمازی ثابت کرنے کی ٹھان رکھی ہے۔

۱۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے :

مَا كَانَتْ صَلَاتُهُمْ عِنْدَ الْبَيْتِ إِلَّا مَكَاةً وَتَصَدِيَةً ط

(سورہ الانفال آیت ۳۴)

اور نہیں تھی نماز ان کی کعبہ کے پاس مگر سیٹیاں بجانا اور تالیاں۔  
یعنی حقیقی نمازیوں کو مسجد سے روکتے ہیں اور خود ان کی نماز کیا ہے۔  
کعبہ کا برہنہ ہو کر طواف کرنا اور ذکر اللہ کی جگہ سیٹیاں اور تالیاں بجانا جیسے آجکل بھی بہت سی اقوام گھنٹیاں اور ناقوس بجانے کو بڑی عبادت سمجھتی ہیں۔ غرض نہ خود اللہ کی عبادت کرتے ہیں نہ دوسروں کو کرنے دیتے ہیں۔ ان بے معنی اور لغو باتوں کو عبادت قرار دے رکھا ہے۔ بعض نے کہا سیٹیاں اور تالیاں بجانا مسلمانوں کی عبادت میں خلل ڈالنے کے لیے ہوتا تھا،



یا اذرہ استہزار اور تمسخر ایسا کرتے تھے۔ (حاشیہ عثمانی ص ۳۱۳-۳۱۴)

اقول، اللہ تعالیٰ نے ان کی نماز کا حصر سیٹیاں بجانے اور تالیماں بجانے میں کر دیا ہے جس سے کسی دوسری نماز کے ادا کرنے کی نفی صریح ہے اور اس کے مقابل کوئی تاویل و توجیہ کارآمد نہیں ہو سکتی۔ لہذا ان کا نمازی ہونا ثابت کرنا اس نص قرآنی کی صریح نفی اور کھلا انکار ہے جو عام مسلمان کے لیے بھی زیبا نہیں ہے، چہ جائیکہ علماء کے لیے۔

۲۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

يَتَسَاءَلُونَ ۙ عَنِ الْمُجْرِمِينَ ۗ مَا سَلَكَكُمْ فِي سَقَرٍ ۚ قَالُوا لَمْ نَكُ  
مِنَ الْمُصَلِّينَ ۗ وَلَمْ نَكُ نَطْعِمِ الْمِسْكِينَ ۗ وَكُنَّا نَخُوضُ  
مَعَ الْخَائِضِينَ ۗ وَكُنَّا نَكْذِبُ بِيَوْمِ الدِّينِ ۗ

(سورہ المدثر آیت ۲۲ تا ۲۶)

اہل جنت مل کر گنہگاروں سے سوال کریں گے تمہیں کون سی چیز لائی بھڑکتی آگ میں۔ کہیں گے ہم نماز پڑھنے والوں میں سے نہیں تھے اور نہ مساکین کو کھانا کھلاتے تھے اور ہم باتیں بنانے میں غرق رہتے تھے ان میں مستغرق لوگوں کے ساتھ اور ہم قیامت کے دن کا انکار کرتے تھے۔

یعنی نہ اللہ تعالیٰ کا حق پہچانا نہ بندوں کی خبر لی۔ البتہ دوسرے لوگوں کی طرح حق کے خلاف بحثیں کرتے رہے۔ (حاشیہ عثمانی صاحب)

اقول، یہاں مجموعی طور پر اہل دوزخ کا اعتراف ہے کہ ہم نماز نہیں پڑھتے تھے اور یہ اعتراف کرنے والے قیامت کے متعلق بھی اپنا انکار ذکر



کریں گے اور اہل مکہ باخصوص اور مشرکین عرب بالعموم قیامت کا اور مرکز  
 جی اٹھنے کا مذاق اڑاتے تھے جبکہ اہل کتاب قیامت کے قائل تھے لہذا یہ  
 سبھی مشرکین مکہ اور مشرکین عرب ہوں گے اور سورت بھی مکی ہے جس میں  
 اولین انذار و تحریف بھی انہیں کے لیے ہے لہذا علامہ صاحب کے مدد و حین  
 جب خود بے نماز ہونے کا اعتراف کر رہے ہیں اور قرآن مجید اور اللہ تعالیٰ  
 گواہی دے رہے ہیں تو پھر ان کو نمازی ثابت کرنے کی سعی لا حاصل کا  
 کیا مطلب؟ گویا علامہ صاحب صرف کفار کو ہی نہیں بلکہ قرآن مجید اور اللہ تعالیٰ  
 کو بھی جھٹلانے کے درپے ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

قُلْ يَا أَيُّهَا الْكَافِرُونَ ۝ لَا أَعْبُدُ مَا تَعْبُدُونَ ۝ وَلَا أَنْتُمْ  
 عِبُدُونَ مَا أَعْبُدُ ۝

(سورہ الکافرون آیت ۱-۲)

تو کہہ اے منکرو میں نہیں پوجتا جس کو تم پوجتے ہو اور نہ تم پوجو جس

کو میں پوجوں۔

علامہ عثمانی صاحب فرماتے ہیں:

رو سائر قریش نے کہا کہ اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور صلح کر لیں کہ

ایک سال تک آپ ہمارے معبودوں کی پوجا کریں پھر دوسرے سال ہم آپ

کے معبود کو پوجیں۔ الخ

سوال یہ ہے کہ اگر وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے تھے تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

کے ساتھ ایسی شرط لگانے کی کیا ضرورت تھی کہ پہلے ایک سال تم ہمارے

معبودوں کی پرستش کرو پھر دوسرے سال ہم تمہارے معبود کی پرستش کریں گے



اگر اللہ تعالیٰ براہِ راست ان کا معبود ہوتا تو وہ اس طرح ہرگز نہ کہتے۔  
بلکہ وہ تو صرف اور صرف بالواسطہ عبادت کے قائل تھے۔

ما نعبدہم الا لیقر بونا الی اللہ زلفیٰ

ہم بتوں کی صرف اس لیے عبادت کرتے ہیں کہ وہ ہمیں اللہ تعالیٰ کے قریب کر دیں یعنی خود اس کی پرستش کر کے قریب نہیں ہو سکتے اور وہ اس طرح پرستش کرتے ہی کیونکہ جبکہ وہ غائب کی پرستش میں نہ ذوق و شوق محسوس کرتے تھے اور نہ سکون قلب بلکہ محسوس و مبصر مجسمہ سامنے ہونا ضروری سمجھتے تھے۔

علامہ عثمانی نے کہا :

نیز جس طرح تم عبادت کرتے ہو یعنی ننگے ہو کر ناچنے لگے یا ذکر اللہ کی جگہ سیٹیاں اور تالیاں بجانے لگے میں اس طرح کی عبادت بجالانے والا نہیں گویا معبود بھی جدا اور کیفیت عبادت بھی جدا لہذا ارشاداتِ خداوند تعالیٰ کو نظر انداز کر کے مشرکین مکہ کو نمازی ثابت کرنا سراسر تحکم اور سینہ زوری ہے اور حقیقت کے خلاف اور برعکس۔

## علامہ سرفراز کی دلیل کی حقیقت

۱۔ قولہ فَوَيْلٌ لِلْمُصَلِّينَ ، اس سے علامہ صاحب کا استدلال عجیب ہے آپ ان کی خوبیاں اور قابلِ تحسین خصلتیں بیان کرنے لگے تھے مگر بیان وہ خصلت کر دی جو بقول آپ کے مشرکین کے لیے دلیل اور ہلاکت کی موجب ہے یعنی



معاملہ برعکس کر دیا۔ خوبی کی بجائے بُرائی بیان کر دی اور موجب ہلاکت فعل ذکر کر ڈالا۔

۲۔ آیتِ کریمہ کا مصداق مشرکین مکہ ہونے کی دلیل یہ دی کہ سورت کئی ہے اور مکے میں منافق نہیں تھے بلکہ خالص مومن یا خالص کافر تھے اور ان مومنوں کی نماز پر تو ذیل "للمصلین سچا آ نہیں سکتا لہذا یہ نماز مشرکین کی ہی مراد ہوگی مگر یہ سوال جواب طلب رہے گا کہ ریاکاری کی مشرکین کو کیا ضرورت تھی وہ تو اہل اسلام پر غالب تھے اور ان کے خلاف تشدد برتا کرتے تھے۔ اور غلامی رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بغیر رسولِ معظیم علیہ السلام کی طرف سے اور دیگر اہل اسلام کی طرف سے ان کی کوئی داد و تحسین بھی نہیں ہو سکتی تھی، اور نہ ہی دوسرے کفار و مشرکین ان کی نماز دیکھ کر ان کو کسی انعام و اکرام اور امتیاز و اعزاز کے مستحق سمجھتے تھے تو آخر ان کو دکھلا دے کی کیا ضرورت تھی؟ جبکہ یہاں ان نمازیوں کے لیے ہلاکت کا سبب ریاکاری کو بھی ٹھہرایا گیا

کما قال تعالیٰ :

الَّذِينَ هُمْ يُرَاءُونَ ۝ (سورة الماعون آیت ۶)

اور قرآن مجید نے منافقین کی ہی یہ حالت بیان فرمائی ہے۔ کما قال تعالیٰ :

إِنَّ الْمُنْفِقِينَ يُخَدِعُونَ اللَّهَ وَهُوَ خَادِعُهُمْ ۖ وَإِذَا قَامُوا إِلَى الصَّلَاةِ قَامُوا كَسَالَىٰ يُرَاءُونَ النَّاسَ وَلَا يَذْكُرُونَ اللَّهَ إِلَّا قَلِيلًا ۝ (سورة النساء آیت ۱۴۲)

اور قرآن کی تفسیر قرآن سے کرنا سب پر مقدم ہے۔



۴۔ پھر حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی یہی مروی ہے کہ یہاں منافقین مراد ہیں کیونکہ انہوں نے بظاہر کلمہ پڑھ کر نماز کا التزام کر لیا لیکن پھر اس میں غفلت برتتے ہیں یعنی :

يصلون في العلانية ولا يصلون في السر  
 لوگوں کے سامنے پڑھ لی اور دیکھنے والا کوئی نہ ہوا تو ترک کر دی۔  
 نیز نماز سے غفلت کی کئی صورتیں ہیں بالکل ادا نہ کی جائے۔ وقت مکروہ میں ادا کی جائے جیسے غروب یا طلوع کے وقت یا اصل وقت فضول باتوں میں گنوا کر یا لوگوں کے سامنے پڑھ لی اور کوئی مسلمان نہ دیکھتا ہو تو نہ پڑھی تو علامہ صاحب کے یہ ممدوحین آیات سابقہ کے تحت پہلی شق میں داخل ہو جائیں گے اور منافقین دوسری شقوں میں۔ اور اب اس آیت کریمہ کی پہلی آیات سے مخالفت بھی لازم نہ آئے گی۔ رہا المصلین کا اطلاق تو جس طرح آیا اور سیٹیاں بجانے کو صلوات کہہ دیا اسی طرح ان کو مصلین کہہ دیا گیا۔  
 ۵۔ نیز کئی سورتوں کے لیے یہ کب لازم کہ ان کے احکام عملی طور پر مکہ مکرمہ میں ہی پوری طرح لاگو ہوں۔ بلکہ بہت سی آیات مکیہ ہیں لیکن ان کا مصداق مدینہ منورہ میں ہی وقوع پذیر ہوا۔

بہر کیف علامہ صاحب نے اس استدلال میں اور ممدوحین کے لیے اس خوبی اور صفتِ حسنہ کے اثبات میں کسی اچھی قابلیت کا مظاہرہ نہیں کیا۔ قرآنی آیات کو نظر انداز کر کے اور مفسر صحابہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ اور دیگر مفسرین کے اقوال نظر انداز کر کے اس مذمت والی آیت سے حدت



و منقبت کشید کرنے کی آخر کیا مجبوری تھی؟

## دلیل دوم کی حقیقت

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کے نماز پڑھنے سے مشرکین کا بالعموم نماز پڑھنا کیسے ثابت ہوا۔

۱۔ ایک جزئی سے حکم کلی لگا دینا کونسا استدلال کی کونسی قسم ہے یوں تو اس دور میں آپ کو اکاؤنٹ کا موجد بھی مل جائیں گے تو پھر اعلان کر دو کہ اہل عرب موجد تھے ان کو مشرک کہنا ہی سراسر بہتان ہے، العیاذ باللہ۔

حضرت زید بن عمرو بن نفیل نے اعلان توحید کرتے ہوئے فرمایا:

أربا واحداً ام الف رب ادین اذا قسمت الامور  
کیا ایک رب یا ہزار رب کی اطاعت کروں میں جب کہ امور اور  
ضروریات گونا گوں ہوں۔

ترکت اللات والعزى جميعاً كذلك يفعل الرجل البصير

میں نے لات اور عزى وغیرہ سبھی کو چھوڑ دیا اور صاحب بصیرت

آدمی ایسے ہی کرتا ہے۔ (سیرت ابن ہشام مع روض الانف للسبیلی)

علاوہ ازیں علامہ صاحب کا دعویٰ تو یہ تھا کہ مشرک لوگ نماز پڑھتے

تھے اور یہ اس صورت میں ثابت ہوتا جب حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کا

شکر اور بتوں کا پوجنا وغیرہ ثابت ہوتا اور جب یہ ثابت نہیں تو پھر بھی

دلیل دعویٰ کے مطابق نہ ہوتی۔ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کو ان کے بھائی



انیس نے بتلایا کہ میں نے مکہ میں ایک آدمی دیکھا ہے جو تیرے دین پر ہے اور یہ دعویٰ بھی کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو رسول بنا کر مبعوث فرمایا ہے یہ عبارت بھی مسلم شریف میں موجود ہے اور اسی جگہ جہاں سے علامہ صاحب نے اپنے مطلب کی عبارت نقل کی ہے۔ اگر حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ مشرک ہوتے تو ان کو بھاتی یہ کیوں کہتا کہ وہ تیرے جیسے دین پر ہیں۔ لہذا علامہ صاحب نے یہاں بھی ڈنڈی ماری ہے اور دیانت کا خون کیا ہے اور مشرکین کو نمازی ثابت کرنے کے لیے موحدین کو مشرک بنا ڈالا۔

سچ فرمایا صادق و مصدوق نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے :

حبك الشیء یحیی و یصم۔

تیری کس چیز سے محبت تجھے اندھا اور بہرا کر دیتی ہے۔

## دلیل سوم کا جواب

۳۔ علامہ صاحب نے طلوع آفتاب کے وقت کی نماز کے بارے میں حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس ارشاد سے استدلال کیا کہ وہ کافروں کی نماز کا وقت ہے مگر کافر طلوع آفتاب کے وقت اللہ تعالیٰ کے لیے نماز پڑھتے تھے یا سورج کی پرستش کرتے تھے؟ علامہ صاحب نے اس امر میں بھی غور نہیں فرمایا ورنہ مطلب واضح تھا اسی لیے فرمایا :

تطلع بین قرتنی الشیطن۔

کہ سورج شیطان کے دو جانبوں کے درمیان طلوع کرتا ہے کیوں کہ



سُورج کی پوجا کے بہانے وہ اپنی پوجا کراتا ہے اور اس وقت وہ سُورج کے آگے ہوتا ہے۔ اور اس پر صلوٰۃ کا اطلاق اسی طرح ہے جس طرح تالیاں اور سیٹیاں بجانے پر صلوٰۃ کا لفظ قرآن مجید میں اطلاق کیا گیا ہے۔

نیز کفار کا لفظ عام ہے اور ثبوت اعم سے ثبوت اخص لازم نہیں آتا، چونکہ منافق لوگ اذ قاموا الی الصلوٰۃ قاموا کسالیٰ " نماز میں سُستی کرتے تھے۔ عصر کی غروبِ آفتاب کے قریب اور صبح کی طلوع کے قریب پڑھتے تھے اس لیے منع فرمادیا کہ ان کی مشابہت نہ اختیار کرو۔ لہذا اس سے بھی مشرکین مکہ کا نماز ادا کرنا ثابت نہیں ہو سکتا بلکہ منافقین کی نماز بھی مُراد ہو سکتی ہے۔

## دلیل چہارم کی حقیقت

۴۔ جاہلی شاعر کے کلام سے بھی استدلال محلِ نظر ہے کیونکہ اس کا یہ کہنا کہ سوار یوں نے رات کے آخری حصے کو پالیا جبکہ عابد دین دار اپنی نماز ادا کر چکا تو آخر اس قول میں عابد ویندار سے کونسا مشرک مُراد ہے کہ استدلال درست ہو جائے۔ آخر ان کا گزر راہبوں وغیرہ پر بھی ہوتا تھا تو عین ممکن ہے کہ شاعر نے ان کے وقتِ عبادت کے ساتھ سوار یوں کے منزل پر پہنچنے کے وقت کا تعین کر دیا ہو۔

إذ جاء الاحتمال بطل الاستدلال -



## مُشْرِكِينَ كَاجِجٌ ،

علامہ صاحب نے مشرکین کا حج بھی ذکر کیا تو اس کی حقیقت بھی معلوم ہو چکی کہ برہنہ ہو کر بیت اللہ کے گرد طواف کرتے تھے اور سبب اس کا یہ بتلاتے کہ چونکہ انہیں کپڑوں میں گناہ کیے ہیں تو کپڑے پہن کر طواف کیسے کریں حتیٰ کہ عورتوں کو بھی کوئی لباس جدید عاریتہ نہ ملتا تو وہ بھی ننگی بیت اللہ کے گرد طواف کرتی تھیں۔ اور تلبیہ میں بھی شریکۃ الفاظ، الا شریکات مملکۃ و ما ملک کہا کرتے تھے اور عرفات میں جاتے ہی نہیں تھے کہ ہم اہل حرم ہیں حرم سے باہر کیوں جائیں۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا :

ثُمَّ اَفِيضُوا مِنْ حَيْثُ اَفَاضَ النَّاسُ (سورة البقرہ آیت ۱۹۹)

پھر چلو تم اس مقام سے جہاں سے لوگ چلیں۔

علاوہ ازیں منیٰ اور مزدلفہ میں بھی اپنے اپنے شاعر بلا کر اپنے مفاخر اور آبار کے کارنامے بیان کر آیا کرتے تھے لہذا وہ محض ایک میلہ تماشا تھا نہ کجج، مگر علامہ صاحب کو پھر ان کا حج تو کمال اکمل نظر آیا پتہ نہیں ہمارے حج کو حج کیوں نہیں سمجھتے ؟

## مُشْرِكِينَ كِي زَكَاةٍ ،

علامہ صاحب نے یہ تو بتلا دیا کہ مشرکین زکوٰۃ دیتے تھے جانوروں سے بھی اور کھیتی میں سے بھی لیکن یہ نہ بتلایا کہ اپنے بہتوں کو اللہ تعالیٰ پر



ترجیح دیتے تھے اگر اچھا جانور اللہ کے حصّے میں آتا تو بُتوں کے حصّہ میں کر دیتے اور غلّہ وغیرہ سے کوئی شے اللہ تعالیٰ کے حصّے سے بُتوں کی طرف چلی جاتی تو واپس نہ کرتے اور بُتوں کے حصّہ سے اللہ کے حصّہ کی طرف چلی جاتی تو بُتوں کے قہر و غضب سے ڈرتے ہوئے ان کا حصّہ واپس لے لیتے تھے۔

مشرک کا مطلب ہی یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کو ماننے اور ساتھ ہی دوسروں کو اس کے ساتھ حصّہ دار بھی بنائے، لہذا شراکت کا تقاضا تو پورا کرتے لیکن اللہ تعالیٰ پر ان کو عملاً ترجیح بھی دیتے تھے اور بُتوں کی ناراضگی سے ڈرتے تھے لیکن اللہ تعالیٰ کے غضب سے نہیں ڈرتے تھے۔

الغرض ان کا یہ فعل تو علامہ صاحب کی نظروں میں قابلِ تحسین افعال سے ہے لیکن اہل السنّت غریب جو سب کچھ اللہ تعالیٰ کے نام پر صدقہ کریں اور خدا تعالیٰ کا عطا کر وہ ثواب کسی بزرگ کی خدمت میں پیش کر دیں تو یہ فعل ان کو سخت بُرا اور قابلِ مذمت نظر آتا ہے۔ یا لعجب و لضعیفہ الادب علامہ صاحب نے مزید براں، عقیقہ، عمرہ، اعتکاف، غسل جنابت، ختنہ مُردوں کو قبور میں دفن کرنا، سر کے بالوں میں مانگ نکالنا، زیر ناف بال دُور کرنا، غلام آزاد کرنا، اونٹوں کی قربانی دینا وغیرہ ذکر فرمایا۔ اقول یہ افعال اتباعِ شرع میں ہوتے تو قابلِ قدر ہوتے وہ تو رسمی طور پر کیے جاتے تھے۔

عمر بن کحی جس نے عرب میں شرک کو جاری کیا اور اس بد عقیدگی کا بانی بنا۔ علامہ صاحب نے اس کا یہ کارنامہ بیان فرمایا کہ وہ حج کے موقعہ پر دس



دس ہزار اُونٹ ذبح کرتا تھا اور دس دس ہزار سوٹ سالانہ مستحقوں میں بانٹتا تھا۔ شہد اور گھی ڈال کر عمدہ حلوہ لوگوں کو کھلایا کرتا تھا، اور سٹو گھول گھول کر لوگوں کو پلایا کرتا تھا۔

**اقول :** مگر یہ افعال سراسر مشقت اور بے فائدہ بوجھ تھے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام فرماتے ہیں شیطان اس پر خوش نہیں ہوتا کہ لوگ اچھے کام نہ کریں بلکہ اس کی کوشش صرف اور صرف یہ ہوتی ہے کہ ان کی محنت رائیگان اور برباد جائے اور ثواب نہ ملنے پائے لہذا اس نے اپنی مرضی اور منشا پوری کرائی۔ علامہ سرفراز صاحب نے مشرکین کی بُرے کاموں سے نفرت بیان کرتے ہوئے کہا :

اہل جاہلیت میں شریف خاندان کی عورتیں زنا کو حقارت کی نگاہ سے دیکھتی تھیں۔ حضرت ہندہ نے اسلام قبول کرتے وقت زنا نہ کرنے کی بیعت کی شرط پر ردِ عمل ظاہر کرتے ہوئے فرمایا :

کیا شریف عورتیں بھی زنا کرتی ہیں؟ ہم تو زمانہ جاہلیت میں زنا سے شرم کرتی تھیں تو اسلام میں کیسے اس کا ارتکاب کر سکتی ہیں۔

**اقول :** جزوی مثال حضرت ہندہ کی اپنی جگہ مگر شریف خاندانوں کے مردوں کے متعلق بھی بتلایا ہوتا؟ اور زیاد بن ابیہ، زیاد بن ابی سفیان کیونکر بن گیا؟ اور جن عورتوں کے دروازوں پر جھنڈے لہرا رہے ہوتے تھے ان سے جنسی تعلقات قائم کرنے والے کون ہوتے ہیں؟ اور حمل ٹھہرنے یا بچہ پیدا ہونے پر اس کے باپ کا تعین کیسے کیا جاتا تھا۔ کیا علامہ صاحب نے بخاری وغیرہ میں



اس کا مطالعہ نہیں فرمایا؟

الغرض جزوی مثالیں اور نمونے علیحدہ امر ہے لیکن مجموعی طور مشرکین عرب انسانیت کے رُوپ میں بدترین درندے اور خونخوار لوگ تھے اور اخلاقِ حسنہ اور صفاتِ کمال سے محروم لوگ تھے اور ان کو مہذب اقوام کسی شمار میں بھی نہیں لاتی تھیں۔ یہ صرف اور صرف نبی مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کمال ہے کہ اپنی تعلیم و تربیت اور تزکیہ و تصفیہ سے ان کو انسانیت کے معراج پر پہنچایا اور مہذب اقوام کا امام اور مقتدار بنا دیا۔

نگارِ من کہ بکستب زلفت و خطِ نوشت

بغزہ مسئلہ آموز صد مدرس شد

## علامہ سرفراز کی دھوکہ دہی

علامہ صاحب نے مشرکین کے یہ اوصاف تو حجۃ اللہ البالغہ وغیرہ سے گنوا دیئے مگر حضرت شاہ صاحب کی عبارت کا آخری حصہ ہضم کر گئے:

لکن دخلهم الفسوق والتظالم بالسب والنهب و

شیوع الزنا والنکاحات الفاسدہ والربا وکانوا

قد ترکوا الصلوة والذکر واعرضوا عنہما

فبعث النبی صلی اللہ علیہ وسلم فیہم وهذا حالہم

لیکن ان میں فسق و فجور سمرایت کر گیا اور باہم ایک دوسرے کے ساتھ

ظلم و ستم کا بازار گرم ہوا، بسبب بندوں کو غلام بنانے اور لوٹ مار کرنے



کے اور زنا کاری اور فاسد نکاح عام ہونے کے اور سُود خواری کے اور وہ نماز اور ذکر کو مکمل طور پر ترک کر چکے تھے اور ان دونوں سے بالکل مُنہ موڑ چکے تھے تب اللہ تعالیٰ نے ان میں نبی مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مبعوث فرمایا جبکہ ان کا حال اس قدر بُرا ہو چکا تھا، یہاں علامہ صاحب نے مشرکین کی مَجْتِبَاتُ اور پاس و لحاظ میں دیانت و امانت کا خون کر ڈالا اور حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ کا اصلی مقصد چھپا کر ان کے ساتھ بھی ظلم و ستم کیا اور ان پر بہتان و افتراء سے کام لیا۔ اگر علماء دیوبند میں سے بڑے محقق کا حال یہ ہے تو دوسروں کا حال کیا ہوگا۔ ع

قیاس کن زکُستان من بہار مرا

حضرت حکیم الامت شاہ ولی اللہ صاحب نے الفوز الکبیر میں بھی اسی حقیقت کو بیان فرمایا ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں :

اما المشركون فكانوا يسمون انفسهم حنفاء وكانوا  
يدعون التدين بالملة الابراهيمية وشعارها حج  
البيت الحرام (الى) لكن جمهور المشركين كانوا  
يتركونها حتى صارت هذه الافعال كان لم تكن  
وقد كان تحريم القتل والسرقة والزنا والربا  
والغصب ايضا ثابتا في اصل الملة وكان انكار هذه  
الاشياء جاريا في الجملة واما جمهور المشركين  
فیرتکبونہا ویتبعون النفس الامارة فیہا ص ۳۲۳۔



لیکن مشرکین اپنے آپ کو حنفار سے موسوم کرتے تھے اور ملتِ ابراہیمیہ کے ساتھ اتباع و اقتدار کا دعویٰ کرتے تھے اور حنیف کہا ہی اُس کو جاتا ہے جو ملتِ ابراہیمیہ کو اختیار کرے اور اس کا امتیازی نشان حج بیت اللہ نماز میں اس کی طرف توجہ، غسل جنابت، ختنہ اور دیگر خصالِ فطرت، شہرِ حرام کی حرمت و عزت، مسجدِ حرام کی تعظیم، محرماتِ نسبیہ اور رضاعیہ کو حرام سمجھنا، حلقوم سے جانور کو ذبح کرنا اور اونٹوں کا نحر وغیرہ وغیرہ اور ان کے ساتھ مدح و ثناء کا حقدار ہونا ان میں شائع تھا لیکن جمہور مشرکین ان امور کو ترک کیا کرتے تھے۔ حتیٰ کہ ان افعال کا گویا وجود ہی نہ رہا۔ اور قتل اور چوری، زنا اور سود خواری اور لوٹ مار کی حرمت بھی ملتِ ابراہیمی میں ثابت تھی اور ان امور پر اعتراض و انکار بھی فی الجملہ موجود تھا لیکن جمہور مشرکین ان کے مرتکب تھے اور ان میں نفسِ امارہ کی اتباع کرتے تھے

حضرت شاہ صاحب نے یہاں پر ملتِ ابراہیمی میں مشروع اور غیر مشروع امور کی وضاحت فرمائی ہے اور ان کے زبانی طور پر ملتِ ابراہیمی پر ہونے کے دعوئے کے باوجود ان اعمال کو رفتہ رفتہ ترک کرتے جانا بیان فرمایا اور عمرو بن کحی کی تقلید میں بُت پرستی اور تشبیہ و تحریف اور انکار معاد اور اور استبعاد رسالتِ مصطفویہ وغیرہ میں مبتلا ہو جانا بھی بیان فرمایا اور اس تقلید کے بعد نہ ان امورِ خیر کا کرنا انہیں مفید تھا اور نہ امورِ شر سے بچنا کار آمد اور جب تک اس خلیث کے مقلد نہیں بنے تھے مشرک ہی نہیں تھے۔



و بيان التحريف ان اولاد اسمعيل عليه الصلوة والسلام

كانوا على شريعة جد هم الكريم حتى جاء عمرو

بن لحي فوضع لهم اصناما - (ص ۵)

ملت ابراہیمیہ میں تحریف کا بیان یہ ہے کہ حضرت اسمعیل علیہ السلام کی

اولاد اپنے جد امجد علیہ السلام کی شریعت پر تھی حتیٰ کہ عمر بن لحي کا زمانہ آگیا تو اس

نے ان کے لیے بت وضع کیے اور ان کی عبادت کے طور پر بحیرہ سائبہ اور حام

کو جاری کیا اور تیروں سے فالوں کا طریقہ جاری کیا وغیر ذلک اور یہ حادثہ

سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت مبارکہ سے تین سو سال قبل رونما ہوا،

وكانت الجھلة يتمسكون في هذا الباب باثار اباؤهم

وكانوا يعدون ذلك من الحجج القاطعة - ص ۵ -

اور جہلائے عرب اس معاملہ میں اپنے آباء و اجداد کے افعال و کردار

کے ساتھ استدلال کرتے تھے اور اس کو قطعی دلائل میں سے شمار کرتے تھے۔

الغرض اقل قلیل افراد توحید خالص پر اور اعمال سید سے متنفر اور بیزار

تھے لیکن عمومی طور پر نہ عمل صالح اور عقیدہ صحیحہ موجود تھا اور نہ اعمال سنیہ

اور شرک وغیرہ سے نفرت تھی۔

گلدستہ توحید

تصویر کا دوسرا رخ

یہاں تک تصویر کا ایک رخ ملاحظہ فرمایا۔ اب تصویر کا دوسرا رخ



بھی ملاحظہ کریں کہ کیا مشرکین مندرجہ ذیل احکام اسلام کے انکار کی وجہ سے مشرک قرار پاتے؟

حالانکہ ان احکام کا ابھی تک نزول ہی نہیں ہوا تھا۔ جہاد سلسلہ ہجری میں فرض ہوا۔ رمضان کے روزے بھی اس سال فرض ہوئے۔ صدقہ فطر اور نماز عید وغیرہ کا حکم بھی اسی سال نازل ہوا۔ وراثت کا حکم بھی سلسلہ میں نازل ہوا۔ مسلمانوں اور مشرکوں کا باہمی نکاح سلسلہ میں حرام ہوا۔ صلوٰۃ کسوف سلسلہ کو پڑھی گئی۔ سو د کی حرمت بھی سلسلہ کو بیان کی گئی۔ شراب کی حرمت سلسلہ کے بعد نازل ہوئی۔ جمعہ کی نماز سلسلہ میں مدینہ میں نازل ہوئی۔ نماز جنازہ کا حکم بھی ہجرت سے پہلے نازل نہیں ہوا تھا بلکہ پانچ نمازوں کی فرضیت بھی شب معراج سے قبل نہیں پائی گئی اور تحقیق یہ ہے کہ معراج اعلان نبوت کے دسویں سال ہوئی (وغیرہ وغیرہ) آپ احکام اسلام کا اجمالی خاکہ پڑھ چکے مگر یقین جانیے کہ ان میں سے کسی ایک چیز کے ترک کی وجہ سے مشرکین پر شرک کا فتویٰ نہیں لگ سکتا کیونکہ ابھی تک تو یہ چیزیں نازل بھی نہیں ہوئی تھیں لہذا معلوم ہوا کہ مشرکین کے شرک کا سبب کچھ اور ہی تھا جس کی وجہ سے وہ مشرک تھے اور اہل ایمان کے مومن ہونے کی وجہ بھی کچھ اور تھی کہ وہ ان احکام پر عمل نہ کرتے ہوئے بھی مومن تھے۔

(صفحہ نمبر ۸۵ تا ۸۷ ملخصاً)



## گلشنِ توحید و رسالت

علامہ سرفراز صاحب کے نزدیک نبوت رسالت کی کوئی اہمیت ہی نہیں۔ علامہ صاحب نے کفار کی خوبیاں بھی گنوا دیں اور احکام شرع کے ترک و انکار والی قباحت و بُرائی سے ان کا پاک و صاف ہونا بھی بیان کر دیا اور آگے جا کر شرک کی علت اور سبب موجب لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کا انکار قرار دیا اور اس طرح تمہید طولانی کے بعد یہ مدعا بیان کیا کہ ہر خوبی ان میں تھی اور بُرائی سے منزہ و مبرا تھے بس کوئی خرابی تھی تو صرف یہ کہ وہ مشرک تھے اور اللہ تعالیٰ کو وحدہ لا شریک نہ تسلیم نہیں کرتے تھے۔ لیکن علامہ صاحب کو احکام اسلام میں کہیں نبی مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت و رسالت نظر نہیں آئی۔ اسلئے ان کے خصال حمیدہ میں نہ اقرار نبوت کو ذکر کیا اور ان کے ممکنہ قبائح سے بری الذمہ ہونے میں انکار رسالت سے برارت کا ذکر کیا تو گو یا نبوت اور رسالت کی آس کے نزدیک کوئی اہمیت ہی نہیں ہے حالانکہ آپ کی نبوت پر ایمان اس قدر اہم فریضہ ہے کہ اہل کتاب بھی اس کے بغیر اب مومن نہیں بن سکتے اور نہ نجات پا سکتے ہیں بلکہ پہلے تشریف لائے انبیاء علیہم السلام بھی اگر آپ کا زمانہ نبوت پاتے تو ان پر بھی ایمان لانا ضروری ہوتا اور وہ اس کے بغیر مومن بھی نہ ہو سکتے چہ جائیکہ نبی و رسول۔ لہذا ذکر ت۔

حضرت عیسیٰ علی نبیاء و علیہ السلام بھی ان کے امتی اور ان کے دین کے مبلغ اور خلیفہ کی حیثیت سے تشریف لائیں گے۔ بلکہ انبیاء و مرسلین نے شب معراج



بیت المقدس میں آپ کی اقتدار کر کے اور آپ کے پیچھے دست بستہ کھڑے ہو کر عملی طور پر ایمان لانے کا فریضہ ادا کر لیا۔

لیکن کفار و مشرکین اس اہم فریضہ کا انکار کرتے رہے اور اقرار کرنے والوں کو تشدد کا نشانہ بناتے رہے اور طرح طرح کے عذاب اور عتاب کا ہدف بناتے رہے بلکہ خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر بار بار حملے کیے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پتھر مار مار کر لہو نہان کیا وطن ماکوف سے ہجرت پر مجبور کیا اور وہاں بھی آرام و سکون سے بیٹھنے نہ دیا اور اہل اسلام کے خلاف جنگ کو اپنے اوپر فرض کر لیا اور کمزور مسلمانوں کو اسلام سے برگشتہ کرنے کے لیے قید و بند اور مار پٹائی سے گریز نہیں کرتے تھے تو کیا انکار رسالت، جمودِ نبوت اور نبی مکرم، رسولِ محترم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایذا رسانی اور اہل اسلام کو تشدد کا نشانہ بنانا کوئی جرم ہی نہیں ہے اور اس کی کوئی اہمیت ہی علامہ صاحب کی نظر میں نہیں ہے۔ کس قدر فسوس کا مقام ہے کہ اتنا بڑا اہم فریضہ بلکہ فرائض کی جان علامہ صاحب کی نظروں سے بالکل اوجھل ہے۔ حالانکہ اقوام عالم کی طرف سے لا الہ الا اللہ کا اقرار اور تمام انبیاء سابقین کا اقرار بھی بعثتِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد اس وقت تک مفید اور کارآمد نہیں ہو سکتا جب تک محمد رسول اللہ کا اقرار و اعتراف نہ پایا جائے۔

فَمَنْ تَوَلَّى بَعْدَ ذَلِكَ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْفٰسِقُونَ ۝

(سورہ آل عمران آیت ۸۲)

اے صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔



بلکہ اگر صرف آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صفتِ خاتمیت کا انکار کر دیا جائے تو بھی اقرارِ توحید عبث ہو کر رہ جائے۔ بلکہ خاتمیت پر ایمان رکھنے کے باوجود اگر بیباکی لا پرواہی کے ساتھ آپ کی بارگاہ میں آواز اُونچی ہو جائے تو سائے اعمالِ خیر مع افضل الذکر لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ کے اکارت اور برباد چلے جائیں۔

أَنْ تَحْبُطَ أَعْمَالُكُمْ وَأَنْتُمْ لَا تَشْعُرُونَ ۝

(سورۃ الحجرات آیت ۲)

لہذا اتنے بڑے اہم فریضہ اور جانِ فرائض کو نظر انداز کرنا کسی مخلص مومن اور کامل مسلمان کے لیے ممکن نہیں اور ان کے مشرک ہونے کی وجہ تلاش کرنے کے ساتھ ساتھ ان کے کافر ہونے اور ایمان لانے کی استعداد و صلاحیت سے محروم ہونے کی وجہ بھی معلوم کرنی ضروری ہے بلکہ اشد ضروری اور اہم فریضہ ہے۔ قال تعالیٰ :

انظر كيف ضربوا لك الامثال فضلوا فلا يستطيعون سبيلاً

دیکھو انہوں نے تمہاری کیسی کیسی تشبیہیں اور تمثیلیں دی ہیں جن کی وجہ سے وہ ایسے گمراہ ہوئے کہ راہِ راست پر آنے کی استعداد و صلاحیت ہی برباد کر چکے ہیں اور کبھی ہدایت پا ہی نہیں سکتے۔

رہا یہ سوال کہ :

مومن کیوں مومن تھے؟

تو اس کا جواب بالکل واضح ہے کہ رسولِ معظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیلئے



جانوں کو پروانہ وار نثار کرتے تھے۔ حضرت مولائے مرتضیٰ رضی اللہ عنہ شب ہجرت بسترِ نبوی پر لیٹ کر اور حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ایسے کٹھن سفر میں رفاقت اختیار کر کے اور نبی مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیلئے کبھی کفار قریش کے تشدد کے دوران اپنی جان پیش کر کے اور کبھی آپ کی نیند پر جان کا نذرانہ پیش کر کے اور کبھی آپ کی نیند پر جان کا نذرانہ پیش کر کے، پھر خویش و اقربار سے تعلق توڑ کر (جو غلامی رسول کا طوق گلے میں ڈالنے کو تیار نہ تھے) اور بالآخر وطن، گھر بار اور مال و دولت کو قربان کر کے نیز جنگوں میں اپنی جانیں ہتھیلی پر رکھ کر شمعِ نبوت و رسالت پر پروانہ وار نثار کر کے مومن تھے اور مومن رہے اور جو بھی امر یا نہی، حکم یا منع و ربارِ نبوت سے صادر ہوتا بلا چوں و چرا اسی پر عمل پیرا ہوتے۔ لیکن کفار و مشرکین

هَلْ هَذَا إِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ ۚ (سُورَةُ انْبِيَاءِ آيَتِ ۲)

کی ہی رٹ لگاتے رہے اور انکارِ رسالت کرتے رہے اور

إِنْ هَذَا إِلَّا قَوْلُ الْبَشَرِ ۗ (سُورَةُ الْمَدَّثِرِ آيَتِ ۲۵)

کہہ کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خداداد کتاب کا انکار کرتے رہے۔ منہ مانگے معجزے دیکھتے رہے۔ چاند چرتا دیکھا۔ درخت جڑوں پر چلتے دیکھے، پتھر پانی پر تیرتے دیکھے۔ پتھر اور جانور رسالت کی گواہی دیتے ہوئے دیکھے سُنے لیکن اطاعتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف مائل نہ ہوئے اور طوقِ غلامی گلے میں نہ ڈالا لہذا بظاہر کوئی کام عبادت والا کرتے بھی تھے تو وہ حقیقت میں نہ عبادت ہوتی تھی اور نہ اس کا کوئی فائدہ ہو سکتا تھا اس لیے وہ کافر و مشرک



ہی رہے اور مومن مومن رہے۔

## کفار کے اعمال خیر کے غیر معتد بہ ہونے کی وجہ

اسی لیے رسول معظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا :  
لَا أَعْبُدُ مَا تَعْبُدُونَ ۝ وَلَا أَنْتُمْ عِبِدُونَ مَا أَعْبُدُ ۝

(سورہ الکافرون آیت ۲-۳)

ای لا تفتدون باوامر اللہ وشرعہ فی عبادتہ بل  
اخترتم شیئا من تلقاء انفسکم - کما قال تعالیٰ :

(ان يتبعون الا الظن وما تهوى الا نفس ولقد  
جاءهم من ربهم الهدی)

فتبرء منهم فی جمیع ماہم فیہ فان العابد لا بدلہ من  
معبود یعبدہ وعبادۃ یسلکھا الیہ فالرسول صلی اللہ علیہ وسلم  
واتباعہ یعبدون اللہ بما شرعہ ولہذا کان  
کلمۃ الاسلام لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ ای  
لا معبود الا اللہ ولا طریق الیہ الا ما جاء بہ  
الرسول صلی اللہ علیہ وسلم والمشرکون یعبدون  
غیر اللہ عبادۃ لم یاذن بها اللہ -

(تفسیر ابن کثیر جلد ۴ ص ۵۶)

میں نہیں عبادت کرتا ان کی جنہیں تم پوجتے ہو نہ تم عبادت کرتے ہو اس



جس کی میں عبادت کرتا ہوں یعنی تم اللہ تعالیٰ کے احکام اور شرع کی اقتدار، اس کی عبادت میں نہیں کرتے بلکہ اپنی طرف سے تم نے کچھ اختراع کر رکھا ہے جیسے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ وہ صرف ظن و گمان کی اتباع کرتے ہیں اور خواہشاتِ نفسانیہ کی اور البتہ ان کے پاس آئی ان کے رب کی طرف سے سراپا ہدایت (مگر وہ اس کے قریب بھی نہیں پھٹکتے) پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے برائت کا اظہار فرمایا ان کے تمام معاملات سے کیونکہ عابد کے لیے معبود بھی ضروری ہے جس کی عبادت کرے اور ایسی عبادت بھی جو اس کی بارگاہ تک لے جاتے۔ لہذا رسول کریم علیہ السلام اور آپ کے متبع اور فرمانبردار لوگ اللہ تعالیٰ کی عبادت اس طریقہ پر کرتے ہیں جو اس نے مشروع فرمایا اور اسی لیے اسلام کا کلمہ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللَّهِ ہے یعنی اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی معبود نہیں اور اس تک پہنچانے والا کوئی راستہ نہیں مگر وہی جو رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بیان فرمایا اور مشرکین اللہ کی بجائے غیر کی عبادت کرتے ہیں جس کی اللہ تعالیٰ نے رخصت اور اجازت نہیں دی۔

ولهذا قال الرسول لكم دينكم وديني

(سورة الكافرون آیت ۶)

اور اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تمہارے لیے تمہارا دین اور میرے لیے میرا دین جس طرح کہ فرمایا اللہ تعالیٰ نے :

إِنْ كَذَّبُوكَ فَقُلْ لِي عَمَلٌ وَلَكُمْ عَمَلُكُمْ

(سورة يونس آیت ۴۱)



اگر کفار تمہیں جھٹلائیں تو کہو میرے لیے میرا عمل اور تمہارے لیے تمہارا عمل ہے  
 أَنْتُمْ بَرِيئُونَ مِمَّا أَعْمَلُوا وَأَنَا بَرِيءٌ مِمَّا تَعْمَلُونَ ○ (سورہ یونس آیت ۳۱)  
 تم اس سے بڑی ہو جو عمل میں کرتا ہوں اور میں بڑی اور بیزار ہوں  
 اس سے جو تم عمل کرتے ہو۔

حضرت سعدی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں :  
 خلافِ پیغمبر کسے راگزید

کہ ہرگز بمنزل نخواہد رسید

اور علامہ اقبال بلکہ بقول سرفراز صاحب قلندر لاہوری فرماتے ہیں :  
 محمدؐ عربی کا بروئے ہر دوسراست

کسے کہ خاک درش نیست خاک بر سر او

علامہ سرفراز صاحب کے ممدوحین مشرکین بالفرض لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ کا اقرار  
 کر بھی لیتے تو اللہ تعالیٰ قطعاً ان سے یہ اقرار و حدانیت قبول نہ فرماتا جب  
 تک محمدؐ رسول اللہ کا اقرار اور اعتراف نہ کرتے بلکہ اللہ تعالیٰ اس کو  
 اپنی ناقدری قرار دیتا۔ کما قال :

وَمَا قَدَرُوا اللَّهَ حَقَّ قَدْرِهِ إِذْ قَالُوا مَا أَنْزَلَ اللَّهُ عَلَيَّ

بَشِيرٍ مِّنْ شَيْءٍ ط (سورة الانعام آیت ۹۱)

اور نہیں قدر کی انہوں نے اللہ تعالیٰ کی جیسے کہ حق تھا قدر کرنے کا  
 جبکہ کہا کہ اللہ تعالیٰ نے کسی بشر پر کوئی شے نازل نہیں فرمائی لہذا اقرارِ توحید  
 تو ہو مگر رسالت کا انکار ہو تو یہ اقرار بھی انکار کے مترادف ہے اور مُشْرِك کو  
 لے صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔



موجد نہیں بنا سکتا۔

## گلدستہ توحید

شُرک کی علت اور وجہ تلاش کرنا اس لیے بھی ضروری ہے کہ کلمہ گو مشرکین نے عوام الناس کو صرف سطحی قسم کی باتوں میں الجھا رکھا ہے۔  
۱۔ کبھی یہ مغالطہ دیتے ہیں کہ شرک بُتوں کی پوجا کا نام ہے حالانکہ اسی کتاب میں اصنام و اوثان کی باحوالہ بحث موجود ہے کہ اس کی حقیقت کیا ہے

## گلشن توحید و رسالت

کیا شرک بُت پرستی کا نام نہیں؟

یہ سطحی بات نہیں بلکہ تحقیقی بات ہے اور صرف ہماری تحقیق نہیں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تحقیق ہے کہ شرک بُت پوجتے ہیں۔ اسی لیے ان سے کہا  
تَاللّٰہِ لَا کِیْدَ نَاصِنَا مِمَّکُمْ بَعْدَ اَنْ تَوَلّٰوْا مَدِیْنَہٖ  
بُخدا میں ضرور تمہارے بُتوں سے نمٹ لوں گا جب تم ان سے پیٹھ پھیرو گے۔

پھر ان بُتوں سے کہا کھاتے کیوں نہیں؟ بولتے کیوں نہیں؟ پھر انہیں ٹکڑے کیا اور کھاڑا بڑے کے کندھے پر رکھ کر چل دیئے۔ جب قوم نے واپس آکر یہ منظر دیکھا تو یہ نہیں کہا ہمارے مراکز توجہ اور قبلہ الا ولیائکے ساتھ یہ سلوک کس نے کیا بلکہ کہا:



مَنْ فَعَلَ هَذَا بِالْهَتِّنَاتِ لَيْسَ الظَّالِمِينَ ۝

(سُورَةُ الانْبِيَاءِ آيَةُ ۵۹)

تس نے ہمارے خداؤں کے ساتھ یہ سلوک کیا وہ ظالمین سے ہے۔  
جب بعض نے مجبزی کرتے ہوئے کہا:

سَمِعْنَا فَتَى يَذُكُرُهُمْ يُقَالُ لَهُ اِبْرَاهِيمُ ۝

(سُورَةُ الانْبِيَاءِ آيَةُ ۶۰)

ہم نے ایک جوان کو ان کے خلاف باتیں کرتے سنا ہے جسکو ابراہیم  
کہا جاتا ہے۔

تو دوسروں نے کہا:

فَأَتَوَيْنَاهُ عَلَىٰ آعْيُنٍ النَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَشْهَدُونَ ۝

(سُورَةُ الانْبِيَاءِ آيَةُ ۶۱)

اسے لوگوں کے سامنے لاؤ شاید وہ گواہی دیں (اس کے ادھر آنے  
کی اور یہ کارروائی کرنے کی)۔

جب آپ کو لایا گیا اور دریافت کیا گیا:

أَنْتَ فَعَلْتَ هَذَا بِالْهَتِّنَاتِ (سُورَةُ الانْبِيَاءِ آيَةُ ۶۲)

کیا تم نے ہمارے خداؤں کے ساتھ یہ سلوک کیا ہے۔

تو آپ نے فرمایا:

(سُورَةُ الانْبِيَاءِ آيَةُ ۶۳)

بَلْ فَعَلَهُ قَبِيْرُهُمْ هَذَا

بلکہ اس بڑے نے کیا ہے۔



(کیونکہ ظاہر ہے آلہ قتل جس سے ملے بظاہر قاتل وہی ہے اور آلہ قتل  
اسی کے پاس ہے مزید تسلی کرنی ہے تو)

فَسْأَلُوهُمْ إِنْ كَانُوا يَنْطِقُونَ ۝ (سُورَةُ الْأَنْبِيَاءِ آيَةُ ۶۳)

تو انہیں سے دریافت کر لو اگر وہ بولتے ہیں تو۔

اگر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے نزدیک وہ ان کے صرف قبلہ توجہ ہوتے  
تو ان کے متعلق دریافت کرنے کا حکم کیوں دیتے۔ وہ ان کو نہیں پوجتے تھے تو  
ان کو آلہ کیوں کہا اور اگر عاقل و فہم اور ذوی العقول ہونے کا نظریہ ان  
کے متعلق نہیں رکھتے تھے تو آپ کا ان کی جہالت و حماقت ظاہر کرنے کیلئے  
کہنا ان سے ہی دریافت کر لو کیونکہ درست ہو سکتا تھا اور اگر وہ نبیوں  
و لیوں کو پوجتے تھے تو آپ کا ان پر قہ کرنے کا کیا جواز تھا؟ کیا انہوں  
نے اپنی عبادت کے لیے ان کو کہہ رکھا تھا؟ آپ نے کیوں فرمایا:

أَفِ لَكُمْ وَلِمَا تَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ

(سُورَةُ الْأَنْبِيَاءِ آيَةُ ۶۴)

نیز انبیاء و اولیاء سے محبت ضروری ہے اور ان سے عبادت  
اللہ تعالیٰ کے ساتھ اعلان جنگ کے مترادف ہے حالانکہ آپ نے فرمایا:

فَانَّهُمْ عَدُوِّيٌّ إِلَّا رَبُّ الْعَالَمِينَ ۝ (سُورَةُ الشُّعَرَاءِ آيَةُ ۷۷)

نیز انبیاء علیہم السلام آپس میں بھائی ہیں۔ کما قال علیہ السلام:

الانبياء اخوة لعلات ابوهم واحد امها تهم شتی

یعنی انبیاء علیہم السلام باہمی علاقہ بھائی ہیں۔ ان کا باپ (اصول دین)



ایک ہے اور مائیں (فروعی احکامات اور تفصیل شرعیہ باہم) مختلف ہیں۔  
اور اولیاء کرام بھی آپس میں بھائی اور دوست ہیں۔

الْأَخِلَاءُ يَوْمَئِذٍ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ إِلَّا الْمُتَّقِينَ ۝

(الزفر آیت ۶۷)

دنیا کے دوست قیامت کے دن باہم دشمن ہوں گے سوائے متقین کے  
نیز فرمان باری تعالیٰ ہے:

إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ

(سورة الحجرات آیت ۱۰)

کہ مومنین باہم بھائی بھائی ہیں۔

نیز ارشاد باری تعالیٰ ہے: وَالْمُؤْمِنُونَ

وَالْمُؤْمِنَاتُ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضُهُمْ (سورة التوبة آیت ۷۱)

مومنین آپس میں ایک دوسرے کے دوست اور یار و مددگار ہیں۔

حالانکہ ابراہیم علیہ السلام نے ان کے معبودات سے برأت کا اظہار  
فرماتے ہوئے کہا:

وَرَاذَ قَالَ إِبْرَاهِيمُ لِأَبِيهِ وَقَوْمِهِ إِنَّنِي بَرَاءٌ مِّمَّا تَعْبُدُونَ ۝

(سورة زفر آیت ۲۶)

لہذا یقیناً ان کے معبودانبیاء و اولیاء نہیں تھے۔

نیز مشرکین سے جب آپ نے دریافت فرمایا:

مَا هَذِهِ التَّمَاثِيلُ الَّتِي أَنْتُمْ لَهَا عَاكِفُونَ ۝

(سورة الانبیاء آیت ۵۲)



یہ کیسی مورتیاں ہیں جن کے لیے تم معتکف عبادت ہو۔  
تو انہوں نے کہا :

وَجَدْنَا آبَاءَنَا لَهَا عِبْدِينَ ۝ (سُورَةُ الْأَنْبِيَاءِ آيَةُ ۵۲)

ہم نے اپنے آباء و اجداد کو ان ہی مورتیوں کی پرستش کرتے ہوئے پایا  
اور ہم بھی ان کی اقتدار و اتباع میں ان کی پوجا کرتے ہیں۔  
الغرض موحد اعظم اور اولین بُت شکن اور شرک کے خلاف عملی جہاد کرنے  
والے پیغمبر اور امام الناس ہونے کا اعزاز پانے والے خلیل خداوند تعالیٰ کا  
نظریہ اور ان کی تحقیق یہی ہے اور خود بُت پرستوں کا اعلان یہی ہے۔ مزید  
تفصیلی بحث اسی کتاب کے پچھلے اوراق میں گزر چکی ہے، دوبارہ ملاحظہ  
فرمادیں مگر علامہ صاحب کا معاملہ مدعی سُست گواہ چُست والا ہے۔ مشرک  
اپنے آپ کو اصنام و اوثان کی الوہیت پر منحصر اور محدود کرتے ہیں لیکن  
علامہ صاحب ان کو انبیاء و اولیاء کو معبود ماننے پر مجبور کرتے ہیں اور نئی  
راہ دکھلاتے ہیں۔

نیز بقول علامہ صاحب جو معبود تھے ان کو اللہ تعالیٰ سزا نہیں دیگا،  
اور جو معبود نہیں تھے صرف قبلہ توجہ تھے ان کو مشرکین کے ساتھ جہنم وصل  
کر دے گا۔ تو علامہ صاحب کے نظریہ کے مطابق اللہ تعالیٰ سے بھی انصاف  
نہیں ہو سکے گا۔

والعیاذ باللہ تعالیٰ :



## گلدستہ توحید

اور کبھی یہ شوشہ چھوڑتے ہیں کہ مشرکین غیر اللہ میں ذاتی اختیارات تسلیم کرتے تھے حالانکہ یہ بھی غلط ہے جیسے کہ اسی کتاب میں تصریح موجود ہے

## گلشن توحید و رسالت

مشرکین غیر اللہ میں ذاتی اختیارات تسلیم کرتے تھے، یہ شوشہ نہیں بلکہ حقیقتِ واقعہ کا بیان ہے کیونکہ شریعہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ اہرمن کو وجوب الوجود میں شریک ٹھہراتے ہیں۔ جیسے کہ علامہ تفتازانی رحمہ اللہ نے شرح عقائد میں فرمایا :

الاشراك اثبات الشريك في الالهية بمعنى  
وجوب الوجود كما للمجوس او بمعنى استحقاق  
العبادة كما لعبدة الاصنام۔

شریک ٹھہرانے کا مطلب ہے الوہیت میں کسی کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ شامل کرنا خواہ الوہیت بمعنی وجوب الوجود ہو جیسے کہ مجوسیوں نے اہرمن کو مبداءِ شرور مانا اور اس کا واجب الوجود ہونا تسلیم کیا۔ خواہ بمعنی عبادت کی حقہاری جیسے کہ بت پرستوں نے اپنے بتوں کو عبادت کا حقدار تسلیم کیا۔  
علامہ زمان محققؒ دوران میر سید شریف جرجانی اور قاضی عضد الملہ والدین فرماتے ہیں :



اما الشنوية فانهم قالوا نجد في العالم خيرا كثيرا  
ومشرا كثيرا وان الواحد لا يكون خيرا مشريرا  
بالضرورة (الى) والمجوس منهم ذهبوا الى ان  
فاعل الخير هو يزدان وفاعل الشر هو اهرمن و

يعنون به الشيطان - (مواقف وشرح مواقف ص ۵۸)

شنویہ نے کہا کہ ہم جہاں میں خیر کثیر بھی پاتے ہیں اور شر کثیر بھی اور فرد واحد  
سراسر خیر بھی ہو شر یہ بھی ہو۔ بداہتہً ایسا نہیں ہو سکتا لہذا دو خالق و موجد  
ضروری ہیں تو شنویہ میں سے مانویہ اور ویصانیہ فرقہ اس کے قائل ہیں کہ وہ دونو  
موجد و خالق نور اور ظلمت ہیں۔ نور فاعل خیر ہے اور ظلمت فاعل شر چونکہ  
نور و ظلمت دونوعرضیں ہیں اور اپنے وجود میں بھی محتاج الی الغیر ہیں، تو  
ظاہر ہے ان کی مراد نور اور ظلمت سے یہ معروف اور متبادر معنی نہیں ہے  
وكانهم ارادوا معنى اخر سوى المتعارف - کیونکہ وہ کہتے ہیں  
کہ نور زندہ ہے عالم ہے اور قادر و سمیع و بصیر ہے اور ان میں مجوسیوں کا  
مذہب یہ ہے کہ خیر کا فاعل و موجد یزدان ہے اور شر کا موجد اهرمن ہے  
جس سے ان کی مراد شیطان ہے۔

الحاصل جب شنویہ اور ان کے تینوں فرقوں کا یہ عقیدہ مسلم ہے کہ وہ  
کائنات میں دو متصرف قوتیں اور ذاتیں تسلیم کرتے ہیں اور دونو اپنے  
آپ موجود ہیں ان کا ایک دوسرے کی طرف وجود و تحقق میں قطعاً افتقار و  
احتیاج نہیں ہے تو ان کے متعلق کیا صرف ہم نے ہی شوشہ چھوڑا ہے یا



علمائے ملت اور مقتدایانِ اُمت اور محققینِ اسلام کا یہی مذہب و مسلک صدیوں سے چلا آ رہا ہے۔

بلکہ خود کلامِ مجید گواہ ہے کہ انہوں نے نبی کریم علیہ السلام کے اس مطالبے پر کہ کہو لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ اپنا ردِ عمل ظاہر کرتے ہوئے کہا:

أَجْعَلُ الْآلِهَةَ إِلَهًا وَاحِدًا إِنَّ هَذَا لَشَيْءٌ عُجَابٌ ۝

(سورہ ص آیت ۵)

کیا انہوں نے سب دوسرے خداؤں کی خدائی کی نفی کر کے صرف ایک الہ کو برقرار رکھا ہے یہ تو بہت ہی تعجب کے لائق بات ہے۔

تو یہاں اگر صرف عبادتِ غیر کی نفی ہوتی تو تعجب کی کیا ضرورت تھی اور اس کا کیا مقام تھا یہ تعجب ان کو صرف اور صرف اس لیے لاحق ہوا کہ ان کے ذہن قاصر اور عقلِ فاتر میں یہ بات آہی نہیں سکتی تھی کہ اکیلا خدا پوری کائنات کا نظام کیسے چلا سکتا ہے۔

نیز اللہ تعالیٰ نے بھی دوسرے موجد اور خالق کی نفی کرتے ہوئے فرمایا:

لَوْ كَانَ فِيهِمَا آلِهَةٌ إِلَّا اللَّهُ لَفَسَدَتَا ۙ (سورة الانبياء آیت ۲۲)

اگر زمینوں آسمانوں میں اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی دوسرا الہ ہوتا تو

یہ سبھی تباہ و برباد ہو جاتے۔

یعنی عدم سے وجود میں ہی نہ آ سکتے بسببِ باہمی تناقضِ آراء، اور

تخالفِ فعل کے۔ یا بنے بنائے ختم ہو جاتے نظم و نسق چلانے میں اختلافِ آراء

اور تضادِ عمل کی وجہ سے اور اس طرح کے مضامین پر مشتمل بہت سی آیات



موجود ہیں۔ قال تعالیٰ:

اِذَا لَذَهَبَ كُلُّ الْاِلٰهِ بِمَا خَلَقَ لَعَلَّ بَعْضُهُمْ عَلٰى  
بَعْضٍ وَغَيْرُ ذٰلِكَ ۔

دریافت طلب یہ امر ہے کہ اگر مشرکین کا ایسا قسم موجود ہی نہیں تھا تو اللہ تعالیٰ کو ان کے مذہب و مسلک اور نظریہ و عقیدہ پر رد و قدح کی کیا ضرورت تھی؟ اور دلائل و براہین سے اس عقیدہ کے ابطال کی کیا وجہ وجہ ہو سکتی ہے؟

## عبادت و اطاعت میں باہمی فرق

نیز عبادت غایت تذل کا نام ہے اور جب تک کسی کو اپنے وجود اور اس کی بقا اور جملہ ضروریات کا کفیل اور موت و حیات کا مالک تسلیم نہ کیا جائے تو اس وقت تک اس کی حرمت و تکریم عبادت نہیں کہلا سکتی اور یہی وجہ ہے کہ رسل کرام اور اولی الامر کی اطاعت صرف جائز ہی نہیں رکھی گئی بلکہ اس کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے:

اَطِيعُوا اللّٰهَ وَاَطِيعُوا الرَّسُوْلَ وَاُوْرِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ ۚ

(سورة النساء آیت ۵۹)

وَمَا اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ

(سورة النساء آیت ۶۴)

کیونکہ اطاعت کے لیے صفات اور کمالات ذاتیہ ضروری نہیں عطا تئ



بھی کافی ہیں لیکن عبادت کے لیے کمالاتِ ذاتیہ کا تحقق ضروری ہے اور وہ چونکہ غیر میں مستحق نہیں ہو سکتے لہذا غیر اللہ کی عبادت کو جائز ہی نہیں رکھا گیا چہ جائیکہ اس کو لازم اور ضروری قرار دیا جاتا۔

حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں :  
 مطاع بودن راعظمت ذاتی لازم نیست و معبود شدن راعظمت ذاتی  
 دآں ہم بنہایت رسیدہ لازم است پس قیاس عبادت بر اطاعت قیاس مع  
 الفارق است۔ (تفسیر ص ۱۲۹ سورہ بقرہ)

مطاع اور متبوع ہونے کے لیے ذاتی عظمت درکار نہیں ہے اور معبود ہونے کے لیے ذاتی عظمت درکار ہے اور وہ بھی ایسی جو انتہائی درجہ کو پہنچی ہوئی ہو لہذا اطاعت کا قیاس عبادت پر کرنا یہ قیاس مع الفارق ہے۔  
 اور جب کفار کا غیر اللہ کی عبادت کرنا اور وہ بھی اصنام و اوثان کی انہیں کی زبانی اور قرآن کی اور حضرت ابراہیم علیہ السلام اور دوسرے انبیاء علیہم السلام کی زبانی ثابت ہو چکا تو ان میں عظمتِ ذاتیہ کا تسلیم کرنا بھی انہیں لازم اور اس وجہ سے قیامت کے دن اپنے معبوداتِ باطلہ کو اللہ تعالیٰ کے برابر ٹھہرانے کا اقرار بھی ثابت۔ کما قال تعالیٰ :

تَاللّٰهِ اِنْ كُنَّا لَفِي ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝ اِذْ نَسُوْا بَرِيْدَ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝

(سورہ الشعراء آیت ۹۷-۹۸)

بخدا ہم کھلی گمراہی میں تھے جبکہ ہم تمہیں اللہ رب العالمین کے برابر ٹھہراتے تھے۔



جب علامہ سرفراز کی اپنی تصریحات کے مطابق وہ زمینوں آسمانوں کا خالق و موجد صرف اللہ تعالیٰ کو مانتے تھے تو پھر برابری کس طرح ہو گئی اور روزِ قیامت جو انکشافِ حقائق کا دن ہے اس میں اس اعتراف پر کیوں مجبور ہو گئے؟ تو لامحالہ مانتا پرے گا کہ کسی کی عبادت اس میں عظمت و کمال ذاتی کی متقاضی ہے تو عبادت کا اثبات ہی ذاتی عظمت کا اثبات ہے لہذا اس اعتراف و اقرار پر ہر انصاف پسند اور عقلمند انسان مجبور و مضطر ہے، اور صرف اور صرف ضدی اور ہٹ دھرم ہی اس کا انکار کر سکتا ہے۔ مزید تحقیق اسی کتاب کے سابقہ صفحات پر ملاحظہ فرمادیں۔

## کلمۃ توحید

اور کبھی یہ کہتے ہیں کہ مشرکین آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت اور مقام و احترام کے قائل نہیں تھے اور اسی واسطے آپ کو نبی نہیں مانتے تھے، لیکن باحوالہ گزر چکا کہ یہ بات بھی نہیں ہے۔ غرضیکہ یہ اور اس قسم کی کئی کئی باتیں کہہ کر عوام الناس کو یہ باور کرانے کے درپے ہیں کہ ہم شرک میں آلودہ نہیں ہیں بلکہ دیگر تو میں شرک میں مبتلا ہیں اور حقیقت میں وہ شرک کے دلدل میں پھنسے ہوئے ہیں۔

مشرکین مگر اس شرک سے بڑھ کر ہرگز کوئی اور شرک نہیں کرتے تھے، جس کو آج کے بعض کلمہ گو کر رہے ہیں۔

(صفحہ نمبر ۸۷ - ۸۸)



## گلشنِ توحید و رسالت

علامہ سرفراز صاحب کے نزدیک احترام رسالت کا مفہوم کیا ہے؟  
یہ تو آپ آغاز کتاب یعنی مقدمہ کے جواب میں پڑھ ہی چکے کہ مشرکین مکہ  
نبی مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو شاعر، ساحر، مجنون اور اللہ تعالیٰ پر  
افتراء پر داز قرار دیتے تھے۔ کیا علامہ سرفراز صاحب اس کو بھی احترام رسول  
قرار دیتے ہیں؟ وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر خاک پھینکتے تھے اور پتھر  
مارتے تھے اور کہتے تھے یہ دیوانہ ہے، صابی ہے اس کی بات مت سُننا  
کیا علامہ صاحب کے نزدیک یہ تکریم رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تھی؟ انہوں  
نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے شہید کرنے کا منصوبہ بنایا اور تمام قبائل سے  
چیدہ چیدہ افراد آپ کی تاک میں رہے کہ جاگتے ہی یکبارگی حملہ کر کے ان کو  
(خاکم بدہن) صفحہ ہستی سے مٹا دیں گے اور بنو ہاشم اور بنو عبدالمطلب ساکے  
قریش کے ساتھ تو مقابلہ کر نہیں سکیں گے لہذا دیت دے کر صلح کر لیں گے،  
حتیٰ کہ اس سازش کو ناکام کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ کے حکم سے آپ نے  
آبائی وطن اور محبوب شہر مکہ کو اور گھر بار کو خیر باد کہا اور ہجرت فرما کر  
مدینہ منورہ ڈیرہ ڈالا تو کیا یہ ساری کارروائی بھی محبت رسول صلی اللہ علیہ وسلم  
قرار پائے گی؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پکڑنے کی کوشش اور پکڑنے والے  
کے لیے انعامات کا اعلان بھی خدمات رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے  
کیا ہوگا؟ اور تین سال تک شعب ابی طالب میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم



کو اور آپ کی وجہ سے بنو ہاشم اور بنو عبد المطلب اور اہل ایمان کو محصور رکھا، اور میل جول اور ہر طرح کے برتاؤ اور لین دین کا مکمل بائیکاٹ رکھا، یہ بھی عظمتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اظہار کرنے کے لیے تھا؟ یہ جو انہوں نے کہا تھا کہ قرآن مکہ اور طائف میں سے کسی عظیم آدمی پر کیوں نہیں نازل ہوا۔  
 وَقَالُوا لَوْلَا نَزَّلَ هَذَا الْقُرْآنُ عَلَى رَجُلٍ مِّنَ الْقَرَبَاتِ عَظِيمٍ ۝

(سورہ زعفر آیت ۳۱)

ابوطالب کے متیم بھتیجے پر کیوں نازل ہوا ہے؟ تو کیا یہ بھی اپنے طور پر اظہارِ عقیدت ہی تھا؟

کیا انہوں نے نبی مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دعوائے رسالت کو مان لیا تھا؟ یا اپنے جیسا بشر کہہ کر منصبِ رسالت کی اہلیت تسلیم کرنے سے بھی انکار کر دیا تھا! کیا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قرآن کو مان لیا تھا، یا اساطیر الاولین (پہلے لوگوں کے قصے کہانیاں) کہہ کر اس کے کلام اللہ ہونے اور منزل من اسماء ہونے کا انکار کیا تھا؟ کیا انہوں نے یہ نہیں کہا تھا کہ  
 قَالُوا لَوْ نَشَاءُ لَقُلْنَا مِثْلَ هَذَا ۗ

(سورہ الانفال آیت ۳۱)

اگر چاہیں تو ہم بھی اس کی مثل بنالیں۔

إِنَّمَا يُعَلِّمُهُ بَشَرٌ ۖ (سورہ نحل ۱۰۲) انکو صرف کوئی بشر تعلیم دیتا ہے۔  
 اسے کتاب اللہ کہنا ان کا جھوٹ ہے تو کیا یہ بھی احترامِ رسالت میں ہی کہا تھا۔  
 انکی طرف سے نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ظلم و زیادتی کا اللہ تعالیٰ گواہ ہے۔ قال تعالیٰ :



وَأَسْرُوا النَّجْوَىٰ الَّذِينَ ظَلَمُوا ۗ هَلْ هَذَا إِلَّا بَشْرٌ مِّثْلُكُمْ ۚ

(سُورَةُ الْأَنْبِيَاءِ آيَةُ ۲)

اور آپ کا طوقِ غلامی گلے میں ڈالنے والوں پر ظلم و تشدد کا بھی قرآن گواہ ہے۔

أُذِنَ لِلَّذِينَ يُقْتَلُونَ بِأَنَّهُمْ ظَلَمُوا ۖ وَإِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ  
نَصْرِهِمْ لَقَدِيرٌ ۝

(سُورَةُ الْحَجِّ آيَةُ ۴۹)

اور معذور و مجبور اور بے بس و بے سہارا مکہ میں مجبوس مسلمانوں کی فریاد و زاری کی بھی قرآن مجید گواہی دے رہا ہے اور ان کے ان ظالمان مکہ سے خلاصی کی التجاؤں کا تذکرہ بھی قرآن مجید کر رہا ہے:

رَبَّنَا أَخْرِجْنَا مِنْ هَذِهِ الْقَرْيَةِ الظَّالِمِ أَهْلُهَا ۗ

(سُورَةُ النَّارِ آيَةُ ۷۵)

لیکن علامہ سرفراز صاحب کو مشرکین مکہ اور کفارِ عرب کی محبت نے اتنا اندھا اور بہرہ کیا ہوا ہے کہ انہیں نہ ان ظالموں کا ظلم و عدوان اور تشدید و تغلیظ نظر آرہی ہے اور نہ ان پریشان حال مضطرب و مستضعفین کی فریاد و زاری سنائی دے رہی ہے۔

کیا اعلانِ نبوت سے قبل صادق و امین مانتے رہنا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ادب و احترام کے لیے کافی تھا۔ اس کے بعد جو بھی کہتے رہے وہ محمد بن عبد اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو نہیں کہہ رہے تھے وہ گالیاں اور سبّ و تمّ و ظلم و تعدی، وہ عدوان و طغیان، وہ تغلیظ و تشدید، وہ قتل کے منصوبے



اور پیارے وطن اور گھر بار سے نکالنے کے منصوبے کسی اور شخصیت کے لیے تھے؟ آپ کا وصف امتیاز اور آپ کا طرہ امتیاز صرف ابن عبد اللہ یا ابن عبد المطلب ہونا نہ تھا بلکہ آپ کا معراجِ کمال آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نائبِ خداوندِ تعالیٰ اور رسول و نبی ہونا تھا جب اس اعلان پر ظلم و تعدی افرار پروازی اور بہتان تراشی کی انتہا کر دی تو پھر انکو کس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پیکرِ محبت و اخلاص اور مجسمہٴ ادب و احترام نزار دیا جاسکتا ہے؟ معلوم نہیں علامہ صاحب کے نزدیک عقیدت و محبت اور ادب و احترام کس شے کا نام ہے؟

مگر علامہ صاحب اور ان کے مقتدار و پیشوا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو چار سے ذلیل، عاجز بندے اور اپنے انجام سے بے خبر مانیں اور ان کے خیال کو گدھے اور بیل کے خیال سے بدرجہا بدتر جانیں۔ ان کے علمِ غیب کو جو امتیازِ رسالت ہے پاگلوں کے علم سے تشبیہ اور چار پایوں کے علم سے مشابہت دیں وغیرہ وغیرہ۔ مگر پھر بھی ان کے احترامِ رسالت میں اور ادبِ نبوت میں کوئی فرق نہ آئے اور وہ اسی طرح سگد بند سوحہ اور مومن رہیں تو قریش مکہ کے گستاخانہ کلمات آپ کے حق میں بکنے سے انہیں گستاخی اور بے ادبی کے ارتکاب کا شبہ کیونکر ہو سکتا تھا؟ کاش علامہ صاحب مقامِ رسالت اور مرتبہٴ نبوت کو بھی کوئی اہمیت دیتے تو ان کے دیوبندی ہونے میں کوئی زیادہ فرق نہ پڑتا کیونکہ ان کا کاروبار اسی محبوب کے لئے ہوئے دین سے ہی چل رہا ہے اور اپنی قوم سے انہیں جو عزت و توقیر اور حرمت



تکریم ملی ہے وہ اسی قال اللہ ، قال الرسول کے طفیل ہی ہے۔ ابو جہل اور  
ابولہب کی نظر عنایت سے تو نہ تھی۔ آپ کو قلندر لاہوری کا یہ فرمان تو شاید  
یاد ہی ہوگا۔

بمصطفیٰ برسوں خویش را کہ دیں ہمہ اوست

گر بہ او نرسیدی تمام بولہبی ست

کاش اس پر عمل کی بھی توفیق نصیب ہو جاتی اور بولہبی پھیلانے  
اور اس کی اشاعت و ترویج سے باز رہنے کی استطاعت نصیب ہو جاتی۔

۱۰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔



## گلدستہ توحید

کیا مشرکین عرب، نبوتِ قرآن اور قیامت کے انکار کی وجہ سے

## مُشْرک قرار پاتے؟

۱۔ ممکن ہے کسی کو غلط فہمی ہو کہ وہ لوگ اس لیے مشرک قرار پائے کہ اپنی لڑکیوں کو زندہ درگور کر دیتے تھے مگر یہ ان کے شرک کی وجہ نہیں کیا مشرکین عرب جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت اور قرآن کے انکار کی وجہ سے مشرک تھے؟ لیکن ان کے شرک کی یہ وجہ بھی نہیں بلکہ اس کا سبب بھی کچھ اور ماننا پڑے گا۔

۲۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کے مشرک اور اہل جاہلیت بعثتِ انبیا کے جواز کو تسلیم کرتے تھے۔ (حجۃ اللہ البالغہ ص ۱۲۵ ج ۱)

اللہ تعالیٰ اپنے خاص فضل سے اپنے بندوں کی اصلاح کے لیے نہیں میں سے ایک آدمی کو بھیجتا ہے اور اس کی طرف اپنے فرشتے کے ذریعے وحی بھیجتا ہے اور ان لوگوں پر اس کی اطاعت فرض کرتا ہے اور وہ اس کی اطاعت سے کوئی چارہ نہیں پاتے۔ (حجۃ اللہ البالغہ ص ۱۲۶ ج ۱)

رسالت اور نبوت کو تسلیم کرنے کے لیے اس سے بڑھ کر اور کونسا صحیح



جبکہ زندہ درگور کی ہوئی کو پوچھا جاتے گا کہ وہ کس گناہ کی پاداش میں قتل کی گئی ہے۔

اور کیا جو ان بچیوں کو ظالموں سے لے کر پالا کرتے تھے تو ان کا کُفر نظر انداز ہو جائے گا تو پھر اس بحث کا فائدہ کیا ہوا؟ کیا اسلام و ایسان صرف شرک نہ کرنے کا نام ہے یا نبی مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لائے ہوئے مکمل دین اور اس کے جملہ احکام کو ماننے کا جو قطعی طور پر ثابت ہیں جب مکمل دین کو تسلیم نہ کرنا کُفر ہے اور ہمیشہ کے لیے دوزخی ہونے کا موجب تو صرف شرک کی نفی کا کیا فائدہ؟

۲۔ مشرکین عرب چونکہ نبوت اور رسالت اور وحی و قرآن کے انکار کی وجہ سے مشرک نہیں تھے بلکہ اس کا سبب کچھ اور تھا تو اگر وہ سبب دُور کر دیتے اور اس علت سے بیزاری اختیار کر لیتے اور انکارِ نبوت، انکارِ قرآن پر مٌصر رہتے تو مومن ہو جاتے؟ یا علامہ صاحب ان کو جنتی بنا لیتے یا ان کی شفاعت کر سکتے جب ان کے شرک کا اور انکارِ نبوت اور انکارِ قرآن کا انجام ایک ہے اور خلود فی النار ان کی سزا ہے تو اس طوالتِ بے فائدہ کی کیا ضرورت۔

عجیبہ : علامہ صاحب نے مزید ترقی کرتے ہوئے انکو معتقد رسالت بھی قرار دے ڈالا کہ مشرکین رسالت کا جواز تسلیم کرتے تھے اور اللہ تعالیٰ کی اس سنت کو بھی تسلیم کرتے تھے کہ وہ بندوں میں سے ایک بندہ کو اپنے فضل سے نبوت عطا کرتا ہے، تو کیا اس جواز و امکان اور سنتِ لہیہ







کی بد معاشی اور بد کرداری اور ہرزائی اور کوتاہی کے ارتکاب کے باوجود عذاب و عتاب اور تباہی و بربادی کے سزاوار نہیں بنتے تھے لیکن بعثت کے بعد اس کے حقدار اور سزاوار ہو جاتے تھے۔ قال تعالیٰ:

وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِينَ حَتَّىٰ نَبْعَثَ رَسُولًا ۝

(سورہ بنی اسرائیل آیت ۱۵)

اور نہیں تھے ہم عذاب دینے والے یہاں تک مبعوث فرمائیں رسول کو۔ اور پہلی قوموں کو اسی اتمامِ حجت کے بعد مکمل طور پر ختم کر دیا گیا البتہ رحمتِ مجسم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شانِ رحیمی کا پاس و لحاظ کرتے ہوئے مکمل تباہی و بربادی سے ان کو بچا دیا گیا تو اس پر شکر گزار بندہ بننے اور اس رحیم و کریم نبی علیہ السلام کی غلامی کا طوق گلے میں ڈالنے کی بجائے ان کے برحق رسول ہونے میں شک و شبہ کا اظہار کرنے لگے اور دیدہ دلیری کا مظاہرہ کرتے ہوئے اپنے منہ عذاب مانگنے لگے۔

اللَّهُمَّ إِنْ كَانَ هَذَا هُوَ الْحَقُّ مِنْ عِنْدِكَ فَأَمْطِرْ عَلَيْنَا حَجَارَةً مِنَ السَّمَاءِ أَوْ ائْتِنَا بِعَذَابٍ أَلِيمٍ ۝

(سورہ الانفال آیت ۳۲)

اے اللہ اگر یہ برحق رسول ہیں تیری طرف سے تو ہم پر پتھر برسائے، ورنہ عذاب ہم پر لے آ۔

جس طرح علامہ صاحب نے دیدہ دلیری سے کام لیتے ہوئے انکارِ نبوت اور انکارِ وحی کی وجہ سے لازم آنے والے کفر کو کوئی اہمیت ہی نہیں دیا



لیکن علامہ صاحب کے نزدیک کُفر قابلِ برداشت ہوگا اسی لیے گستاخیِ رسول کا ارتکاب کرنے کے باوجود آج تک پچھتاوا لاحق نہیں ہوا آپ کے ہم مسلک علمائے مناظرہ کے میدانوں میں شکستوں پر شکستیں کھائیں لاجواب ہوئے، رسوا ہوئے مگر توبہ کی توفیق نہ ہوئی مگر ہمارے نزدیک جس طرح شرک قابلِ برداشت نہیں اسی طرح انکارِ نبوت اور انکارِ قیامت، انکارِ تقدیر اور انکارِ وحی والا کُفر بھی قابلِ برداشت نہیں۔ بلکہ جس طرح مُشرک دائمی عذاب میں مبتلا ہوگا، اسی طرح کُفر کا مرتکب بھی بلکہ گستاخیِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وجہ سے مرتکب کُفر بھی ابدی عذاب میں مبتلا ہوگا۔ العیاذ باللہ۔

لہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔



## بَاب دَهْم

### کَلِمَةُ تَوْحِيدٍ

## غَيْرِ اللَّهِ كَوْمُصِيبَتِكَ وَقَتُّكَ يَا كَيْوَلِ شَرِكَةٍ

قارئینِ کرام! دُنیا میں جتنے بھی مشرک کسی زمانے میں گزرے انکا اس پر اتفاق رہا ہے کہ خُدا تعالیٰ کی نہ صرف ذات موجود ہی ہے بلکہ وہ زمینوں اور آسمانوں کا خالق اور تمام کائناتِ ارضی و سماوی کا پیدا کرنے والا بھی ہے اور وہی مدبّر اور ہر چیز کا اختیار رکھنے والا ہے۔ مگر اسکے باوجود وہ اللہ تعالیٰ کے نیچے دوسری مخلوق کو بھی الہ مانتے تھے اور ان کی عبادت کرتے تھے لہذا وہ مشرک قرار پاتے اور اللہ تعالیٰ نے ہر پیغمبر کو حکم دیا کہ تم یہ اعلان کرو کہ خُدا تعالیٰ کے سوا کوئی الہ نہیں اور جب وہ الہ ہی نہیں تو اس کی عبادت کیسے؟

(اس دعویٰ پر کہ ہر پیغمبر کو اللہ تعالیٰ نے اس اعلان کا حکم دیا علامہ صاحب نے چند آیات اور احادیث ذکر فرمائی ہیں جن کا نمبر شمار اکیس تک پہنچا کر آخر میں کہا) :

حضرات آپ اچھی طرح پڑھ اور سمجھ چکے ہوں گے کہ کَلِمَةُ تَوْحِيدٍ اللَّهُ كَوْمُصِيبَتِكَ وَقَتُّكَ يَا كَيْوَلِ شَرِكَةٍ کو حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک کیا اہمیت حاصل رہی ہے اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس کا کیا رتبہ اور



کیا منزلت ہے۔ دوزخ کی ابدی سزا سے نجات حاصل کرنے اور جنت کی تحصیل میں بفضلہ تعالیٰ اس کا کتنا دخل ہے۔ پیغمبروں کی شفاعت اور خدا تعالیٰ کی خوشنودی اس پر کس حد تک موقوف ہے بلکہ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ کی برکت سے ہی زمینوں اور آسمانوں کا نظام چل رہا ہے۔ (ص ۹۵ تا ص ۱۰۰)

## گلشنِ توحید و رسالت

علامہ صاحبِ کلبِ مدبرِ واحد پر تمام مشرکین کے اتفاق کا دعویٰ باطل ہے

۱۔ پہلے باحوالہ بیان ہو چکا کہ مجوسی اور مانوی، و یصانی جو کہ تنویہ کے شعبے ہیں وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ وجود میں بھی اور تخلیق و تکوین اور تدبیر و تصرف میں بھی اشتراک کے قائل ہیں۔ اور خیر کی ایجاد و تکوین اللہ تعالیٰ کی طرف سے مانتے ہیں اور شرور و فسادات کی ایجاد و تخلیق اہرمن اور شیطان کی طرف سے تسلیم کرتے ہیں لہذا اس قدر عام دعویٰ سراسر غلط ہے اور خلافِ حقیقت۔ نیز اگر یہ حقیقت مسلمہ ہوتی تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے دلائل کے ساتھ اس قسم کے عقیدہ و نظریہ کو باطل کرنے کی کوئی مصلحت و منفعت نہیں ہو سکتی تھی۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

لَوْ كَانَ فِيهِمَا آلِهَةٌ إِلَّا اللَّهُ لَفَسَدَتَا

اگر زمین و آسمان میں اللہ تعالیٰ کی ذاتِ مقدسہ کے علاوہ الہ ہوتے

تو زمین و آسمان تباہ ہو جاتے۔

چونکہ وہ سبھی موجود اور قائم ہیں اور تباہ و برباد نہیں ہوئے لہذا ثابت



ہو کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی دوسرا الہ موجود نہیں۔

(سورہ انبیاء آیت ۲۲)

علماء کلام نے اس قول باری تعالیٰ کے دو مفہوم بیان فرمائے ہیں اول یہ کہ فساد سے مراد فساد سابق ہو اور عدم تکوین تو اب مطلب یہ ہوا کہ اگر دوسرا الہ موجود ہوتا تو وہ ہر شے کی ایجاد و تخلیق اور اس کی شکل و صورت اور کیفیت و کمیت کے تعین میں اختلاف کرتا اور کسی ایک کی مراد اس کے ارادہ سے متخلف ہوتی تو وہ الہ ہی نہ رہتا کیونکہ مغلوب و مقهور اور تکمیل عزم و ارادہ میں عاجز و قاصر تو الہ ہو نہیں سکتا تو لامحالہ دو نو کی مراد پوری ہوتی اور یا کسی کی بھی نہ ہوتی۔ شق اول اجتماع اضداد اور متناقضین کو مستلزم ہے لہذا وہ بھی محال اور شق ثانی پر کوئی شے عدم سے وجود میں ہی نہ آسکتی، اور وہ بھی باطل ہے اور حس و مشاہدہ کے خلاف ہے لہذا کائنات کا عدم فساد بمعنی عدم تکون چونکہ حس و مشاہدہ کے خلاف ہے لہذا بطلان لازم سے بطلان ملزوم اور ابطال تالی سے ابطال مقدم ثابت ہو گیا اور اس طرح دوسرے الہ کی نفی ثابت ہو گئی۔

دوسرا مفہوم یہ ہے کہ فساد سے مراد فساد طاری ہے یعنی نظم و نسق کا درہم برہم ہونا تو اس تقدیر پر حاصل استدلال یہ ہوا کہ اگر اللہ تعالیٰ کے ساتھ دوسرا الہ ہوتا تو آسمان اور زمین تباہ و برباد ہو جاتے اور ان کا نظم و نسق درہم برہم ہو جاتا لیکن وہ خود قائم ہیں اور ان کا نظم و نسق قائم ہے تو یہ عدم فساد اور بد نظمی سے تحفظ اس حقیقت کی بین برہان ہے کہ اللہ تعالیٰ



کے علاوہ دوسرا کوئی الہ نہیں ہے اور اس مضمون کی متعدد آیات کریمہ قرآن مجید میں مذکور ہیں جن میں متعدد آئہ کے موجود ہونے اور زمین و آسمان میں فساد لازم آنے کے درمیان موجبات ربط اور اسباب تعلق پر روشنی ڈالی گئی اور شرط و مشروط اور مقدم و تالی میں تلازم بیان کیا گیا ہے۔ کما قد ذکرنا سابقاً۔ لہذا اگر ایجاد و تکوین اور ابتداء و تخلیق میں اور نظم و نسق اور تدبیر و تصرف میں کسی دوسرے کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ شامل ہی نہیں کیا گیا تھا تو پھر ان دلائل کے ساتھ کس کار و کیا گیا اور ایسے براہین قائم کرنے کی کیا ضرورت پیش آئی لہذا علامہ صاحب کا یہ دعویٰ اپنے عموم کے لحاظ سے غلط اور خلاف واقع اور خلاف حقیقت ہے۔ اور قول باری تعالیٰ :

إِنَّهُمْ كَانُوا إِذَا قِيلَ لَهُمْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ يَسْتَكْبِرُونَ ۝

(سورہ الصفات آیت ۳۵)

کا مطلب بھی یہی ہے کہ جب انہیں صرف اللہ تعالیٰ کو الہ ماننے کی تلقین کی جائے تو وہ اس کو ناقابل برداشت اور ثقیل سمجھتے ہیں کہ ایک ذات اتنے بڑے جہان کا نظم و نسق بلا شرکت غیرے چلائے یہ تو ناقابل تسلیم ہے اور نہ لائق اعتماد و اعتبار ہے جس طرح کہا ان هَذَا الشَّيْءُ عَجَابٌ يَهُ تُوْ بَهْت ہی تعجب انگیز چیز ہے۔ یہاں تکبر اور غرور والے معنی کا کوئی موقعہ محل نہیں ہے

بَلْكَ إِنَّمَا كِبْرُؤُهُ إِلَّا عَلَى الْخَاشِعِينَ ۝ (سورہ البقرہ آیت ۳۵)

اور كَبُرَتْ كَلِمَةً تَخْرُجُ مِنْ أَفْوَاهِهِمْ ط (سورہ الکہف آیت ۵)

کے قبیل سے ہے فاعل حق التال یعنی ثقیل اور گرانبار سمجھنے کے معنی میں ہے۔



۲۔ علامہ سرفراز صاحب حضرت شاہ ولی اللہ صاحب قدس سرہ العزیز کے حوالے سے ذکر کر چکے کہ مشرکین اہل اسلام کے ساتھ اکثر امور کی تدبیر میں تو موافقت کرتے ہیں لیکن بعض امور میں موافقت نہیں کرتے۔ ملاحظہ ہو ص ۶۹ پر مندرج یہ عبارت :

والمشركون وافقوا المسلمین فی تدبیر الامور  
الاعظام و فیما ابرم و جزم و لم یترك لغيره خیرة  
و لم یوافقوهم فی سائر الامور ذہبوا الی ان  
الصالحین من قبلهم عبدوا اللہ و تقربوا الیہ  
فاعطاهم الالوهیة فاستحقوا العبادۃ ( الی )  
ہؤلاء یشمعون و یبصرون و یشفعون لعبادہم  
و یدبرون امورہم و ینصرونہم -

( حجۃ اللہ ص ۵۹ ج ۱ )

لہذا اس عبارت کو سامنے رکھتے ہوئے بھی عمومی دعویٰ غلط ہے کیونکہ اس میں تسلیم کر لیا گیا کہ ایسے مشرکین غیر اللہ کو مدبّر و متصرف فی الامور مانتے تھے۔ اور اسی تدبیر و تصرف کی وجہ سے ان کو الہ اور مستحق عبادت سمجھتے تھے۔ مشرکین نے مختلف اشیاء کی فراہمی کی ذمہ داری مختلف الہ اور اصنام کو سونپی ہوئی تھی اور اس لیے بہت سے الہ کو بیت اللہ اور حرم پاک میں سجا رکھا تھا جیسے کہ علامہ شبیر احمد صاحب عثمانی کے حوالے سے عرض کیا جا چکا ہے، اور جو نبی مکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی



زبان حقیقت ترجمان سے لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ کا اعلان سنا تو انکار کرتے ہوئے کہا:  
 أَجْعَلُ الْأَلْهَةَ إِلَهًا وَاحِدًا ۖ إِنَّ هَذَا لَشَيْءٌ عَجَبٌ ۝

(سورہ ص آیت ۵)

کیا انہوں نے سب مدبرین اور منقظین کی نفی کر کے صرف ایک مدبر اور متصرف بنا دیا ہے تو یہ بہت ہی تعجب انگیز اور حیرت خیز امر ہے کیا صرف جبینِ نیاز صرف ایک ذات کے آگے ٹیکنا اور صرف ایک ذات کے آگے سر بسجود ہونا حیرت و تعجب کا موجب اور باعث ہو سکتا تھا؟ قطعاً نہیں۔ انہیں تعجب لاحق ہوا اور حیرت دامنگیر ہوئی تو صرف اس لیے کہ اتنی بڑی کائنات میں صرف ایک ذات تدبیر و تصرف کیسے کر سکتی ہے؟ اس لیے الوہیت کے صرف ایک ذات میں انحصار کا انکار کر دیا۔

۴۔ سیرت ابن ہشام میں ہے کہ عمرو بن لُحی جب مکہ مکرمہ سے شام کی طرف کسی کام کے لیے گیا تو :

راهم يعبدون الاصنام فقال لهم ما هذه الاصنام  
 التي اراكم تعبدون قالوا له هذه اصنام نعبدها  
 فنستطرها فتمطرنا ونستنصرها فتنصرنا فقال  
 افلا تعطونني منها صنما فاسير به الى ارض  
 العرب فيعبدونه فاعطوه صنما يقال له هبل  
 فقدم به مكة فنصبه وامر الناس بعبادته  
 وتعظيمه - (سیرت ابن ہشام مع الروض الانف جلد اول ص ۶۲)



ان کو اصنام کی پرستش کرتے دیکھا تو دریافت کیا یہ کیسے بُت ہیں جنکی پرستش کرتے ہوئے میں تمہیں دیکھ رہا ہوں تو انہوں نے کہا یہ ایسے اصنام ہیں کہ ہم ان کو پوجتے ہیں پھر ان سے بارش طلب کرتے ہیں تو وہ ہمیں بارش دیتے ہیں اور ان سے امداد و نصرت طلب کرتے ہیں تو وہ نصرت و مدد دیتے ہیں تو اس نے کہا کہ ان میں سے ایک صنم مجھے بھی دے دو تاکہ میں اسے عرب کے علاقہ میں لے جاؤں تاکہ وہ اس کی عبادت کریں تو انہوں نے اس کو ہبل نامی بُت دیا وہ اسے مکہ مکرمہ میں لے آیا اور اس کو نصب کیا اور لوگوں کو اس کی عبادت اور تعظیم کا حکم دیا۔

الغرض شامی بھی بارشوں اور امدادوں کے حصول کے لیے ان کے دستِ نگر تھے اور اہل عرب بھی اسی مقصد کے تحت ایسے مدبر و متصرف مانگ کر لاتے اور اس لیے اُحد کی جنگ میں وقتی طور پر فتح حاصل ہو جانے کے بعد ابو سفیان صاحب نے جو ابھی بُت پرستی کے عقیدہ پر قائم تھے اللہ اکبر کا نعرہ نہیں لگایا تھا بلکہ اعلیٰ ہبل کہا تھا۔ یعنی اسے ہبل تیسرا شان بلند ہوا اور تیرے پجاری جیت گئے (گو صیغہ امر استعمال کیا لیکن معنی خبر والا ہے) اور کہا لنا العزیمی ولاء عزیمی لکم ہمارے لیے عزیمی معاون مددگار ہے اور تمہارے لیے ایسا کوئی معاون و مددگار نہیں۔

۵۔ اور علامہ سہیلی الروض الالنف میں فرماتے ہیں کہ :

اوائل نے توود، سواع، یغوث، یعوق اور نسر کی صرف تصاویر رکھی ہوتی تھیں اور ان کی تعظیم صرف ان لوگوں کی دینداری اور دُعاؤں



کی قبولیت کی وجہ سے کرتے تھے۔

حَتَّىٰ خَلَفَ الْخُلُوفَ وَقَالُوا مَا عَظُمَ هَوْنُ لَاءِ آبَاءِنَا  
إِلَّا لَانْهَآ تَرْزُقُ وَتَنْفَعُ وَتَضُرُّ وَاتَّخَذُوا هَآءِ الْهَمَّةَ  
(الی) وَرَبَّمَا كَلِمَهُمُ الْجَنِّ مِنْ جَوْفِهَا فَفْتَنَتْهُمْ

(صفحوں نمبر ۶۳ جلد ۱)

حتیٰ کہ ناخلف لوگ پیدا ہو گئے اور انہوں نے کہا کہ ہمارے آباؤ اجداد نے ان کی صرف اور صرف اس لیے تعظیم کی ہے کہ یہ روزی دیتے ہیں اور نفع و ضرر پہنچاتے ہیں اور ان کو اپنے الہ اور معبودات بنا لیا اور بسا اوقات ان کے اندر سے جن ان کے ساتھ کلام کرتے تھے تو انہوں نے عبادت گزاروں کو فتنہ و فریب میں مبتلا کر دیا (اور ان کو باطنی قوتوں کے ساتھ تدبیر و تصرف کا اہل سمجھنے لگے اور قضا و حاجات اور حل مشکلات میں کفیل سمجھنے لگے الغرض ان معبوداتِ باطلہ کو معبود بنا کر جب اسی فاسد اور اعتقادِ باطل کے تحت شروع ہوا کہ یہ رزق رساں ہیں۔ بارشیں دیتے ہیں، بیٹھے عطا کرتے ہیں اور دشمنوں کے خلاف امداد و نصرت دیتے ہیں تو پھر صرف ایک مدبر اور ایک متصرف پر تمام مشرکین کا اتفاق نقل کرنا خود اپنی تردید حضرت شاہ ولی اللہ صاحب علیہ الرحمہ کی تردید، دیگر اکابر اور اعلام امت کی تردید بلکہ خود قرآن مجید کی تردید ہے۔ العیاذ باللہ تعالیٰ۔

تنبیہ: اس امر پر بارہا تنبیہ کر چکا ہوں کہ صرف لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ بغیر محمد رسول اللہ کے نہ جنت کا اہل بنا سکتا ہے اور نہ شفاعت کا اور



نہ ہی جہنم کی ابدی سزا سے بچا سکتا ہے بلکہ تمام تر انعامات اور خیرات و برکات کا حصول اس کی بدولت اسی وقت حاصل ہوگا جب محمد رسول اللہ ساتھ شامل ہوگا ورنہ لا الہ الا اللہ کہنا اور نہ کہنا، ماننا اور نہ ماننا برابر ہے  
 کما قال تعالیٰ :

وَمَا قَدَرُوا اللَّهَ حَقَّ قَدْرِهِ إِذْ قَالُوا مَا أَنْزَلَ اللَّهُ عَلَيَّ  
 بَشِيرًا مِّنْ شَيْءٍ

(سُورَةُ الْأَنْعَامِ آيَةُ ۹۱)

## گلدستہ توحید

الہ کا معنی

الہ کا وہ معنی جس میں مشرکین کو بڑا اختلاف تھا قرآن مجید اور حدیث شریف کی رو سے بیان کیا جاتا ہے جس میں زمانہ سابق و حال کے مشرک اور زمانہ قدیم و حدیث کے جاہل مبتلا تھے اور ہیں اور تکالیف کے وقت غیر اللہ کو الہ سمجھتے تھے اور اب بھی سمجھتے ہیں۔

(تَا) اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے :

أَمَّنْ يُّجِيبُ الْمُضْطَّرِّ إِذَا دَعَاهُ وَيَكْشِفُ السُّوءَ وَ  
 يَجْعَلُكُمْ خُلَفَاءَ الْأَرْضِ لِلَّهِ مَعَ اللَّهِ قَلِيلًا مَّا تَذَكَّرُونَ

(سُورَةُ النَّمْلِ آيَةُ ۶۲)

بھلا کون پہنچاتا ہے بکس کی پکار کو جب اس کو پکارتا ہے اور کون  
 دُور کرتا ہے سختی اور کرتا ہے تم کو نائب اگلوں کا زمین میں، کیا ہے کوئی



اللہ تعالیٰ کے ساتھ تم بہت کم دھیان دیتے ہو۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے صاف طور پر بیان فرمادیا کہ مجھ سے بیکس کی فریاد سننا اور اس کی مدد کرنا اور اس کی تکلیف دُور کرنا اللہ کا کام ہے گویا فریاد رس اور تکلیف کو دُور کرنے والا اللہ ہوتا ہے۔ اور اس کے بغیر کوئی بھی اللہ نہیں ہے۔ (ص ۱۰۲-۱۰۳)

(قول باری تعالیٰ :

إِذَا قِيلَ لَهُمْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ يَسْتَكْبِرُونَ ۝

(سُورَةُ الصَّفَاتِ آيَةُ ۳۵)

کے تحت ذکر کیا)۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ مشرکین خدا تعالیٰ کو خالق اور مالک ماننے کے باوجود صرف خدا کو اللہ تسلیم کرنے سے انکار اور غرور کرتے تھے اور ان کو اس کے ماننے میں دقت پیش آتی تھی۔ (ص ۱۰۱)

قول باری تعالیٰ :

أَجْعَلُ الْإِلَهَةَ إِلَهًا وَاحِدًا ۝

(سُورَةُ ص آيَةُ ۵)

کے تحت کہا)۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ وہی لوگ جو بالیقین خدا تعالیٰ ہی کو اپنا اور زمین و آسمان کا خالق بلکہ مدبر الامرا اور ہر چیز کا اختیار رکھنے والا مانتے تھے ان کو صرف ایک اللہ کے ماننے میں نہ صرف تامل تھا بلکہ تعجب بھی تھا

(صفحہ نمبر ۱۰۰)



حضرت یونس علیہ السلام نے جب مچھلی کے پیٹ میں دُعا کی تو یہ فرمایا کہ:  
لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ سُبْحَانَكَ

(سُورَةُ الْاَنْبِيَاءِ آيَةُ ۸۷)

کوئی الہ نہیں ہے مگر صرف تو۔

مطلب یہ کہ اے اللہ نہ تیرے بغیر کوئی فریاد رس ہے اور نہ تکلیف  
دور کرنے والا نہ کوئی حاجت روا ہے اور نہ مشکل کشا ہے۔ (ص ۱۰۳)

## گلشن توحید رسالت

علامہ سرفراز صاحب کا الہ کے معنی میں مغالطہ دینا  
علامہ سرفراز صاحب نے الہ کا جو معنی بیان کیا ہے اس سے یہ مفہوم  
آپ پر واضح ہو گیا کہ مُشْرک اللہ تعالیٰ کو خالق، مدبّر، ہر چیز کا مختار اور  
اور متصرف مانتے تھے مگر الہ نہیں مانتے تھے تو گویا ان کے نزدیک الہ  
کے معنی و مفہوم میں ایجاد و تخلیق اور تدبیر و تصرف اور کائنات کا اقتدار  
و اختیار مطلق داخل ہی نہیں تھا بلکہ ان کے نزدیک الہ کا معنی و مفہوم صرف  
اور صرف یہ تھا، فریاد رس، امداد کرنے والا، تکلیف دور کرنے والا۔ اس  
کے بغیر کوئی الہ نہیں۔ حالانکہ یہ حصہ و قصر سراسر غلط ہے۔

کلمہ توحید کا صحیح مفہوم اور الہ کا حقیقی معنی

لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ کے مقدّس کلمہ توحید میں اللہ تعالیٰ کی ہر لحاظ سے یکتائی



اور انفرادیت کا بیان ہے۔

## پہلا معنی

۱۔ خواہ وجوب الوجود کے لحاظ سے ہو جیسے کہ مجوسیوں نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ اہرمن کو وجوب الوجود میں شریک کیا یا ایجاد و تخلیق کے لحاظ سے ہو جیسے کہ ثنویہ نے اللہ تعالیٰ کو خالق خیر اور اہرمن و شیطان کو خالق شر قرار دیا ہے اور چونکہ ممکن کی شان سے بعید ہے کہ وہ کسی کو وجود عطا کرے تو گویا ثنویہ کے تمیزوں فرقے وجوب الوجود میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ اہرمن کی شرکت کے قائل ٹھہرے اور غیر اللہ کو واجب الوجود ماننے کی ضرورت اس لیے پیش آئی کہ ان کے نزدیک خیر محض کا خالق ہو تو اس خالق کا بیک وقت خیر اور شریر ہونا لازم آتا ہے اور یہ باطل ہے لہذا وہ خالق تسلیم کرنے ضروری ٹھہرے تو اس طرح ان تمام فرقوں کا غیر اللہ میں وجوب الوجود اور خالقیت تسلیم کرنا لازمی اور ضروری ٹھہرا اور اللہ تعالیٰ نے خلق و ایجاد میں اپنا تفرد و اختصاص بیان فرما کر ایسے مشرکین کا رد فرمایا۔

۱۔ قال اللہ تعالیٰ :

أَلَيْسَ كُنَّ مَالًا يَخْلَقُ شَيْئًا وَهُمْ يُخْلِقُونَ ۝

(سورة الاعراف آیت ۱۹۱)

کیا وہ انہیں شریک ٹھہراتے ہیں جو کوئی شے پیدا نہیں کرتے اور وہ خود پیدا کیے جاتے ہیں۔



۲- وَالَّذِينَ يَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ لَا يَخْلُقُونَ شَيْئًا وَ

هُمْ يُخْلَقُونَ ۝ (سورہ نحل آیت ۲۰)

جنہں اللہ کے علاوہ پکارتے ہیں وہ کوئی شے پیدا نہیں کرتے اور وہ خود پیدا کیے جاتے ہیں۔

۳- ذَلِكُمُ اللَّهُ رَبُّكُمْ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ فَاعْبُدُوهُ ۝

(سورہ انعام آیت ۱۰۲)

وہ عظیم الشان اللہ تمہارا پروردگار ہے نہیں الہ مگر وہی ہر شے کا خالق ہے پس اس کی عبادت کرو۔

۴- قُلِ اللَّهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ وَهُوَ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ۝

(سورہ رعد آیت ۱۶)

فرما دیجئے اللہ ہی ہر شے کا خالق ہے اور وہی یکتا غالب ہے۔

۵- اجْعَلْ لِّلْهِةِ الْهَاءِ وَاٰجِدُ اَنَّ هٰذَا الشَّيْءُ عَجَابٌ ۝

(سورہ ص آیت ۵)

کیا متعدد الہ کی بجائے ایک الہ بنا دیا یہ تو بہت تعجب کی بات ہے۔

۶- لَوْ كَانَ فِيهِمَا آلِهَةٌ إِلَّا اللَّهُ لَفَسَدَتَا ۝

(سورہ الانبياء آیت ۲۲)

اگر زمین و آسمان میں اللہ کے علاوہ الہ ہوتے تو یہ تباہ و برباد

ہو جاتے۔

ان آیات مبارکہ اور اس مضمون کی بیسیوں آیات مقدسہ سے روایت



مبعضی خالقیت کا اللہ تعالیٰ میں انحصار واضح طور پر ثابت ہے اور واحد قہار  
 فرما کر دوسرے کسی الہ میں مزاحمت کی ہمت و سکت کی نفی فرمائی ہے اور  
 ساتھ ہی دوسروں سے وجوب الوجود کی بھی نفی ہو گئی کیونکہ جو واجب الوجود  
 ہو وہ مغلوب و مقہور نہیں ہو سکتا۔ اسی طرح وَالَّذِينَ يَدْعُونَ مِن دُونِهِ  
 خالقیت کی نفی کرنا اور مخلوق ہونے کا اثبات بھی اس امر کی بین برہان کہ  
 اس مخصوص دُعا و پکار کے لائق بھی وہی الہ ہے جو خالق ہے نہ کہ جو خود مخلوق  
 ہے اور صنایع و خالق کی طرف اپنے وجود میں محتاج ہے۔

۷۔ قال اللہ تعالیٰ :

مَا اتَّخَذَ اللَّهُ مِنْ وَلَدٍ وَمَا كَانَ مَعَهُ مِنْ إِلَهٍ إِذَا أَذَّاهَبَ  
 كُلُّ إِلَهٍ بِمَا خَلَقَ وَلَعَلَّ بَعْضُهُمْ عَلَى بَعْضٍ ط

(سورہ مومنون آیت ۹۱)

اللہ تعالیٰ نے کوئی بیٹا نہیں بنایا اور نہ اس کے ساتھ کوئی الہ ہی ہے  
 ورنہ لے جاتا ہر الہ اپنی پیدا کردہ اشیا کو اور البتہ بعض ان میں بعض پر  
 غلبہ پاتے۔ اس آیت مبارکہ میں الوہیت کے لیے خالقیت کو خاصہ لازمہ قرار  
 دیا ہے اور تعدد الہ کی صورت میں باہمی اختلاف فی التصرف اور ایک دوسرے  
 پر غلبہ کی کوشش میں فساد اور تباہی و بربادی کے طاری ہونے کی تصریح فرمائی  
 گئی ہے۔

لہذا خالقیت کے بغیر الہ کا تصور نہیں ہو سکتا اور خالقیت بغیر وجوب الوجود  
 کے متصور نہیں ہو سکتی تو ان آیات کریمہ میں لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ کی اس جہت کو



اُجاگر کیا گیا اور اس کلمہ توحید میں جو یکتائی بیان کی گئی اس کو مدلل اور مبرہن طور پر بیان کیا گیا۔

## دوسرا معنی

۲- نیز لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ میں تدبیر و تصرف اور اقتدار و اختیار کے لحاظ سے اللہ تعالیٰ کی یکتائی کا بیان ہے اور متعدد آیات کریمہ سے کلمہ توحید کی اس جہت کو اُجاگر کیا گیا ہے۔

۱- ارشادِ باری تعالیٰ ہے :

أَمْ مَنْ خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ وَأَنْزَلَ لَكُمْ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً  
فَأَنْبَتْنَا بِهِ حَدَائِقَ ذَاتَ بَهْجَةٍ مَا كَانَ لَكُمْ  
أَنْ تُشْبِتُوا شَجَرَهَا ۗ إِنَّ اللَّهَ مَعَ الظَّالِمِينَ (سورہ نمل آیت ۶۰)

بھلا کس نے پیدا کیا آسمانوں کو اور زمینوں کو اور نازل کیا تمہارے لیے آسمان سے پانی پھر اگائے ہم نے اس سے باغ رونق والے۔ تمہارا کام نہ تھا کہ اگاتے ان کے درخت۔ اب کوئی اور حاکم ہے اللہ کے ساتھ

بل ہم قوم یعدلون

کوئی نہیں بلکہ وہ لوگ راہِ راست سے مڑتے ہیں۔

۲- أَمْ مَنْ جَعَلَ لَآرْضٍ قَرَارًا وَجَعَلَ خِلَالَهَا أَنْهَارًا

وَجَعَلَ لَهَا رَوَاسِي وَجَعَلَ بَيْنَ الْبَحْرَيْنِ حَاجِزًا

إِنَّ اللَّهَ مَعَ الَّذِينَ يَدْعُونَ إِلَى الْبِرِّ ۗ (سورہ نمل آیت ۶۱)



بھلا کس نے بنایا زمین کو ٹھہرنے کے لائق اور بنائیں اسکے بیچ ندیاں اور رکھے اس کے ٹھہرانے کو بوجھ اور رکھا دو دریا میں پر وہ۔ اب کوئی اور حاکم ہے اللہ تعالیٰ کے ساتھ۔ کوئی نہیں بہتوں کو ان میں سے سمجھ نہیں

۳۔ اَمَّنْ يُجِيبُ الْمُضْطَرَّ إِذَا دَعَاهُ وَيَكْشِفُ السُّوءَ

وَيَجْعَلُكُمْ خُلَفَاءَ الْأَرْضِ ۗ إِنَّ اللَّهَ مَعَ الَّذِينَ هُمُ الْمُتَّقُونَ

مَا تَذَكَّرُونَ ۝ (سورة النمل آیت ۶۲)

بھلا کون پہنچاتا ہے بکس کی پکار کو جب اس کو پکارتا ہے اور دور کرتا ہے سختی اور کرتا ہے تم کو نائب اگلوں کا۔ اب کوئی حاکم ہے اللہ تعالیٰ کے ساتھ۔ تم بہت کم دھیان کرتے ہو۔

۴۔ اَمَّنْ يَهْدِيكُمْ فِي ظُلُمَاتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَمَنْ يُرْسِلُ

الرِّيحَ بُشْرًا بَيْنَ يَدَيْ رَحْمَتِهِ ۗ إِنَّ اللَّهَ مَعَ الَّذِينَ هُمُ الْمُتَّقُونَ

تَقَى اللَّهَ عَمَّا يُشْرِكُونَ ۝ (سورة النمل آیت ۶۳)

بھلا کون راہ بتاتا ہے تمہیں اندھیروں میں جنگل کے اور دریا کے اور کون چلاتا ہے ہوائیں خوشخبری لانے والیاں اس کی رحمت سے پہلے۔ اب کوئی حاکم ہے اللہ تعالیٰ کے ساتھ۔ اللہ بہت اُوپر ہے اس سے جس کو شریک بتلاتے ہیں۔

۵۔ اَمَّنْ يَبْدَأُ الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيدُهُ وَمَنْ يَرْزُقُكُمْ مِمَّنْ

السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ ۗ إِنَّ اللَّهَ قَلِيلٌ يُدْرِكُكُمْ

إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ۝ (سورة النمل آیت ۶۴)



بھلا کون سرے سے بناتا ہے پھر اس کو دہراتے گا اور کون روزی دیتا ہے تم کو آسمان سے اور زمین سے۔ اب کوئی حاکم ہے اللہ تعالیٰ کے ساتھ تو کہہ لاؤ اپنی سند اگر تم سچے ہو۔

علامہ شبیر احمد عثمانی فرماتے ہیں :

جب اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی ہستی نہیں جو خلق و تدبیر کر سکے یا کسی چیز کا مستقل اختیار رکھے تو اس کی الوہیت اور معبودیت میں وہ کس طرح شریک ہو جائے گی۔ عبادت انتہائی تذلل کا نام ہے سو وہ اس کی ہونی چاہیے جو انتہائی درجہ میں کامل اور با اختیار ہو کسی ناقص یا عاجز مخلوق کو معبودیت میں خالق کے برابر کر دینا انتہائی ظلم اور ہٹ دھرمی ہے

**اقول :** الہ مع اللہ میں ہمزہ استفہام انکاری کا ہے یعنی اللہ تعالیٰ کے ساتھ کوئی الہ نہیں تو یہ جملہ گویا لا الہ الا اللہ کے معنی کو ہی ادا کرتا ہے اور اس میں اللہ تعالیٰ کے لیے اقتدار و اختیار اور تصرف و تسلط کا اختصاں اور غیروں سے اس کی نفی ثابت ہو گئی۔

۶۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے :

قُلْ لَوْ كَانَ مَعَهُ آلِهَةٌ كَمَا يَقُولُونَ إِذًا لَّابْتِغَوْا إِلَىٰ

ذِي الْعَرْشِ سَبِيلًا ۝ سُبْحٰنَهُ وَتَعَالٰی عَمَّا

يَقُولُونَ عَلُوًّا كَبِيرًا ۝ (سورہ بنی اسرائیل آیت ۴۲)

تو کہہ اگر ہوتے ساتھ اس کے اور حاکم جیسا یہ بتلاتے ہیں تو نکالتے صاحبِ عرش کی طرف راہ۔ وہ پاک اور برتر ہے ان کی باتوں سے بے نہایت۔



علامہ عثمانی فرماتے ہیں :

یعنی پرایا محکوم رہنا کیونکر پسند کرتے۔ سب مل کر خدا تعالیٰ کے تختِ سلطنت کو الٹ دیتے۔ اس سے بھی واضح ہو گیا کہ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ میں حکومت و سلطنت اقتدار و اختیار کا حصر اللہ تعالیٰ کی ذات میں کرنا مقصود ہے اور باقی معنی غیر سے الوہیت کی نفی مطلوب ہے۔

۷۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے :

ذَلِكُمُ اللَّهُ رَبُّكُمْ لَهُ الْمُلْكُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ فَأَنَّى تُصَوِّفُونَ ۝

(سورہ زمر آیت ۶)

وہ عظیم المرتبت اللہ پروردگار ہے تمہارا اسی کے لیے ہے ملک نہیں الہ مگر وہی اللہ پس کس طرف پھیرے جاتے ہو۔

۸۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے :

اللَّهُ الَّذِي خَلَقَكُمْ ثُمَّ رَزَقَكُمْ ثُمَّ يُمِيتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيكُمْ هَلْ مِنْ شُرَكَائِكُمْ مَن يَفْعَلُ مِنْ ذَلِكَ مَن شَيْءٌ سُبْحٰنَهُ وَتَعَالٰی عَمَّا يُشْرِكُونَ ۝

(سورہ الروم آیت ۴۰)

اللہ تعالیٰ وہی ہے جس نے تم کو بنایا پھر روزی دی پھر تمہیں مارتا ہے پھر تمہیں زندہ کرے گا کیا تمہارے فرضی شرکار میں سے کوئی ہے جو ان کاموں میں سے کچھ کام بھی کرے۔ پاک ہے وہ اور بلند تر اس سے جو وہ شریک ٹھہراتے ہیں یعنی مارنا، جلانا، روزی دینا سب کام تو تنہا اس کے قبضے میں ہوتے پھر



دوسرے شریک کدھر سے آکر الوہیت کے مستحق بن گئے۔  
 الغرض اس مضمون کی بیسیوں آیات سے یہ حقیقت واضح کی گئی ہے کہ جملہ  
 امور میں تصرف اور اقتدار و اختیار اسی میں منحصر ہے۔

## تیسرا معنی

۳۔ نیز باری تعالیٰ میں الوہیت یعنی صفات کمال بھی منحصر ہے تو اس تقدیر  
 پر لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ کا معنی ہوا کہ صفات کمال کا موصوف حقیقی صرف وہی ہے،  
 دوسرا کوئی ان سے بذات خود متقف نہیں ہے اور ان میں سے جو صفت  
 جہاں بھی ہے محض عطا الہی سے ہے ورنہ بقا صناعے ذات اور بغیر  
 عطائے معطی کے صرف اور صرف اسی میں منحصر ہیں اور وہ صفات حقیقیہ ہیں  
 حیات، علم، سمع، بصر، ارادہ، قدرت، کلام اور تکوین و تخلیق۔

قال تعالیٰ :

اللَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّومُ ۝ (سورة بقرہ آیت ۲۵۵)

هُوَ اللَّهُ الَّذِي لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ عِلْمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ ۝

هُوَ الرَّحْمَنُ الرَّحِيمُ ۝ (سورة الحشر آیت ۲۲)

قال تعالیٰ :

هُوَ الْحَيُّ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ فَادْعُوهُ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ ۝

(سورة المؤمن آیت ۶۵)

ذَلِكُمْ اللَّهُ رَبُّكُمْ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ فَاَن تَوَفُّوْا

(سورة آیت ۶۲)



قال تعالیٰ :

وَالَّذِينَ يَدْعُونَ مِنْ دُونِهِ لَا يَقْضُونَ بِشَيْءٍ اِنَّ اللَّهَ  
هُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ

قال تعالیٰ :

فَاللَّهُ هُوَ الْوَلِيُّ وَهُوَ يُحْيِي الْمَوْتَىٰ وَهُوَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ۝

(سورہ شوریٰ آیت ۹)

قال تعالیٰ :

اِنَّ رَبَّكَ فَعَّالٌ لِّمَا يَرِيْدُ ۝ (سورہ ہود آیت ۱۰۷)

الی غیر ذلک من الایات سے واضح ہے کہ ان اہمات الصفات اور  
کمالات میں بھی ذات باری تعالیٰ منفرد و ممتاز ہے۔ لہذا لا اِلهَ اِلَّا اللهُ کا  
معنی یہ ہوگا کہ صفات کمال کے ساتھ کوئی حقیقتہ متصف و موصوف نہیں،  
مگر اللہ تبارک و تعالیٰ۔

## چوتھا معنی

۴۔ علاوہ ازیں عبادت غایتہ تذلل اور انتہائی خضوع و خشوع کا نام ہے  
اور وہ اسی کے لیے جائز ہے اور اسی کا حق ہے جو غایت درجہ کمال میں ہو  
اور ایجاد و تخلیق، تربیت و تزیین، احیاء و امانت اور حشر و نشر اور ضرر و نقصان  
اور فائدہ و فیضان اسی کے ہاتھ میں ہو اور وہ بھی صرف اور صرف اللہ تعالیٰ  
کی ذات ہے تو عبادت بھی اسی میں منحصر ہوگی اس تقدیر پر لا اِلهَ اِلَّا اللهُ کا



معنی ہوگا نہیں کوئی عبادت کے لائق مگر اللہ۔ اور کُتِبَ لغت میں الوہیت  
 بمعنی عبادت اور اللہ بمعنی معبود مرقوم ہے تو عبادتِ بدنیہ و مالیہ اور قلبیہ و قلبیہ کا اسی ذات میں  
 حصر اور قصر ضروری ہوا۔

## پانچواں معنی

۵۔ مزید برآں ہر چیز میں اصل اس کا وجود ہے اور دیگر تمام کمالات اس  
 پر مرتب اور متفرع ہیں اور باری تعالیٰ اپنے آپ موجود اور دوسری ہر چیز  
 اس کی ایجاد و تخلیق سے موجود۔ ان کا وجود امکانی اور باری تعالیٰ کا وجود  
 واجب اور مقتضائے ذات اور امکانی وجود، واجب وجود کے مقابل  
 کا لعدم ہے تو اس تقدیر پر لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ کا معنی ہوگا نہیں کوئی موجود حقیقی  
 اور متصف بالوجود حقیقی مگر اللہ تعالیٰ اور قرآن مجید اس معنی پر بھی شاہد  
 ہے۔ قال اللہ تعالیٰ :

كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ إِلَّا وَجْهَهُ ط (سورہ لقصص آیت ۸۸)

ہر چیز ہلاکت پذیر ہے مگر ذاتِ باری تعالیٰ۔

یہاں پر اسم فاعل کو زمانہ حال میں لو تو ابھی ہلاکت و نیستی ثابت ہوئی،  
 اور یہی معنی حقیقت ہے اور زمانہ مستقبل کا ارادہ مجاز ہے اور حقیقت کا  
 ارادہ ممکن ہو تو مجاز کی طرف عدول کی ضرورت نہیں ہوتی اور امکانی وجود  
 چونکہ واجب وجود کے مقابل کا لعدم ہے تو حال والا معنی بالکل درست ہوا  
 اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا :



هُوَ الْأَوَّلُ وَالْآخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ۝

(سورۃ الحديد آیت ۳)

اول صرف وہی ہے اور آخر بھی صرف وہی ہے اور ظاہر بھی صرف وہی ہے اور باطن بھی صرف وہی ہے اور وہی ہر شے کا علم کامل دائم رکھنے والا ہے۔

وجود و تحقق اور ثبوت و قیام کی چاروں قسموں کو اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات میں منحصر کر کے اور ماسوا سے ان کی نفی کر کے واضح فرمادیا کہ وجود بھی حقیقت میں صرف میرا ہے اور کوئی شے حقیقت میں موجود ہی نہیں ہے۔

اسی لیے عارف جامی علیہ الرحمہ نے فرمایا : ۷

بے نشان است کز و نام و نشاں چیرے نیست

بخدا غیر خدا در دو جہاں چیرے نیست

اور حضرت سعدی شیرازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں : ۷

رہ عقل جز بیچ بر بیچ نیست

بر عارفاں جز خدا ہیچ نیست

جب یہ سوال ہوا کہ پہاڑ، جنگلات، سمندر، زمینیں اور آسمان اور یہ

اجرام نیرات اور انسان اور دیو، پری اور ملائک کیا ہیں تو فرمایا : ۷

ہمہ ہرچہ استند ازاں کمتر اند

کہ باہستیش نام ہستی بر بند

یعنی ان میں سے کوئی شے اپنی اپنی جگہ جتنی عظیم الجثہ اور قوی الاثر اور



اور محسوس و مبصر اشیاء میں سے ہے مگر اللہ تعالیٰ کی ہستی اور وجود مطلق کے سامنے اپنی ہستی اور وجود و تحقق کا دم نہیں مار سکتی اور جملہ عرفاء اور اہل اللہ کا اتفاق اسی پر ہے خواہ وحدت الوجود کے قائلین ہوں یا وحدت الشہود کے معترفین ہوں وہ سبھی باری تعالیٰ کی ہستی اور وجود و تحقق کے مقابل دوسری ہر چیز بمنزلہ معدوم کے سمجھتے ہیں وحدۃ الوجودی حقیقت میں اور وحدۃ الشہودی دیکھنے اور مشاہدہ کرنے میں جیسے کہ حضرت سعدیؒ ہی فرماتے ہیں : ۷

چوں سلطان عزت علم برکش

جہاں سر بجیب عدم درکش

جب وجود حقیقی کا آفتاب طلوع ہوتا ہے تو موجودات کے نجوم وجود پرودہ عدم میں روپوش ہو جاتے ہیں۔

الحاصل ہمارے نزدیک الہ کے یہ معانی ہیں اور یہ سبھی اللہ تعالیٰ میں منحصر ہیں۔ لا الہ الا اللہ نہیں موثر و متصرف اور خالق و موجد مگر اللہ۔ لا الہ الا اللہ نہیں صفات کمال اور اوصاف جمال کا متصف حقیقی مگر اللہ۔ لا الہ الا اللہ نہیں مخلوق کی جبین نیاز کا حقدار اور سجود تذل و انکسار کا مستحق مگر اللہ۔ لا الہ الا اللہ نہیں موجود حقیقی مگر اللہ تعالیٰ۔ لیکن ان تمام معانی میں عطائی کمالات کی نفی ہرگز نہیں ہوتی جیسے کہ عطائی وجود کی نفی نہیں ہوتی بلکہ الہ حقیقی میں ان کمالات کا تحقق بتقاضائے ذات ہوگا اور دوسروں میں اسکی عطا اور وجود و نوال سے۔ فالحمد لله على ذلك۔

امید ہے کہ ناظرین وقارئین خود ہی انصاف کریں گے اور بلا اعتراف  
لہ رحمة اللہ۔



کریں گے کہ اللہ کا صحیح معنی اور اللہ تعالیٰ کی شان رفیع کے لائق اور جملہ نصوص کتاب کے مطابق اور موافق صرف اور صرف وہی معنی ہے جو ہم نے عرض کیا ہے نہ وہ محدود و مقید مفہوم جو علامہ سرفراز صاحب نے ذکر کیا ہے۔

## گلدستہ توحید

حضرات! قرآن کریم کی چند آیات تمہارے سامنے پیش کی جاتی ہیں کہ مشرکین غیر اللہ کو فریادرس اور تکلیف دہ کرنے والا سمجھ کر پکارتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ایک طرف مشرکین کی (دعا پدعو کے الفاظ کو سامنے رکھ کر) تردید فرمائی ہے کہ جن کو تم پکارتے ہو وہ نہ نفع کے مالک ہیں نہ ضرر کے اور نہ ہی ان کو تمہاری تکلیفوں اور مصیبتوں کی خبر ہے اور دوسری طرف اللہ تعالیٰ نے اپنے آخری پیغمبر حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مومنین کو یہ حکم ارشاد فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نیچے کسی کو نہ پکارو۔ (تا) ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے مشرکین کا شرک یہ بتلایا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے نیچے مخلوق کو حاجت روا اور مشکل کشا سمجھ کر پکارتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ غیر اللہ تکوینی امور میں یعنی تکلیف سے نجات دینے اور مہربانی کرنے میں ایک ذرہ کے مالک نہیں ہیں اور جو لوگ اللہ تعالیٰ کے درے دوسری مخلوق کو مشکل کشا جان کر پکارتے ہیں وہ تو ان کی بات سُن بھی نہیں سکتے اور نہ ان کو اس کی خبر ہے۔ قیامت تک پکارو وہ کچھ نہیں کر سکتے اور اگر بالفرض وہ تمہاری تکلیف کو سُن بھی لیں تو تمہاری مدد کو نہیں پہنچ سکتے اور



تمہارے اس شرک (پکارنے کا) قیامت کو صاف انکار کر دیں گے اور یہ ساری باتیں بتلانے والا اللہ ہے جس سے کوئی چیز چھپی نہیں اور آخری آیت

وَيَوْمَ الْقِيَامَةِ يَكْفُرُونَ بَشِرِكِكُمْ ط (سُورَةُ فَاطِرٍ آيَةُ ۱۴)

میں اس قسم کے پکارنے پر شرک کا لفظ بولا گیا ہے بلکہ ایک دوسری جگہ ارشاد ہوتا ہے :

ذَلِكُمْ بِأَنَّهُ إِذَا دُعِيَ اللَّهُ وَحْدَهُ كَفَرْتُمْ ۖ وَإِنْ يُشْرَكَ بِهِ تُؤْمِنُونَ ۗ فَالْحُكْمُ لِلَّهِ الْعَلِيِّ الْكَبِيرِ ۝

(سُورَةُ مَرْيَمَ آيَةُ ۱۲)

یعنی یہ عذاب تم پر اس واسطے ہے کہ جب کسی نے پکارا اللہ تعالیٰ کو اکیلا تو تم منکر ہوئے اور جب اس کے ساتھ پکارتے شریک کو تو تم یقین لانے لگتے، اب حکم وہی جو کرے اللہ سب سے اوپر بڑا۔

اس آیت میں بھی اکیلے خدا تعالیٰ کے علاوہ کسی کو نافع اور ضار سمجھ کر پکارنا شرک قرار دیا گیا ہے۔ اور ان تمام آیات میں دعایہ کے مصیغے استعمال کیے گئے ہیں کہ مشرکین سلسلہ اسباب و مسببات سے بالاتر ہو کر غیر اللہ کو مصیبت میں پکارتے تھے اور یہی ان کا شرک تھا۔ (مخص ۱۰۳ تا ۱۰۶)

## گلشنِ توحید و رسالت

مخص غیر اللہ کی نداء و پکار شرک نہیں ہے!  
علامہ صاحب موصوف کی ذکر کردہ آیات کریمہ کی تفسیر اور ان کے



حقیقی معانی و مطالب تو بعد میں اکابرین کی زبانی عرض کیے جائیں گے اور دیگر نصوص کتاب و سنت کی روشنی میں ان کے مطالب کا تعین کیا جائے گا یہاں پر صرف اتنا عرض کرنا ہے کہ علامہ صاحب کے نزدیک شرک کا انحصار صرف دعائے عوی یعنی غیر اللہ کو پکارنے میں ہو گیا ہے کہ وہ غیر اللہ کو فریاد رس سمجھ کر اور تکلیفیں دور کرنے والے سمجھ کر پکارتے تھے بس یہی ان کا شرک تھا۔

## حقیقتِ شرک اہل السنّت کے نزدیک

حالانکہ قبل ازیں شرک کے انواع و اقسام کا اجمالی تذکرہ ہو چکا اور ہر قسم کے شرک کے قائلین کا بھی تو یہ حصہ و قصر سراسر دھاندلی اور سینہ زوری ہے اور نداء و پکار نہ بھی پائی جائے بلکہ نظریاتی طور پر کسی کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ وجوب الوجود، یا خلق و ایجاد اور تدبیر و تصرف میں حصہ دار مان لیا جائے یا اللہ تعالیٰ کی طرح بذاتِ خود صفات کمال اور اوصاف جمال سے موصوف و متصف سمجھ لیا جائے یا کسی غیر کو اپنی انتہائی عاجزی و انکساری اور تواضع و تذلل اور نیاز کا حقدار سمجھ لیا جائے پھر بھی شرک ثابت ہو جائے گا۔ شرک صرف ایک عمل اور فعل میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ حصہ داری کا نام نہیں بلکہ عقیدہ و نظریہ کے لحاظ سے بھی شرک ثابت ہوتا ہے اور افعال و اعمال میں سے صرف ایک فعل یعنی دعائے عوی اور نداء و پکار سے ہی نہیں بلکہ دیگر افعال سے بھی سرزد ہوتا ہے لہذا یہ تحدید اور تفسیر سراسر دھاندلی ہے اور حکم و سینہ زوری اللہ تعالیٰ کے ساتھ بطور نظریہ و عقیدہ یا بطور سجد و نیاز کے یا بطور مالی صدقہ و



عبادت کے حصّہ داری ثابت کرنا شرک ہے اور کسی طرح قابلِ اباحت اور لائقِ جواز نہیں ہے۔ کیا علامہ صاحب ایسے لوگوں کو مشرک نہیں سمجھیں گے جو غیر اللہ کو پکاریں نہیں نہ قریب سے نہ دُور سے لیکن اس کو واجب الوجود سمجھتے رہیں۔ اور تدبیر و تصرف میں اللہ تعالیٰ کا معاون و مددگار سمجھتے رہیں اور اکیلے اللہ تعالیٰ کو نظم و نسق چلانے میں عاجز و قاصر سمجھتے رہیں؟ لہذا یہاں پر سراسر تحکم و سینہ زوری کا مظاہرہ کیا گیا ہے۔

## گلدستہ توحید

علامہ صاحب کی پیش کردہ آیات اور ان کے وجوہ استدلال

۱- اِنَّ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَنْ يَخْلُقُوْا ذُبَابًا  
وَلَوْ اجْتَمَعُوْا لَهٗ ط (سورہ حج آیت ۷۳)

بیشک وہ لوگ جن کو تم پکارتے ہو اللہ تعالیٰ کے ورے وہ ہرگز مکھی نہیں بنا سکیں گے۔ اگرچہ سارے جمع ہو جائیں۔

وَ اِنْ يَسْئَلِبْهُمْ الذُّبَابُ شَيْئًا لَا يَسْتَفِيْدُوْهُ مِنْهُ ط  
ضَعْفُ الظَّالِمِ وَالْمُطْلُوْبِ ۝ مَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ  
قَدْرِهِ ط اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِيٌّ عَزِيْزٌ ۝ (سورہ حج آیت ۷۲-۷۳)

اور اگر کچھ چھین لے ان سے مکھی تو چھڑا نہ سکیں وہ اس سے۔ بودا

ہے چاہنے والا، اور جن کو چاہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی قدر نہیں سمجھے جیسی اس کی قدر ہے۔ بیشک اللہ تعالیٰ زور آور ہے زبردست۔



**نوٹ :** اس جگہ علامہ صاحب نے تدعون کا ترجمہ پکارتے ہو کیا ہے حالانکہ وہ آیات کا ترجمہ محمود احسن صاحب سے نقل کرتے ہیں مگر انہوں نے یہاں پر پکارتے کی بجائے پوجتے ہو ذکر کیا ہے۔ اس سے ترجمہ میں علامہ صاحب کی دھاندلی اور سینہ زوری ظاہر ہو جاتی ہے کہ خلاف مقصود ہو تو اکابر کا ترجمہ بھی بدل دیتے ہیں اور مرضی کا ترجمہ کر دیتے ہیں۔

۲۔ قُلِ ادْعُوا الَّذِينَ زَعَمْتُمْ مِنْ دُونِ اللَّهِ لَا يَمْلِكُونَ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ فِي السَّمَوَاتِ وَلَا فِي الْأَرْضِ وَمَا لَهُمْ فِيهِمَا مِنْ شِرْكٍَ وَمَا لَهُ مِنْهُمْ مِنْ ظَهِيرٍ (سورہ سبأ آیت ۲۲)

تو کہہ ان کو پکارو ان کو جن کو گمان کرتے ہو سوائے اللہ کے وہ مالک نہیں ذرہ بھر آسمانوں میں اور نہ زمین میں اور نہ ان کی ان دونوں میں کوئی شرکت ہے اور نہ ان میں کوئی اس کا مددگار ہے۔

۳۔ قُلْ اَفَرَأَيْتُمْ مَا تَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ اِنْ ارَادَنِي اللَّهُ بِضُرٍّ هَلْ هُنَّ كَاشِفَاتُ ضُرِّيْهِ اَوْ ارَادَنِي بِرَحْمَةٍ هَلْ هُنَّ مُمْسِكَتُ رَحْمَتِيْهِ ۗ قُلْ حَسْبِيَ اللَّهُ عَلَيْهِ يَتَوَكَّلُ الْمُتَوَكِّلُونَ (سورہ زمر آیت ۳۸)

آپ کہہ دیجیے بھلا دیکھو تو جن کو پکارتے ہو تم اللہ تعالیٰ کے نیچے اگر چاہے اللہ تعالیٰ مجھ پر کچھ تکلیف تو وہ ایسے ہیں کہ کھول دیں تکلیف اس کی ڈالی ہوئی یا اگر وہ چاہے مجھ پر مہربانی تو وہ ایسے ہیں کہ روک دیں اس کی مہربانی کو۔ تو کہہ مجھ کو تو اللہ کافی ہے۔ اس پر بھروسہ رکھتے ہیں بھروسہ



رکھنے والے۔

۴۔ قُلْ أَرَأَيْتُمْ مَتَى تَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ أَرُونِي مَاذَا خَلَقُوا  
مِنَ الْأَرْضِ أَمْ لَهُمْ شِرْكٌ فِي السَّمَاوَاتِ آيَتُونِي  
بِكِتَابٍ مِّنْ قَبْلِ هَذَا أَوْ آثَرَةٍ مِّنْ عِلْمٍ إِن كُنْتُمْ صَادِقِينَ  
وَمَنْ أَضَلُّ مِمَّن يَدْعُوا مِنْ دُونِ اللَّهِ مَنْ لَا يَسْتَجِيبُ  
لَهُ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ وَهُمْ عَن دُعَائِهِمْ غَفْلُونَ ۝

(سورہ احقاف آیت ۴)

تو کہہ مہلا دیکھو جن کو تم پکارتے ہو اللہ تعالیٰ کے نیچے۔ دکھاؤ تو مجھے  
انہوں نے کیا بنایا زمین میں۔ یا ان کی شراکت ہے آسمانوں میں۔ لاؤ میرے  
پاس کوئی کتاب اس سے پہلے کی یا کوئی عقلی دلیل اور علم جو چلا آتا ہو۔ اگر ہو  
تم سچے۔ اور اس سے زیادہ گمراہ کون ہے جو پکارے اللہ تعالیٰ کے نیچے  
ایسے کو کہ نہ پہنچے اس کی پکار کو قیامت تک اور ان کو خبر نہیں ان کے  
پکارنے کی۔

۵۔ وَالَّذِينَ تَدْعُونَ مِنْ دُونِهِ مَا يَمْلِكُونَ مِنْ

قِطْمِيرٍ إِنْ تَدْعُوهُمْ لَا يَسْمَعُوا دُعَاءَكُمْ

وَلَوْ سَمِعُوا مَا اسْتَجَابُوا لَكُمْ وَيَوْمَ الْقِيَامَةِ يَكْفُرُونَ

بِشِرْكِكُمْ وَلَا يُنَبِّئُكَ مِثْلُ خَبِيرٍ ۝ (سورہ فاطر آیت ۱۳-۱۴)

اور وہ لوگ جن کو تم پکارتے ہو اللہ تعالیٰ کے ورے وہ مالک نہیں  
کھجور کی گٹھلی کے چھلکے کے۔ اگر تم ان کو پکارو تو سنیں نہیں تمہاری پکار اور



اگر سنیں بھی تو پہنچ نہ سکیں تمہارے کام پر اور قیامت کے دن منکر ہوں گے تمہارے شرک سے اور کوئی نہ بتلائے گا تجھ کو مثل بتلانے خبر رکھنے والے (خدا تعالیٰ) کے۔

ان تمام آیات میں یہ دعوے صیغے استعمال کیے گئے ہیں کہ مشرکین سلسلہ اسباب و مسببات سے بالاتر ہو کر غیر اللہ کو مصیبت میں پکارتے تھے اور یہی ان کا شرک تھا۔ (ص ۱۰۴ تا ۱۰۶)

یہ یاد رہے کہ نزاع لفظ الداعی اور المدعو میں نہیں ہے، اور نہ ماتحت الاسباب پکارتے ہیں ہے جیسا کہ بعض نرسے جاہلوں کو شبہ ہوا ہے بلکہ نزاع یہ دعویٰ من دون اللہ اور فلا تدعوا مع اللہ وغیرہ کے خاص مقامات میں ہے اور مافوق الاسباب دعا یہ دعویٰ میں ہے خوب سمجھ لو۔

(صفحہ نمبر ۱۱۰)

یہ یاد رہے کہ پیاس کے وقت نوکر کو پانی کے لیے پکارنا، بیماری میں علاج کے لیے حکیم اور ڈاکٹر کو بلانا (تا) نہ شرک ہے اور نہ اس سے ڈاکٹر اور حکیم وغیرہ کا الہ بنانا لازم آتا ہے کیونکہ یہ سب کچھ سلسلہ اسباب کے تحت ہے نہ کہ سلسلہ اسباب سے مافوق بخلاف اس کے جو مچھوک اور پیاں میں، دکھ درد یا بیماری میں کسی پیغمبر، ولی، شہید اور بزرگ کو پکارتا ہے جو سینکڑوں اور ہزاروں میل دور اپنی قبور میں آرام فرما رہے ہیں تو اس پکارتے کے یہ معنی ہیں کہ وہ ان کو حاضر و ناظر اور عالم الغیب سمجھتا ہے۔ اور اس کو اس معنی میں متصرف فی الامور مانا ہے کہ یہ مشکل کشائی، حاجت روائی



پناہ دہنہنگی، امداد و اعانت اور خبرگیری و حفاظت میں مافوق الطبعی طور پر اسباب کو حرکت میں لاسکتے ہیں اور یہی اصل شرک ہے۔ (ص ۱۱۲)

## گلشن توحید و رسالت

علامہ سرفراز صاحب کی اصول و قواعد کی پامالی

علامہ سرفراز نے غیر اللہ کی دُعا اور پکار کو شرک قرار دیتے ہوئے بطور استدلال پانچ آیات ذکر کیں جن میں دُعا یا دعو کے صیغے استعمال کیے گئے تھے اور ان کا مدعا یہ ہے کہ ہم اہل السنّت کا یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) یا شیخ عبدالقادر جیلانی (رحمۃ اللہ علیہ) وغیرہ کہنا سراسر شرک ہے کہ یہاں بھی دُعا اور ندا پائی گئی ہے اور استمداد و استعانت مقصود ہے اور غیر اللہ کو استعانت اور استمداد کے لیے پکارنا ان آیات کی رو سے شرک ہے۔ لیکن علامہ صاحب کی اپنی طرف سے کئی تقییدات اور تخصیصات کرنی پڑیں۔

۱۔ مطلق داعی اور مدعو میں کلام نہیں بلکہ نزاع یا دعو من دون اللہ اور فلا تدعوا مع اللہ وغیرہ میں ہے۔

۲۔ ماتحت الاسباب پکارنے میں نزاع نہیں بلکہ مافوق الاسباب پکارنے میں ہے۔

۳۔ سینکڑوں نہاروں میل دور قبور میں آرام فرما نبیوں، ولیوں، اور شہیدوں وغیرہ کا پکارنا محل نزاع ہے اور شرک ہے، زندہ کو پکارنا اور قریب سے پکارنا محل نزاع نہیں۔  
 ۴۔ علیم السلام ۱۰ رضی اللہ عنہم۔



۴۔ پکارنے والا ان کو حاضر و ناظر اور عالم الغیب سمجھتا ہے اس وجہ سے شرک ثابت ہوتا ہے۔

۵۔ پکارنے والا ان کو اس معنی میں متصرف فی الامور مانتا ہے کہ یہ مافوق الطبعی طور پر اسباب کو حرکت میں لاسکتے ہیں اور یہی اصل شرک ہے۔ حالانکہ یہ سب ہمیرا پھیری اور ایچ بیچ بیچ ہے اور اصول و قواعد کے سراسر خلاف ہے اور تحقیق و تدقیق کی دنیا میں اس کی حیثیت پر گاہ کے برابر بھی نہیں ہے۔ کیونکہ ان کا اپنا مذہب و مسلک اور عقیدہ و نظریہ ہی ان جملہ تخصیصات و تقییدات کو سراسر باطل اور لغو ٹھہراتا ہے اور اصول و قواعد بھی۔

۱۔ آیات کریمہ میں مطلق دُعا کا ذکر ہے اور قرآن مجید کے مطلق کو اخبار احاد بھی مقید نہیں کر سکتیں چہ جائیکہ کوئی اپنی ذاتی رائے سے ان کو مقید اور مخصوص ٹھہرا دے۔ ان آیات میں زندہ اور مردہ کا قریب اور بعید کا فرق قطعاً نہیں اور نہ فوق الاسباب اور تحت الاسباب کا فرق کیا گیا ہے تو اپنی طرف سے یہ تقییدات بڑھا دینا از روئے اصول و قواعد قرآن مجید کے اطلاق کو منسوخ ٹھہرانے کے مترادف ہے اور قطعاً ناقابل اعتبار و اعتداد ہے۔

۲۔ نیز اگر سینکڑوں ہزاروں میل دور کسی زندہ ولی کو حاضر و ناظر اور عالم الغیب سمجھ کر پکار لیا جائے تو علامہ صاحب کے نزدیک یہ پکار بھی جائز ہونی چاہیے اور حضرت عیسیٰ اور حضرت ادریس اور حضرت الیاس علیہم السلام جمہور علماء امت کے نزدیک زندہ ہیں لہذا ان کو ہزاروں میل دور سے پکار لینا جائز ہونا چاہیے حالانکہ اس امر کے اعتراف و تسلیم کرنے میں ان کی موت



اور تباہی ہے۔

۳۔ اگر پکارا نہ جائے ویسے حاضر و ناظر مان لیا جائے تو کیا اب شرک لازم نہیں آئے گا؟ اور اگر علامہ صاحب کے نزدیک یہ عقیدہ ویسے ہی شرک ہے تو اس کے شرک ہونے کو پکارنے کے ساتھ مشروط کرنے کا کیا مطلب؟ اور اگر اس کو شرک نہ مانیں تو ان کے مذہب و عقیدہ کا صفایا ہو جائے گا۔

۴۔ اگر کوئی زندہ نبی اور ولی کو قریب سے استعانت کے لیے پکارے اور سمجھے کہ وہ مافوق الطبعی طور پر اسباب کو حرکت میں لاسکتا ہے تو کیا یہ شرک ہوگا یا نہیں؟ اگر شرک ہے تو پھر دوری اور غائبانہ نداء کی قید لغو ٹھہری اور حاضر و ناظر اور عالم الغیب سمجھنے کی بھی تقیید بیہودہ ٹھہری اور اگر شرک نہیں ہے تو فوق الطبعی طور پر استعانت اور استمداد شرک نہ ہوتی صرف عالم الغیب اور حاضر و ناظر کا عقیدہ شرک ہوا تو پھر دُعا و پکار اور استمداد و استعانت تو شرک نہ ہوتی نہ تحت الاسباب جیسے مان چکے اور نہ فوق الاسباب جیسے اس شوق کے ماننے سے لازم آیا تو سرے سے مدعا (یعنی من دون اللہ سے استعانت کے شرک ہونے) سے بھی ہاتھ دھونے پڑ گئے۔

۵۔ اگر کوئی شخص حکیم اور ڈاکٹر کو شافی سمجھ لے اور اللہ تعالیٰ کے شافی ہونے سے صرف نظر کرے، یا دوائی اور سبب کو ہی مستقل مؤثر سمجھ لے تو اس کے متعلق علامہ صاحب شرک کا فتویٰ صادر کریں گے یا نہیں؟ اگر اس صورت میں شرک ثابت ہو جاتا ہے تو تحت الاسباب اور فوق الاسباب کا تفرقہ لغو ہو گیا اور اگر شرک ثابت نہیں ہوتا تو اللہ تعالیٰ کے اقتدار و اختیار اور اس



کی تدبیر و تصرف میں تحدید و تخصیص لازم آگئی۔ اس کا دائرہ الوہیت اور حیطہ تدبیر و تصرف صرف فوق الاسباب امور میں منحصر ہو گیا اور تحت الاسباب امور میں غیر اللہ کا مقتدر اور مدبر و متصرف ہونا تسلیم ہو گیا تو یہ محوسیت اور تثویت کا ہی شعبہ بن گیا۔ جس طرح انہوں نے خیر و شر کی تخلیق اور ایجاد میں فرق کرتے ہوئے ہزاروں اور لاکھوں موجد اور خالق تسلیم کر لیے جو سراسر موجب خذلان اور باعثِ خسران ہے۔ اناذنا اللہ تعالیٰ من ذلک۔

## تحت الاسباب اور فوق الاسباب کی حقیقت کیا ہے؟

۶۔ نیز تحت الاسباب اور فوق الاسباب سے مراد کیا ہے! اسبابِ عادیہ کے ذریعے وجود میں آنے والی شے تحت الاسباب ہو جاتے اور اسبابِ غیرِ عادیہ کے ذریعے وجود میں آنے والی شے فوق الاسباب جیسے دوائی استعمال کرنے سے اللہ تعالیٰ شفا عطا کر دے تو تحت الاسباب شفا حاصل ہو گئی اور کسی نبی و رسول اور ولی و مقربِ خداوند تعالیٰ کے ہاتھ پھیرنے سے اللہ تعالیٰ شفا دیدے تو یہ فوق الاسباب ہو گئی تو انبیاء و اولیاء میں فوق الاسباب امداد و اعانت ماننے بغیر چارہ ہی نہیں کیونکہ وہ اسبابِ عادیہ اور ذرائع معمولہ کو تو استعمال میں نہیں لاتے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قوم کے لیے پتھر پر عصا مار کر پانی مہیا کرنا اور انہیں ہلاکت سے بچانا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا پانی کے پیالہ میں دستِ جو دو نوال رکھ کر پانی کو ابلتے چشموں میں بدل دینا اور صحابہ کرام کی پیاس بجھانا اور وضو وغیرہ کی ضروریات پوری کرنا، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا



حواریوں کے مطالبے پر صبح و شام مشروبات و مطعومات کو مہیا فرمانا اور ہاتھ پھیر کر یا کپڑے پھیر کر اندھوں کو چشمِ بینا عطا کرنا اور مرلیضوں کے امراض کو دُور کرنا اسبابِ غیرِ عادیہ کے تحت ہی تھا تو اس طرح فوقِ الاسبابِ استمداد و استعانت کو شرک قرار دینا انبیاءِ کرام اور رسلِ عظامِ علیہم الصلوٰۃ والسلام اور مقبولانِ بارگاہِ خداوندِ تعالیٰ کو مشرک قرار دینے کے مترادف ہوگا کہ وہ اسبابِ عادیہ اور ذرائعِ معمولہ سے ہٹ کر مدد و اعانت فرماتے رہے اور اپنے آپ کو اس امداد و اعانت کا اہل سمجھتے رہے اور انبیاءِ کرام کے ساتھ اس قسم کا استغاثہ اور استمداد کرنے والے اصحاب و رفقاء کا بھی مشرک ہونا لازم آجائے گا جس کا کوئی باہوش انسان تصور بھی نہیں کر سکتا چہ جائیکہ کوئی عالم ایسا عقیدہ اپنالے بلکہ اس کی تردید و اشاعت کی جدوجہد کرے۔

اگر تحتِ الاسباب سے مراد ہے عادیہ اور غیرِ عادیہ اسباب کے ذریعے وقوع پذیر شے اور فوقِ الاسباب سے مراد ہے ہر قسم کے عادی اور غیرِ عادی اسباب سے بالاتر ہو کر وقوع پذیر شے تو اس صورت میں بھی اللہ تعالیٰ کے ساتھ ما فوقِ الاسباب میں تصرف و تدبیر کو منحصر کرنے سے باری تعالیٰ کے اختیار و اقتدار کو مزید محدود کرنا لازم آجائے گا اور انبیاء و رسل اور اولیاءِ کرام چونکہ اسبابِ غیرِ عادیہ کے تحت امداد و اعانت فرماتے ہیں، لہذا وہ تحتِ الاسباب ہی امداد و اعانت ہوتی لہذا وہ امداد و اعانت شرک نہ ہوتی اور نہ اس طرح کی استعانت شرک ہوتی تو علامہ صاحبِ باری تعالیٰ کی گستاخی اور ناقدری کے مرتکب بھی ہو گئے اور جنہیں مشرک ثابت کرنے کیلئے



یہ چکر چلائے تھے وہ بھی ان کے فتویٰ شرک سے صاف بچ نکلے اور علامہ صاحب کے حصے میں صرف اور صرف ناکامی و نامرادی رہ گئی۔

۷۔ الذین یدعون من دون اللہ میں اصنام و اوثان داخل ہیں اور ان کے پجاری بھی داخل ہیں جیسے کہ آیات کریمہ اور تصریحات اکابر سے ثابت کیا جا چکا ہے اور وہ مشرک لوگ تو غائب خدا کی عبادت کے بھی قائل نہیں تھے اور غائبانہ استمداد و استعانت کے قائل بھی نہیں تھے وہ تو محسوس مبصر معبود اور قرب و جوار میں موجود معاون و مددگار چاہتے تھے تو غائبانہ نذار و پکار کی قید لگانا اس لحاظ سے بھی لغو اور باطل ہے۔ کیونکہ وہ ہر وقت سمندروں میں تو نہیں رہتے تھے کہ صرف اللہ وحدہ غائب کو پکارتے رہتے تھے۔ وہ تو کنارے لگتے ہی پھر اپنے محسوس و مبصر اور قرب و جوار میں موجود خداؤں کو ہی پکارتے تھے۔

## شبهہ کا ازالہ

رہا یہ شبهہ کہ اصنام و اوثان تو صرف قبلہ توجہ تھے دراصل انبیاء اولیاء ان کے معبود اور مستعان تھے تو اس کی حقیقت واضح کی جا چکی ہے کہ آغاز اگرچہ صنم سازی کا اسی مقصد کے تحت ہوا مگر بعد میں صرف اور صرف وہی معبود و مستعان بن کر رہ گئے تھے اسی لیے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے انہیں بتوں کو فرمایا کھاتے کیوں نہیں؟ بولتے کیوں نہیں؟ وغیرہ وغیرہ۔ کیا انہیں معلوم نہیں ہو سکا تھا کہ یہ تو صرف قبلہ توجہ ہیں۔ نیز بت پرستوں نے



کیوں نہ کہا یہ صرف قبلہ توجہ ہیں دراصل ہمارے معبود و مسجود اور حاجت روا اور کارساز تو انبیاء اور اولیاء ہیں اور قرآن مجید نے ان اصنام کا آتش دوزخ میں وارد ہونا بیان فرمایا :

إِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ

أَنْتُمْ لَهَا وَارِدُونَ ○ (سورة الانبياء آیت ۹۸)

اگر یہ صرف قبلہ توجہ تھے تو ان کو آتش جہنم میں ڈال کر کفار و مشرکین کو ان کی شفاعت اور نفع رسانی اور حاجت روائی و مشکل کشائی سے مایوس کرنے اور حسرتوں، اربانوں میں مبتلا کرنے کا کیا مطلب؟

لہذا ان حقائق کو جو قرآن مجید کے نصوص قطعیہ سے ثابت ہیں نظر انداز کرنے کا کوئی جواز نہیں اور اس انجام یعنی صنم پرستی کو بھلا دینا اور صرف آغاز کیونکر ہوا یعنی صنم سازی کے اسباب پر نظر کو مرکوز و مقصود رکھنا ہرگز کوتاہ بینی بلکہ کج بینی ہے۔ اگر یونہی آغاز کی طرف جانا ہے تو پھر یہ الزام اللہ تعالیٰ پر عائد کر دینا چاہیے کہ دراصل شرک کا دروازہ اس نے خود آپ کھولا ہے، نہ کسی کو نبی و رسول بنانا نہ ان کی اتباع و اطاعت کا حکم دینا۔ نہ کسی کو ولی و محبوب بنانا نہ ان کی دعائیں اور التجائیں مستجاب فرماتا نہ لوگوں کے دلوں میں ان کی تعظیم و تکریم پیدا ہوتی اور نہ ہی شرک کا یہ دروازہ کھلتا۔ العیاذ باللہ۔

لہذا یہ ضروری نہیں کہ کسی کام کا آغاز مکروہ اور ناجائز بھی ہو جبکہ اس کا انجام اور عاقبت کار کفر اور شرک بھی ہو سکتا ہے تو اس آغاز کو ملحوظ رکھنا



اور اس انجام کو نظر انداز کر دینا کہ مشرکین بیجان مجسموں اور مورتیوں کو تو خدا مانتے رہے اور رسلِ کرام کو رسول و نبی ماننے پر بھی آمادہ نہ ہو سکے کہاں کا عدل و انصاف اور دیانت و امانت ہے۔

کیا اصنام و اوثان سے استعانت میں اور انبیاء و اولیائے  
استمداد و استعانت میں کوئی فرق نہیں؟

علامہ سرفراز صاحب اور اس کے ہم مشرب و ہم مسلک حضرات نے انبیاء کرام علیہم السلام اور اولیاء کرام علیہم الرضوان کو اور اصنام و اوثان کو ایک سطح پر رکھتے ہوئے دونوں سے استمداد و استعانت کرنے والوں کو مشرک قرار دے دیا اور کہا کہ قدیم و حدیث مشرکین میں ذرہ برابر فرق نہیں ہے، ابوہل وغیرہ جیسا مشرک ہونے کا فتویٰ صادر کر دیا اور گویا اس طرح اہل السنّت کے خونِ ناحق سے اپنی سپاہ کو ہاتھ رنگنے کی اجازت دے دیا کیونکہ قرآن کا حکم ہے:

اقتلوا المشرکین حیث وجدتموہم

جہاں بھی مشرکین کو پاؤ قتل کر دو۔

آیتے اس پر غور کریں کہ یہ سوچ اور فکر اور نظریہ و عقیدہ کن سے

مستعار لیا گیا ہے اور ان کے امام و پیشوا اس معاملہ میں کون لوگ ہیں۔

ایک برہمن کا اہل اسلام پر اعتراض اور حضرت شاہ عبدالعزیز محدّث

دہلوی رحمہ اللہ اور ولی اللہی تعلیمات کے امین و مخزن کا جواب ملاحظہ کرنے



سے یہ حقیقت پوری طرح اُجاگر ہو جائے گی کہ علامہ سرفراز صاحب اور ان کی پارٹی کن لوگوں کے نقش قدم پر چل رہی ہے اور ہم کن حضرات کی راہ پر چل رہے ہیں۔ بدہمن نے کہا:

شما اہل قبور مدد و شفاعت می طلبید باید کہ بر شما ہم شرک عائد شود۔  
 القصد ہرچہ مقصد شما و مراد شما از اہل قبور است ہماں قسم مقصود من از صورت  
 کنہیا و کالکا ہست بحسب ظاہر نہ قوت اہل قبور دارند و نہ بُت۔ و اگر کوئی بقوت  
 باطن اہل قبور کشائش حالات می نمایند بسا جا از بتاں ہم روانی حاجات می  
 شود۔ و اگر میگویند کہ بایشاں میگویم کہ از خدا برائے ما شفاعت بخواہید من  
 از بتاں ہمیں استدعا دارم۔

تم اہل قبور سے مدد و استعانت اور شفاعت طلب کرتے ہو پس چاہیے  
 کہ تم پر بھی ہماری طرح شرک عائد ہو کیونکہ جو مقصد و مطلب تمہارا اہل قبور  
 سے استعانت میں ہے وہی کنہیا اور کالکا وغیرہ کی صورتوں سے ہمارا مدعا  
 و مقصود بھی ہے۔ باعتبار ظاہر کے نہ اہل قبور میں طاقت و قدرت ہے اور  
 نہ ہی بُتوں میں قدرت و طاقت ہے اور اگر باطنی قوت سے اہل قبور  
 مشکل کشائی اور حاجت روائی کر سکتے ہیں تو بسا اوقات ان اصنام سے  
 بھی حاجت روائی ہو جاتی ہے اور اگر تم اہل قبور سے دُعا کے لیے کہتے ہو  
 تاکہ عند اللہ تمہاری شفاعت کریں تو ہم بھی اپنے معبودات سے یہی استدعا  
 کرتے ہیں

حضرت شاہ عبدالعزیز نے برہمنی اعتراضات کا جواب دیتے ہوئے



اہل قبور مقربانِ خداوند تعالیٰ کو اور اصنام و اوثان کو ایک سطح پر رکھنے کی ہندوانہ سوچ و فکر پر رد و قدح کرتے ہوئے فرمایا اور اس کے کرد فریب اور دجل و دغل کا پردہ اس طرح چاک فرمایا :

”مدد خواستن دو طور می باشد مدد خواستن مخلوقے از مخلوقے مثل آنکہ از امیر و پادشاہ نوکر و گدا در مہمات خود مدد می جویند و عوام الناس از اولیاء و عامی خواہند کہ از جناب الہی فلاں مطلب مارا در خواست نمایند۔ ایں نوع استعانت در شرع از زندہ و مردہ جائز است۔ دوم آنکہ بالاستقلال چیزیکہ خصوصیت بجناب الہی وارد مثل دادن فرزند یا بارش باران یا دفع امراض یا طول عمر و مانند اک چیز ہائے آنکہ دُعا و سوال از جناب الہی در نیت منظور باشد از مخلوقے در خواست نمایند ایں نوع حرام مطلق بلکہ کفر است و اگر از مسلمانان کسے از اولیائے مذہب خود زندہ باشد خواہ مردہ ایں نوع مدد خواہد از دائرہ مسلمانان خارج میشود بخلاف بت پرستان کہ ہمیں نوع مدد از معبودان باطلہ خود می خواہند و آنرا جائز می شمارند۔“

مدد و اعانت کی خواستگاری دو طرح پر ہے اول مخلوق سے مدد مانگنا جیسے کہ امیر اور بادشاہ سے نوکر اور گدا اپنے مشکل اور اہم معاملات میں مدد طلب کرتے ہیں اور عوام الناس اولیاء کرام سے دُعا طلب کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ سے ہمارا فلاں مطلوب و مقصود طلب کریں استعانت کا یہ قسم شریعت مطہرہ میں زندہ اور فوت شدہ ہر دو سے جائز ہے۔

دوم : دوسرا قسم استعانت کا یہ ہے کہ مستقل طور پر وہ چیز جو اللہ تعالیٰ



کی بارگاہ سے تعلق رکھتی ہے مثلاً فرزند دینا، بارش عطا کرنا، امراض دُور کرنا اور رازیِ عمر وغیرہ عطا کرنا بغیر اس کے دُعا و سوال کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ سے طلب کرنا نیت اور ارادہ میں ہو اس کو مخلوق سے طلب کریں تو استعانت کا یہ قسم حرام مطلق بلکہ کُفر ہے اور اگر اہل اسلام میں سے کوئی شخص اپنے مذہب کے اولیاء سے زندہ ہوں یا فوت شدہ اس طرح کی استمداد و استعانت کرتا ہے تو وہ دائرہ اسلام اور زمرہ اہل اسلام سے خارج ہو جائے گا بخلاف بُت پرستوں کے کہ وہ یہی قسم مدد و اعانت کا اپنے معبوداتِ باطلہ سے طلب کرتے ہیں اور اس کو جائز سمجھتے ہیں۔

## فوائد و ثمرات

۱۔ خاتم المفسرین حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب کے جواب سے بُت پرستوں کی استعانت اور اہل اسلام کی استعانت میں فرق بھی واضح ہو گیا اور بُت پرستوں کی استعانت کا شرک ہونا اور اہل اسلام کی استعانت کا جائز ہونا بھی واضح ہو گیا۔

۲۔ نیز زندہ اور فوت شدہ اور دُور و نزدیک کے فرق کی لغویت بھی واضح ہو گئی کہ جو چیزیں عطا کرنا بالاستقلال مخلوق کے لیے ممکن نہیں وہ اولیاءِ کرام بلکہ انبیاءِ کرام علیہم السلام سے طلب کرنا اللہ تعالیٰ کے حضور دُعا و التجار کیے بغیر شرک ہے اور دُعا و التجار کے ذریعے اللہ تعالیٰ سے لے کر دلانے کی نیت پر ہو تو صرف یہ نہیں کہ شرک نہیں بلکہ جائز اور صحیح ہے، لہذا علامہ



سرفراز صاحب اور ان کی جماعت کی سوچ سراسر برہمنی سوچ ہے، اور اہل اسلام کے عظیم مقتدار و پیشوا اور فلسفہ ولی اللہی کے ترجمان کی سوچ و فکر اور عقیدہ و نظریہ کے بھی سراسر خلاف اور برعکس ہے۔

## علماء دیوبند کا منشا غلط اور ان موحدین کی برہمنوں سے بڑی کوتاہی

زندہ اور فوت شدہ مقبولان بارگاہ سے استمداد و استعانت میں فرق کرنے کا فلسفہ اور سبب وہی معلوم ہوتا ہے جو برہمن نے ذکر کیا کہ نظر ظاہر میں نہ اہل قبور میں قوت و طاقت ہے اور نہ ہی بُتوں میں اور ان کا بھی یہی قول ہے کہ پہلے مشرک کھڑے بُتوں کو پوجتے تھے اور زمانہ حال کے مشرکین پڑے بُتوں کو پوجتے ہیں گویا ظاہری حالت کو دونوں فریق یکساں قرار دیتے ہیں لیکن ایک لحاظ سے مسلمان کہلانے والے بلکہ توحید کے ٹھیکیداران برہمنوں سے بھی بڑھ گئے کہ انہوں نے اپنی بے جان مورتیوں میں باطنی قوت تسلیم کر لی اور ان لوگوں نے انبیاء و رسل اور شہداء و اولیاء میں روحانی اور طہنی قوت تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔ اسی فاسد و باطل سوچ کا رد اکابرین ملت کی زبانی سماعت فرمادیں۔

## اہل اسلام کے نزدیک لیا اللہ اور اوثان و اصنام میں فرق کی بنیاد

۱۔ و آنچه گفته که هر چه مقصد شما از اہل قبور است ہماں قسم مقصود من از صورت کنہیا و کالکاست نیز خطا در خطا است زیرا کہ ارواح را تعلق بہ



بدن خود کہ در قبر مدفون است البتہ می باشد زیرا کہ مدت دراز دریں بودہ اند  
و این با قبور معبودان خود را تعظیم نمی کنند بلکہ از طرف خود صورت با و سنگ با  
تراشیدہ و درختاں و دریا با را قرار میدہند کہ صورت فلاں ہست بے آنکہ آں  
چیز را تعلق باں روح باشد۔“

اور یہ جو کہا ہے کہ جو تمہارا مقصود اہل قبور سے ہے وہی ہمارا مقصود کہنا  
اور کالکا وغیرہ سے ہے تو یہ قول خطا در خطا ہے۔ کیونکہ ارواح کا اپنے بدن  
کے ساتھ جو قبر میں مدفون ہیں یقیناً تعلق قائم ہوتا ہے کیونکہ عرصہ دراز تک  
اس میں قیام پذیر رہے ہیں اور ہندو برہمن لوگ اپنے معبودوں کی قبروں کی  
تعظیم نہیں کرتے بلکہ اپنی طرف سے صورتوں اور تراشیدہ پتھروں کو اور درختوں  
اور دریاؤں کو کہہ دیتے ہیں کہ یہ فلاں کی صورت ہے بغیر اس کے کہ اس چیز کا  
اس شخص کی روح کے ساتھ کوئی تعلق ہو۔

۲۔ در شرح مقاصد ذکر کردہ نفع یافتہ میشود بزیارت قبور و استعانت بنفوس  
اخیار از اموات بدرستیکہ نفس مفارقتہ را تعلقے ہست بدن و تربتے کہ دفن کردہ  
شود در آں پس چوں زیارت می کند زندہ آں تربت را و متوجہ میشود بسوئے  
نفس میت حاصل میشود میان ہر دو نفس ملاقات و فائزات۔

(فادی عنزیری ص ۱۰۸ جلد ۲)

علامہ تفتازانی رحمہ اللہ نے شرح مقاصد میں ذکر فرمایا کہ قبور کی زیارت  
سے اور فوت شدگان کے پاکیزہ نفوس سے نفع حاصل ہوتا ہے کیونکہ بدن سے  
جدا ہونے والے نفس اور روح کو اپنے بدن سے اور قبر سے تعلق ہوتا ہے جس



میں دفن کیا جاتا ہے لہذا جب زندہ آدمی اس قبر کی زیارت کرتا ہے اور میت کے رُوح کی طرف متوجہ ہوتا ہے تو دونوں نفوس وارواح کے درمیان ملاقات پائی جاتی ہے اور فوائد و فیوض حاصل ہوتے ہیں۔

۳۔ حضرت شیخ محقق شاہ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ تکمیل الایمان میں فرماتے ہیں :

”مشائخ صوفیہ قدست اسرار ہم گویند کہ تصرف بعضے اولیاء در عالم برزخ دائم و باقی است و توکل و استمداد بارواح ایشان ثابت و موثر، امام حجۃ الاسلام غزالی گفتہ کہ ہر کہ در حیات وے بے توکل و تبرک جویند بعد از مماتش نیز توکل جست و این سخن موافق دلیل است چہ بقائے رُوح بعد از موت بدالات احادیث و بہ اجماع علماء ثابت است و متصرف در حیات و بعد از ممات رُوح است نہ بدن۔ و متصرف حقیقی حق تعالی است و ولایت عبارت از فنا فی اللہ و بقا۔ بدوست و این نسبت بعد از موت اتم و اکل است و نزد ارباب کشف و تحقیق مقابلہ رُوح زائر باروح مزور موجب انعکاس اشعۃ لمعات انوار و اسرار می شود در رنگ مقابلہ مرآت برآت و اولیاء را ابدان مکتسبہ مثالیہ نیز بود کہ بدال ظہور نمایند و امداد و ارشاد طالبان کنند و منکران را دلیل و برہان برانکار آں نیست۔ یکے از مشائخ گفتہ است کہ چہار کس از اولیاء و یدم کہ در قبر خود تصرف میکنند مثل تصرف ایشان در حالت حیات یا بیشتر از اں جملہ شیخ معروف کرخی و شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہما اللہ و دودگیر را از اولیاء نیز شمر و ص ۲۳۔  
مشائخ صوفیہ قدست اسرار ہم کہتے ہیں کہ بعض اولیاء کرام کا تصرف



عالم برزخ میں دائم اور باقی ہے اور ان کے ارواحِ مقدسہ کے ساتھ تو تسل اور استمداد ثابت بھی ہے اور موثر بھی۔ حجۃ الاسلام امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جس کے ساتھ دنیوی حیاتی میں تو تسل و تبرک حاصل کر سکتے ہیں موت کے بعد بھی اس سے تو تسل اور برکات کا حصول درست ہے۔

اور یہ قول دلیل و برہان کے مطابق و موافق ہے کیونکہ بدن کی موت کے بعد روح کی بقا احادیثِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور علماءِ اُمت کے اجماع کی دلالت سے ثابت ہے اور حیاتِ دنیوی ہو یا موت کے بعد کی حالت ہر دو حالت میں متصرف روح ہوتا ہے نہ کہ بدن جبکہ حقیقی مدبر و متصرف صرف اور صرف اللہ تعالیٰ ہے اور ولایت نام ہے۔ فنا فی اللہ اور بقا باللہ کا اور یہ نسبت موت کے بعد اتم اور اکمل طور پر محقق ہوتی ہے۔

ارباب کشف اور محققین کے نزدیک زیارت کر نیوالے کی روح کا اربابِ قبول کی ارواح کے ساتھ تقابل اور آئنا سامنا انوار و اسرار کی شعاعوں اور ضیاؤں کے عکس و پرتو کا موجب بن جاتا ہے جیسے کہ ایک آئینہ دوسرے آئینہ کے مقابل ہونے پر اسی طرح موجب عکس و پرتو ہوتا ہے۔

نیز اولیاء کرام کے لیے (مجاہدات و ریاضات کی بدولت) حاصل ہونے والی ابدان بھی ہوتے ہیں کہ جن کے ساتھ متوسلین پر نمودار ہوتے ہیں اور ان طالبان امداد و اعانت کی مدد و اعانت فرماتے ہیں اور رہنمائی فرماتے ہیں اور منکرین امداد و اعانت کے پاس اس انکار و جحود پر قطعاً کوئی دلیل نہیں ہے۔ مشائخِ عظام میں سے ایک نے فرمایا کہ میں نے اولیاء کرام میں سے



چار اشخاص کو دیکھا کہ وہ اپنی اپنی قبور میں اس طرح تدبیر و تصرف کر رہے ہیں جیسے کہ زندگی میں کرتے تھے بلکہ اس سے بھی زیادہ تصرف کر رہے ہیں۔ ان چار میں حضرت شیخ معروف کرخی اور حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہما اور دوسرے اولیاء کرام کو شمار کیا۔

## میت کی امداد نسبت زندہ کی امداد کے قوی ہوتی ہے

۴۔ شیخ محقق حضرت شاہ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ نے اشعۃ اللمعات شرح شکوۃ میں اس موضوع پر بحث کرتے ہوئے فرمایا :

”امام شافعی گفتمہ قبر امام موسیٰ کاظم تریاق مجرب است مراجابت دُعا را و حجت الاسلام امام غزالی گفتمہ (تا) دو کس دیگر را شمر دو مقصود حضرتیت آنچه خود دیدہ و یافتہ است بیان کرد۔ سیدی احمد بن ذروق کہ یکے از اعظم فقہا و علماء و مشائخ دیار مغرب است۔ گفت روزے شیخ ابوالعباس حضرمی از من پرسید کہ امداد حی ا قوی است یا امداد میت من گفتم قومی گویند کہ امداد حی قوی تر است و من میگویم کہ امداد میت قوی تر است۔ پس شیخ گفت نعم زیرا کہ او در بساط حق است و در حضرت ادست۔“

(اشعۃ اللمعات جلد اول ص ۴۳ و کذا فتاویٰ عزیزی ص ۱۰۷ جلد ۲)

امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حضرت امام موسیٰ کاظم رضی اللہ عنہ کی مزار اقدس دُعا کی قبولیت کے لیے مجرب تریاق کا درجہ رکھتی ہے حجۃ الاسلام امام محمد غزالی رحمہ اللہ علیہ نے فرمایا ہر وہ شخص جس سے زندگی میں مدد و اعانت



طلب کا جا سکتی ہے اس سے وفات کے بعد بھی تو تسل و استمداد جائز ہے۔  
 مشائخ نظام میں سے ایک نے فرمایا میں نے چار حضرات کو دیکھا کہ اپنی قبروں  
 میں اس طرح تصرف فرما رہے ہیں جیسے کہ حیات ظاہری میں کیا کرتے تھے  
 بلکہ اس سے بھی زیادہ شیخ معروف کرخی، شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہما اللہ اور دو  
 دوسرے حضرات کا ذکر کیا اور ان کا مقصود (تدبیر و تصرف کا ان چار حضرات  
 میں) انحصار نہیں ہے بلکہ جو کچھ خود مشاہدہ کیا اور اپنے طور پر دریافت کیا  
 وہ بیان کر دیا۔

سیدی احمد بن زروق جو کہ دیارِ مغرب کے عظیم ترین فقہار اور علماء و  
 مشائخ میں سے ہیں فرماتے ہیں کہ ایک دن مجھ سے شیخ ابوالعباس حضرمی نے  
 دریافت فرمایا کہ زندہ ولی کی امداد قوی اور زیادہ موثر ہے یا فوت شدہ کی  
 تو میں نے کہا ایک قوم کہتی ہے کہ زندہ کی امداد زیادہ موثر اور قوی ہے مگر  
 میں کہتا ہوں کہ فوت شدہ کی امداد زیادہ موثر اور قوی ہے تو انہوں نے  
 تائید و تصدیق کرتے ہوئے فرمایا ہاں کیونکہ وہ فوت ہونے کے بعد اللہ تعالیٰ  
 کی بارگاہِ اقدس اور اس کے قربِ خاص میں جاگزین ہوتا ہے۔

۵۔ جوازِ استمداد پر بحث کرتے ہوئے فرمایا:

اثبات کردہ اندازِ مشائخِ صوفیہ قدس اللہ اسرارہم و بعض فقہاء میں  
 امریت محقق و مقرر نزد اہل کشف و کمال از ایشاں تا آنکہ بیارے را فیوض  
 و فتوح از ارواح ایشاں رسیده۔ ایں طائفہ را در اصطلاح ایشاں اولیہ خوانند  
 استعانت و استمداد کو مشائخِ صوفیہ قدس اسرارہم اور بعض فقہانے



ثابت کیا ہے اور یہ ان میں سے اہل کشف اور ارباب کمال کے نزدیک حقیقتِ ثابتہ اور یقینی امر ہے حتیٰ کہ ان میں سے بہت سے حضرات کو فیوض و فوائد اور حل مشکلات اولیاء کا ملین کے ارواحِ طیّبہ سے حاصل ہوئے اور اس جماعتِ مستفیضہ کو ان کی اصطلاح میں اویسی کہا جاتا ہے۔

۶۔ حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب بھی جواز استمداد پر بحث کرتے ہوئے فرماتے ہیں :

”بعضے از خواص اولیاء اللہ را کہ جارحہ تکمیل و ارشاد بنی نوع خود گردانیدہ اند دریں حالت ہم تصرف در دنیا دادہ اند و استغراق آنها بجهت کمال وسعت مدارک آں ہا مانع توجہ بایں نمی گردد و اویسیاں تحصیل کمالات باطنی از آں ہا مینمایند و ارباب حاجات و مشکلات حل مشکلات خود از آں ہا می طلبند و می یابند و زبان حال آنها در آں وقت مترنم بایں مقالات است۔“

من آیم بجاں گر تو آئی بہن

(تفسیر عزیزی ص ۳ ص ۱۱۳)

بعض خواص اولیاء اللہ جن کو اللہ تعالیٰ نے انسانوں کی تکمیل اور ہدایت و ارشاد کے لیے وسیلہ و ذریعہ بنایا ہے۔ ان کو قبروں میں مدفون ہونے کے باوجود دنیا میں تدبیر و تصرف کا اختیار بخشا ہوتا ہے۔ اور انکا ذاتِ باری تعالیٰ میں استغراق اور انجذاب ان کے حواس و مدارک کی وسعت کا ملکہ کی وجہ سے دنیا کی طرف توجہ سے مانع نہیں ہوتا اور صوفیاء کرام میں سے اویسی حضرات ان اولیاء کرام سے باطنی و روحانی کمالات حاصل کرتے ہیں۔ حاجتمند اور مشکلات



میں گھرے ہوئے لوگ ان اولیاء اللہ سے اپنی مشکلات اور حاجات کا حل طلب کرتے ہیں اور منہ مانگی مراد پاتے ہیں اور ان مقدّس اولیاء کرام کی زبان ان مقالات کے ساتھ محو ترنم ہوتی ہے۔

من آیم بجاں گر تو آتی بن

اگر تو جسم کے ساتھ ہمارے پاس آئے گا تو ہم تیرے پاس اپنی جان اور روح کے ساتھ آئیں گے۔

۷۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں :

”در اولیائے اُمت و اصحاب طرق اقویٰ کسے کہ بعد تمام راہ جذب باکہ وجوہ باصل این نسبت میل کردہ است و در آں جا بوجہ اتم قدم زدہ است حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ اند لہذا گفته اند کہ ایشاں در قبر خود مثل احوار تصرف می کنند“ (ہمعات ص ۶۱)

اولیاء اُمت میں اور ارباب سلاسل میں راہ جذب کو انتہائی تاکید کی طرفیوں کے ساتھ مکمل کرنے والوں میں قوی ترین شخص جنہوں نے اس نسبت کی اصل کی طرف رجوع اور میلان کیا ہے اور اس جگہ میں کامل طور پر قدم رکھا ہے تو وہ حضرت محی الدین شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ اس لیے عرفاء نے کہا ہے کہ وہ اپنی قبر مبارک میں زندہ اولیاء کی مانند تصرف کر رہے ہیں۔ علامہ اشرف علی تھانوی صاحب فرماتے ہیں :

اور جاننا چاہیے کہ بعض اولیاء اللہ سے بعد انتقال کے بھی تصرفات اور خوارق سرزد ہوتے ہیں اور یہ امر معنی حد تو اتر تک پہنچ گیا ہے۔ (انکشف ص ۲۵)



الغرض واضح ہو گیا کہ امام شافعی اور تبع تابعین کے دور سے حضرت شاہ ولی اللہ اور شاہ عبدالعزیز رحمہما اللہ کے دور تک اولیاء اللہ اور مقبولانِ بارگاہِ خداوند تعالیٰ سے استفادہ و استفادہ اور استمداد و استعانت کو نہ صرف جائز سمجھا جاتا رہا ہے بلکہ عملی طور پر فیوض و برکات حاصل کیے جاتے رہے ہیں اور صوفیاء کرام اور اہل اللہ کا ایک خاص گروہ یعنی اسی حضرات بقول شیخ محقق حضرت شاہ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ اور بقول حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ فیوض باطنیہ اور کمالاتِ روحانیہ حاصل ہی انہیں فوت شدہ اولیاء عظام اور مقبولانِ بارگاہِ رب الانام سے کرتے ہیں۔

لہذا ان اکابر کے ارشادات کو نظر انداز کرتے ہوئے برہمنوں کے نقش قدم پر چلنا اور اصنام و اوثان اور اہل قبور انبیاء و اولیاء کو ایک جیسا سمجھنا کسی عام مسلمان کو بھی زیب نہیں دیتا چہ جائیکہ کسی عالم کو۔

## اہل قبور سے استمداد کے منکر کون ہیں؟

۱۔ حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں :  
 ”ظاہر آنست کہ از فقہا آنانکہ قائل بسماع و ادراک میت اند قائل بجزازند و آنانکہ منکر اند آنرا نیز انکار کنند۔ (فتاویٰ عزیزی ص ۱۰۷ جلد ۲)



یعنی ظاہر یہی ہے کہ جو فقہائیت اور اہل قبور کے سماع اور ادراک کے قائل ہیں وہ اہل قبور سے استعانت و استمداد کے بھی قائل ہیں اور وہ جو اہل قبور کے سماع اور ادراک کے قائل نہیں بلکہ منکر ہیں وہ استعانت کے بھی منکر ہیں۔

۲۔ حضرت شیخ محقق شاہ عبدالحق محدث دہلوی قدس سرہ فرماتے ہیں :  
 ”گفتم من بتوفیق خداوند تعالیٰ اما استمداد بابل قبور منکر شدہ اند انرا بعض فقہار۔ اگر انکار از آں جہت است کہ سماع و علم نہ ایشاں را بزاتراں و احوال ایشاں پس بطلان او ثابت شد۔ و اگر بسبب آنست کہ قدرت و تصرف نیست مرا ایشاں را در آں موطن تا مدد کنند بلکہ مجوس و ممنوع اند و مشغول اند در آنچه عارض شدہ است ایشاںرا از محنت و شدت آنچه باز داشته است از دیگران۔ گویم ایں کلیہ نباشد خصوصاً در شان متقین کہ دوستان خدا اند شاید کہ حاصل شود ارواح ایشاں را از قرب در برزخ و منزلت و قدرت بر شفاعت و دعا و طلب حاجات مرزاتراں را کہ متوسل اند بایشاں چنانکہ در روز قیامت خواهد بود و حیثیت دلیل بر نفی آں و تفسیر کردہ است بیضاوی آیت کریمہ و النازعات عرقا (سورہ النازعات آیت ۱) را بصفات نفوس فاضلہ در حالت مفارقت از بدن کہ کشیدہ می شوند از ابدان و نشاط میکنند بسوئے عالم ملکوت و سیاحت می کنند در آں پس سبقت می کنند بخطائر قدس پس می گردند بشرف و قوت از مدبرات امر۔ (اشعۃ اللمعات ص ۱۰۲ ج ۳)

کہتا ہوں میں اللہ تعالیٰ کی توفیق سے کہ اہل قبور سے استمداد کے بعض فقہا منکر ہیں۔ اگر ان کا انکار اس وجہ سے ہے کہ اہل قبور کے لیے زائرین کے



کلام کا سماع اور ان کے احوال کا علم نہیں ہے تو اس کا بطلان ثابت ہو چکا، اور اگر اس وجہ سے ہے کہ ان کے لیے اس مقام میں قدرت و طاقت اور تدبیر و تصرف نہیں ہے تاکہ مدد و اعانت کر سکیں بلکہ وہ پابند اور ممنوع ہیں اور مشغول ہیں اس محنت اور شدت کی وجہ سے جو انہیں اس مقام میں درپیش ہے اور اس نے انہیں دوسروں کی طرف توجہ سے روک رکھا ہے تو میں کہتا ہوں کہ یہ کوئی قاعدہ کلیہ نہیں ہے (کہ ہر اہل قبر مومن مجوس و پابند ہو جائے اور محنت و شدت میں مبتلا ہو) خاص طور پر متیقن اور پرمیزگار لوگوں کے حق میں جو اللہ تعالیٰ کے دوست ہیں

جن کو **الْاٰنَ اَوْلِيَاءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ** ۝

(سورہ یونس آیت ۶۲)

کی بشارت حاصل ہے اور جن کو

اِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمْ  
 الْمَلٰٓئِكَةُ اِلَّا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَبْشِرُوْا بِالْجَنَّةِ  
 الَّتِيْ كُنْتُمْ تُوعَدُوْنَ ۝ نَحْنُ اَوْلِيَآؤُكُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا  
 وَفِي الْاٰخِرَةِ وَلَكُمْ فِيْهَا مَا تَشْتَهِيْ اَنْفُسُكُمْ وَلَكُمْ  
 فِيْهَا مَا تَدْعُوْنَ ۝ نَزَّلْنَا مِنْ غَفُوْرٍ رَّحِيْمٍ ۝ (سورہ حم السجدہ آیت ۱۷)

کے مزدے سنائے جاتے ہیں)۔

عین ممکن ہے کہ ان اولیاء کرام اور محبوبان خداوند تعالیٰ کو عالم برزخ میں بارگاہِ صمدیت میں قربت و منزلت حاصل ہو اور ان کو اپنے زائرین اور



متوسلین کے لیے شفاعت اور دُعا اور طلب حاجات کی قدرت حاصل ہو جس طرح کہ قیامت کے دن ہوگا (حالانکہ ہولناکیوں اور شدائد و مصائب کے لحاظ سے اس دن سے سخت کوئی دن اور اس مقام سے ہیبت ناک کوئی مقام نہیں ہوگا جب وہاں یہ قرب اور درجہ حاصل ہوگا جیسا کہ آیات کلام مجید اور احادیثِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ثابت ہے تو دارِ برزخ میں بطریقِ اولیٰ یہ قربت اور منزلت حاصل ہوگی)۔

اور دارِ برزخ میں اس قدرت و طاقت کی نفی پر کوئی دلیل موجود نہیں ہے

بلکہ قاضی بیضاوی نے قولِ باری تعالیٰ

وَالنَّيْزِعَاتِ غَرْقًا ۝ وَالنَّشِيطَاتِ نَشْطًا ۝ وَالسَّيِّحَاتِ  
سَبْحًا ۝ فَالسَّيِّقَاتِ سَبْقًا ۝ فَالْمُدَبِّرَاتِ أَمْرًا ۝

(سُورَةُ النَّازِعَاتِ آيَةُ ۵۱۱)

کی تفسیر میں فرمایا کہ یہ صفات نفوسِ انسانیہ اور ارواحِ کاملین کی ہیں جو کہ وقتِ وصال میں اپنے بدنوں سے کھینچے جاتے ہیں اور خوشی و راحت کیساتھ عالمِ ملکوت کی طرف چلے جاتے ہیں۔ اور اس میں سیر و سیاحت کرتے ہیں پس مقدّس مقامات کی طرف سبقت لے جاتے ہیں اور اپنے فضل و شرف اور قوت و قدرت کی وجہ سے مدبّراتِ امر اور کارکنانِ قضا و قدر میں سے ہو جاتے ہیں۔

**اقول :** یہی تفسیر اس آیت کریمہ کی حضرت امام رازی رحمہ اللہ نے تفسیر کی ہے

اور حضرت علامہ اسماعیل حقّی نے رُوح البیان میں اور حضرت علامہ سید محمود آلوسی حنفی



نے رُوح المعانی میں ذکر فرمائی ہے اور ارواح کا ملین میں ابدان سے مفارقت کے بعد اس دُنیا میں تدبیر و تصرف کی قدرت و طاقت بھی اور اس منصب مرتبت کا حصول بھی تسلیم کیا ہے۔ اذہم نے اپنی کتاب جلال الصدور میں اس موضوع پر مفصل اور مدلل بحث کر دی ہے۔ یہاں صرف اجمالی طور پر علامہ سرفراز صاحب اور ان کے ہم مسلک و مشرب علماء کا منشار غلطی اور مبدع فساد بیان کرنا تھا جو بحدہ تعالیٰ واضح ہو گیا۔

## اہل قبور کے لیے زائرین کے علم و شعور کا انکار انکارِ دین اور الحاد و زندقہ ہے،

یہ تو آپ معلوم کر چکے کہ جو فقہار اہل قبور سے استمداد و استعانت کے منکر ہیں ان کے انکار کا دار و مدار کس چیز پر ہے تو حضرت شاہ عبدالعزیز نے واضح فرمایا کہ جو اہل قبور کے سماع و ادراک کے منکر ہیں وہی لوگ استمداد و استعانت کے بھی منکر ہیں اور جو استمداد و استعانت کے قائل ہیں وہ اس لیے قائل ہیں کہ اموات اور اہل قبور میں سماع و ادراک اور علم و شعور تسلیم کرتے ہیں اور اموات کے ابدان سے اور ان کی قبور سے ان کے ارواح کا تعلق تسلیم کرتے ہیں۔ اب ان اکابر کی زبان سے ہی اہل قبور کے سماع و ادراک اور علم و آگہی کے انکار کا حکم بھی ملاحظہ فرمائیں تاکہ اس سے منکرین استعانت کا حکم بھی واضح ہو جائے اور ان کے سُنی ہونے کے دعویٰ کی حقیقت واضح ہو جائے۔



۱۔ شیخ اہل شیخ المحققین حضرت شاہ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں :  
 "باجملہ کتاب و سنت مملو و مشحون اند کہ دلالت میکند بر وجود علم مر موتی را  
 بدنیہ و اہل دنیا پس منکر نشود آزاگر جاہل باخبار و منکر دین۔"

(اشعة اللمعات جلد سوم ص ۱۲)

مختصر المرام یہ ہے کہ کتاب و سنت ایسے دلائل سے بھرپور ہیں جو اہل قبور  
 اور اموات کے لیے دنیا اور اہل دنیا کے علم و ادراک اور احساس و شعور پر دلالت  
 کرتے ہیں لہذا اہل قبور کے سننے کا انکار صرف اور صرف وہی کر سکتا ہے جو  
 احادیث و اخبار اور سنن و روایات سے بے خبر اور نا آشنا ہو یا پھر مذہب  
 اور دین سے ہی منحرف اور منکر ہو۔

۲۔ حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں :  
 "باجملہ انکار شعور و ادراک اموات اگر کفر نباشد و احسا و بدون او

شبه نیست۔ (فتاویٰ عزیز یہ جلد اول ص ۹۱ ص ۹۲)

یعنی خلاصہ کلام اور حاصل مراد یہ ہے کہ اموات اور اہل قبور سے شعور  
 و احساس اور علم و ادراک کی نفی اور انکار (اول تو کفر ہے کیونکہ نصوص کتاب  
 اور متواتر المعنی احادیث کا انکار ہے لیکن) اگر بالفرض و التقدير کفر نہ بھی ہو  
 تو اس کے احاد و زندقہ اور بے دینی ہونے میں شک و شبہ کی گنجائش نہیں ہے۔  
 لہذا اگر اہل قبور کے سماع و ادراک کا انکار بمنزلہ کفر و بے ایمانی کے ہے  
 اور احاد و بے دینی اور انکار دین کے مترادف ہے تو فوت شدہ اولیاء کرام  
 اور زندہ اولیاء کرام میں جائز استعانت میں تفرقہ روا رکھنا بھی احاد اور



بے دینی ہے۔ بلکہ جو استعانت و استمداد کسی بھی زندہ ولی سے ہاں ہے اس قسم کی استمداد فوت شدہ سے بھی جائز ماننا لازم اور ضروری ہے۔ زندگی اور موت میں اور عالم دُنیا اور عالم برزخ میں فرق کرنے کا قطعاً قرآن و سنت کی رو سے اور ان اکابرین کی تصریحات کے مطابق کوئی جواز نہیں ہے۔

## گھر کی شہادت اہل قبور کی امداد اور ان سے استمداد پر

دوسرے اہل اسلام پر استمداد و استعانت کی وجہ سے اور فوت شدگان میں امداد و اعانت کی خُداداد قدرت و طاقت تسلیم کرنے والوں پر شرک کے فتوے جڑنے والوں کے گھر کا حال ملاحظہ فرمادیں اور اسلام میں دوہری چال اور دوغلی پالیسی ملاحظہ فرمادیں۔ متحدہ ہندوستان میں اہل اسلام کو ابوہل جیسے مشرک قرار دینے کا شوق سب سے پہلے مولوی محمد اسماعیل دہلوی صاحب کو چڑھا اور اس نے تقویۃ الایمان لکھ کر شرک کی مشین گن چلائی اور انبیاء کرام اور اولیاء کرام کو اصنام و اوثان کی مانند قرار دے کر جرات و بیباکی اور جسارت و بیجائی کا مظاہرہ کیا لیکن اپنے پیر و مرشد سید احمد بریلوی کے لیے دوسرا معیار اور علیحدہ پیمانہ رکھا چنانچہ ان کے مدارج و مراتب کی تفصیلی رویدادوں بیان کی ہے۔

## چشتی فنون

۱۔ امانت چشتیہ پس بیانش آنکہ روزے حضرت ایشاں بسوئے مرقد منور



حضرت خواجہ خواجگان خواجہ قطب الاقطاب بختیار کاکی قدس سرہ العزیز تشریف  
 بردند نہ ہر مرقد ایشاں مراقب نشستند - دریں اثنا بروح پر فتوح ایشاں  
 ملاقات مستحق شد و آنجناب بر حضرت ایشاں توجہ بس قومی فرمودند کہ بسبب  
 اس توجہ ابتدائے حصول نسبت چشتیہ مستحق شد - (صراطِ مستقیم ص ۱۶۶)

سید احمد بریلوی صاحب کو سلسلہ چشتیہ کی نسبت اور خلافت حاصل ہونے  
 کا بیان یہ ہے کہ ایک دن آپ حضرت خواجہ خواجگان قطب الاقطاب بختیار  
 کاکی قدس سرہ العزیز کے مزار پر انوار پر حاضر ہوئے اور مراقبہ میں بیٹھ گئے۔  
 اسی دوران ان کی رُوح پر فتوح کے ساتھ ملاقات ہو گئی اور حضرت خواجہ  
 قطب الدین قدس سرہ نے ان پر بہت قوی توجہ فرمائی کہ اس توجہ کی بدولت  
 سلسلہ چشتیہ کے ساتھ نسبت و تعلق کی ابتداء ہو گئی اور خلافت و نیابت کی  
 اہلیت پیدا ہو گئی۔

نوٹ : اس سے معلوم ہوا کہ قبور کے ساتھ ارواح کا تعلق قائم ہوتا  
 ہے۔ حاضری دینے والوں کا ان کو علم و ادراک بھی ہوتا ہے۔ ان کے ارواح  
 میں تربیت و ارشاد اور تکمیل مراتب و درجات کی اہلیت موجود ہوتی ہے،  
 اس لیے ان کی رُوح کو پر فتوح کہا۔ نیز ان میں قوت و قدرت بھی موجود  
 ہوتی ہے اسی لیے قوی توجہ ہو سکی۔ اور اگر اغیار قبور پر جائیں اور اس طرح  
 کی استمداد و استعانت چاہیں تو ابوجہل قرار پائیں اور اپنے مشائخ اور پیرانِ عظام  
 جائیں تو ولیِ کامل بن کر واپس آئیں یا للعجب۔



## غائبانہ اور دُور دراز سے فوت شدہ حضرات کی امداد

یہ تو تھا مزارِ پُر انوار پر جا کر استفاضہ و استفادہ کرنا اور بامقصد و بامراد واپس آنا۔ اب ذرا دُور دراز سے غائبانہ اور فوق الاسباب امداد و اعانت کے مناظر دیکھیں اور دوہرے اسلام اور دوہری توحید پرستی کی داد دیں۔

۲۔ رُوحِ مقدّس جناب غوث الثقلین رضی اللہ تعالیٰ عنہ جناب حضرت خواجہ بہاؤ الدین نقشبند قدس سرّہ متوجّہ حال ایشاں گردیدہ و تا یکماہ فی الجملہ تنازعہ در مابین روحین مقدّسین و رُوحِ حضرت ایشاں ماندہ زیرا کہ ہر واحد ازین ہر دو امام تقاضائے جذب حضرت ایشاں بتمامہ سوئے خود می فرمود تا اینکه بعد انقراض زمانہ تنازعہ و وقوع مصاحت بر شرکت روزے ہر دو مقدّس رُوح بر حضرت ایشاں جلوہ گر شدند و تا قریب یکپاس ہر دو امام بر نفس نفیس ایشاں توجّہ قوی و تاثیر زور آوری فرمودند تا اینکه در ہماں یک پاس حصول نسبت ہر دو طریقہ نصیبہ ایشاں گردید۔ (ص ۱۶۶)

حضرت غوث الثقلین حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ اور حضرت خواجہ بہاؤ الدین نقشبند قدس سرّہ کے ارواحِ مقدّسہ سید احمد بریلوی صاحب کے حال پر متوجّہ ہوئے اور دونو حضرات میں تقریباً ایک ماہ تک اختلاف و نزاع رہا کیونکہ ان دونو اماموں میں سے ہر ایک سید صاحب کو مکمل طور پر اپنی طرف جذب کرنے اور اپنے رنگ میں رنگنے کا ارادہ رکھتا تھا۔ حتیٰ کہ



اختلاف و نزاع کے اختتام اور صلح و آشتی کے حصول کے بعد دونوں حضرات  
مشترکہ طور پر فیض دینے پر رضامند ہو گئے اور ایک دن دونوں کی مقدس رُوحیں  
ان پر جلوہ گر ہوئیں اور تقریباً ایک پہر تک قوی توجہ اور زور دار تشریح  
فرمائی۔ حتیٰ کہ اسی وقت میں دونوں طریقِ قادریہ اور نقشبندیہ کی نسبتیں ان  
کے نصیب ہو گئیں۔

## نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اور حضرت علی اور حضرت زہرا رضی اللہ عنہما کی امداد و اعانت،

اب ذرا سرورِ کائنات فخرِ موجودات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وصحبہ وسلم کی  
امداد و اعانت اور حضرت مولائے مرتضیٰ علی شہِ خُدا کی شفقت و عنایت اور  
حضرت سیدہ فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہما کا انعام و اکرام بھی ملاحظہ فرمادیں :  
۳۴۔ حضرت ایشاں جناب رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم را در منام دیدند  
و آنجناب سے فرما بدست مبارک خود حضرت ایشاں را خورایندند (تا) و بعد  
ازاں کہ بیدار شدند در نفس خود اثر سے ازاں رویائے حقہ ظاہر و باہر یافتند  
(تا) بعد ازاں روز سے جناب ولایت مآب حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ  
و جناب سیدۃ النساء فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہما را بخواب دیدند پس جناب علی  
المرتضیٰ رضی اللہ عنہ ایشاں را بدست مبارک خود غسل داد (تا) و جناب فاطمہ  
زہرا رضی اللہ عنہا لباس بس فاخرہ بدست مبارک خود ایشاں را پوشانیدند۔  
(ص ۱۶۳)



سید احمد بریلوی صاحب نے رسولِ معظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خواب میں دیکھا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تین چھوہارے ایک ایک کر کے سید صاحب کے منہ میں ڈالے اور جب بیدار ہوئے تو اس سچے خواب کا اثر ظاہر و باہر پایا۔ ایک دن اس کے بعد جناب علی المرتضیٰ اور حضرت سیدہ زہرا رضی اللہ عنہما کی زیارت ہوئی تو حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سید صاحب کو اچھی طرح لیل کر غسل دیا اور ان کا بدن صاف کیا جیسے کہ ماں باپ بچوں کے ساتھ کرتے ہیں۔ اور حضرت سیدہ فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہما نے بہت ہی عمدہ لباس اپنے ہاتھ مبارک سے سید احمد بریلوی صاحب کو پہنایا۔

**فوائد:** ۱۔ حضور سیدنا غوثِ اعظم رضی اللہ عنہ کا مزار پر انوار بغداد میں حضرت خواجہ بہاؤ الدین نقشبند رضی اللہ عنہ کا بنجارا میں، حضور سید عالم نور مجسم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا روضہ اطہر مدینہ منورہ میں اور حضرت سیدہ زہرا رضی اللہ عنہا کا مزار پر انوار مدینہ منورہ میں اور حضرت علی المرتضیٰ کا نجف اشرف میں اور ان کے ارواح مقدسہ جنت الفردوس میں اور اعلیٰ علیین میں تو یہاں دہلی میں سید احمد بریلوی کی موجودگی اور وہ بھی صدیوں بعد ان کو کیسے معلوم ہو گئی؟

۲۔ پھر ان کی شکل و صورت اور وضع قطع کا تعین و تشخیص کیسے ممکن ہو گیا؟

۳۔ نیز ان کے رہائشی محلہ اور حویلی اور مکان کا علم کیونکر ہو گیا۔

۴۔ کیا یہ سبھی حضرات عالم الغیب اور حاضر و ناظر کے صفاتِ جلیبہ کے ساتھ موصوف تھے کہ صرف ہزاروں نہیں لاکھوں میلوں کی مسافت پر بہشتِ بری لے رضی اللہ عنہ۔



میں ہوتے ہوتے یہ سب کچھ معلوم ہو گیا ؟ صرف دوسرے اولیاء کرام عالم الغیب اور حاضر و ناظر نہیں ہوتے ؟

۵- علاوہ ازیں حضرت غوث الثقلین اور خواجہ نقشبند رضی اللہ عنہما میں روحانی قوت کہاں سے آگئی ؟ اور اس جہاں میں تدبیر و تصرف کی قدرت کیسے حاصل ہو گئی ؟

۶- کیا یہ مافوق الاسباب غائبانہ تدبیر و تصرف ہے یا نہیں ؟

۷- نبی مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سوتے میں سید صاحب کو تین چھوہارے کھلا کر کمالات نبوت کی تکمیل کیسے کرادی اور فنا فی الرسول کے مقام بالا اور بقا بالرسول کے منصب اعلیٰ پر فائز کیسے کر لیا ؟

۸- ان علماء دیوبند کے بقول تو مرجانے والے کھجور کی گٹھلی پر موجود باریک جھلی کے بھی مالک نہیں تو سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سالم تین چھوہاروں پر ملکیت کیسے حاصل ہو گئی ؟

۹- پھر جگائے بغیر اور داشت توڑے بغیر کھلانے کی اور ان کھجوروں کے ذریعے باطنی مراتب اور روحانی درجات کی تکمیل کی قوت و طاقت اور قدرت و استطاعت کیسے حاصل ہو گئی ؟

۱۰- حضرت علی رضی اللہ عنہ کو نل نل کر دھونے اور بدن کی میل کچیل دُور کرنے کی قوت و طاقت کیسے حاصل ہو گئی اور پانی کے برتن اور پانی کہاں سے اٹھا کر لائے تھے ؟

۱۱- اور حضرت زہرا رضی اللہ عنہا کو یہ بیش قیمت خلعتِ فاخرہ کہاں سے مل گئی ؟



اور سید صاحب کو پہنانے کی قوت و طاقت کہاں سے آگئی؟

۱۲۔ اور کیا قطمیر (کھجور کی گٹھلی کا چھدکا) زیادہ قیمتی اور نایاب نعمت ہے؟ یا ولایت اور نسبت چشتیہ و قادریہ اور نقشبندیہ کہ اول الذکر کے مالک نہیں مگر ثانی الذکر کے نہ صرف مالک ہیں بلکہ عطا کرنے پر قادر بھی ہیں اور کرتے بھی رہتے ہیں!

۱۳۔ کیا پکاریں تو نہیں سُنتے اور نہ جانتے ہیں

لَا يَسْمَعُونَ دُعَاءَكُمْ (سورہ فاطر آیت ۱۳)

مگر بغیر پکارے جان بھی لیتے ہیں اور پہچان بھی لیتے ہیں؟

۱۴۔ اور پکارنے پر سن بھی لیں تو امداد و اعانت نہیں کر سکتے مگر پکارے بغیر خود بخود امداد و اعانت کر سکتے ہیں اور کرتے رہتے ہیں؟

۱۵۔ اگر پکاریں تو غافل اور بیخبر ہو جاتے ہیں؟

هُمْ عَنْ دُعَائِهِمْ غَفِلُونَ (سورہ الاحقاف آیت ۵)

مگر نہ پکاریں تو باخبر اور باشعور ہوتے ہیں؟

۱۶۔ اگر پکاریں تو قیامت تک جواب سے بھی عاجز و قاصر،

مَنْ لَا يَسْتَجِيبُ لَهُ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ (سورہ الاحقاف آیت ۵)

مگر پکارے بغیر قیامت سے پہلے بہت پہلے بلکہ صدیاں پہلے لوگوں کے گھروں میں پہنچ کر ان کے عظیم ترین مقاصد و مطالب اور اہم ترین مراتب و مقامات میں امداد و اعانت فرما سکتے ہیں؟

۱۷۔ کیا جو کبھی سے بھی کمزور ہوں اور اس سے اپنی چھینی ہوئی چیز واپس نہ



لے سکیں۔

إِنْ يَسْأَلُهُمُ الذَّبَابُ شَيْئًا لَا يَسْتَفِذُوهُ مِنْهُ

(سورة الحج آیت ۷۳)

وہ ایسے کارنامے سرانجام دے سکتے ہیں؟

۱۸۔ اور جن کا کہنا کبھی نہ مانے اور ان کو کوئی اہمیت نہ دے اللہ تعالیٰ کے ہاں ان کی دُعائیں اور شفاعتیں قبول ہوں گی اور ان کی کوئی اہمیت اور پذیرائی ہوگی؟

۱۹۔ جو کبھی سے کچھ نہ لے سکیں وہ اللہ قدیر و مقتدر اور قوی و عزیز سے کوئی شے سید احمد بریلوی کو لے کر دے سکتے تھے؟

۲۰۔ کیا صرف علماء دیوبند کے لیے انبیاء و اولیاء کو عالم الغیب اور حاضر و ناظر اور مدبر و متصرف ماننا درست ہے صرف دوسروں کے لیے ایسا عقیدہ رکھنا شرک ہے؟

تف ہے اس سوچ اور فکر پر اور افسوس ہے اس دوہری توحید پر اور دوہرے اسلام پر۔ اور حیرت ہے اس دیانت اور امانت پر اور تعجب ہے اس علمیت اور تحقیق و تدقیق پر کہ ذی رُوح اور غیر ذی رُوح کو، اولیاء و مقبولان بارگاہ کو اور بتانِ آذری کو، انبیاء کرام اور ملائکہ مقربین کو اور ارشاد و اصنام کو ایک سطح پر رکھنے اور ایک حکم کے حقدار سمجھنے پر اور بتوں کے پجاریوں اور انبیاء و اولیاء کے تابعداروں اور اطاعت گزاروں کو ایک نعرے سے نوازنے پر، اور علماء دین ہو کر اور بزعم خویش یکتائے زمانہ محدث و مفسر



ہونے کے مدعی ہو کر برہمنوں کے نقش قدم پر چلنے پر اور ان کا نظریہ و عقیدہ اپنانے پر، قرآن مجید اور احادیث مبارکہ کو نظر انداز کرنے اور اہل قبور کے سماع و ادراک کا انکار کرنے پر۔

وائے ناکامی متاعِ کاروں جاتا رہا

کارواں کے دل سے احساسِ زیاں جاتا رہا

(جو کہ اکابرین کی تصریح کے مطابق دین سے جہالت اور انکارِ دین اور الحاد و زندقہ ہے مگر مسلمانوں کو مشرک بنانے کے شوق میں گوارا ہے)۔

## تفسیر الایات

علامہ سرفراز صاحب نے اپنے زعم میں انبیاء کرام علیہم السلام اور اولیاء کرام علیہم الرضوان کو مجبور و معذور اور عاجز و قاصر ثابت کرنے کے لیے جن آیات مبارکہ کا سہارا لیا ہے اب ان کی حقیقی تفسیر اور اصلی مصداق اکابر مفسرین اور اعلام علماء کی زبانی سماعت فرمادیں:

۱۔ قولہ تعالیٰ:

إِنَّ الَّذِينَ تَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ لَنْ يَخْلُقُوا ذَبَابًا وَلَا

اجْتَمَعُوا (سورہ حج آیت ۱۷)

جن کو تم پکارتے ہو اللہ تعالیٰ کے سوا وہ ایک مکھی بھی پیدا نہیں کر سکیں گے اگرچہ سبھی جمع ہو جاویں اور اگر مکھی کوئی شے ان سے چھین لے تو وہ اس سے واپس نہ لے سکیں کمزور و ناتواں ہے طلب کرنے والا اور طلب کیا جائیو لا۔



(الف) حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ جو کہ حبر امت اور مفسر صحابہ ہیں ان کا ارشاد ہے کہ یہ آیت بتوں کے حق میں نازل ہوئی ہے جیسے کہ ابن مردویہ نے نقل کیا۔

(ب) حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے ہی ابن جریر اور ابن المنذر نے نقل کیا :

### الطالب الہتکم والمطلوب الذباب

کہ طلب کرنے اور چھیننے والوں سے تمہارے آلہ اور اصنام مراد ہیں اور مطلوب سے مراد مکھی ہے۔

(ج) ابن ابی حاتم نے سدی سے نقل کیا، الصنم لایخلق ذبابا یعنی تمہارے بت مکھی بھی پیدا نہیں کر سکیں گے اور ان کے لیے کھانا اور مٹھائیاں پیش کی جاتی تھیں تو اس کھانے وغیرہ پر مکھی بیٹھ جاتی تھی اور اس سے کھاتی تھی تو ان میں اتنی سکت نہ تھی کہ اس سے اپنا کھانا اور مٹھائیاں محفوظ کر سکتے اور کھایا ہوا واپس لے سکتے ،

يقول يجعل للاصنام طعام فيقع الذباب عليه  
(د) عبد بن حمید اور ابن المنذر نے حضرت عکرمہ سے نقل کیا :

قال الاصنام ذلک السی من الذباب -  
کہ بت اس چیز کو مکھی سے واپس نہیں لے سکتے۔

( تفسیر در منثور جلد رابع ص ۳۷ )

(ه) تفسیر ابن کثیر میں ہے :



لوا جمع جميع ما تقبّدون من الاصنام والانداد  
 علی ان یقدروا علی ذباب واحد - (ص ۲۲۲ جلد ۳) -  
 قال بن عباس الطالب الصنم والمطلوب الذباب واختاره  
 ابن جریر وهو ظاهر السياق وقال السدی وغیره  
 الطالب العابد والمطلوب الصنم -

یعنی تمہارے اصنام و انداد جمع ہو کر ایک مکھی کی تخلیق پر قادر نہیں -

(تا) حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا، یہاں طالب سے مراد  
 صنم ہے اور مطلوب سے مراد مکھی ہے اور ابن جریر نے اسی کو اختیار کیا اور  
 مقصودی معنی کے لحاظ سے بھی ظاہر یہی تفسیر ہے اور سدی وغیرہ نے کہا ہے  
 کہ طالب سے مراد عابد ہے اور مطلوب سے مراد بت ہے - (ص ۲۲۲) -  
 یہی تحقیق اور تدقیق اور تفسیر و تعبیر دیگر کتب تفسیر میں بھی ہے ملاحظہ ہو  
 معالم التنزیل، تفسیر خازن، روح المعانی اور روح البیان اور تفسیر مظہری اور  
 تفسیر صاوی وغیرہ میں مذکور ہے -

(۹) علامہ شبیر احمد صاحب عثمانی دیوبندی فرماتے ہیں :

سچ تو یہ ہے کہ مکھی بھی کمزور اور مکھی سے زیادہ ان کے بت کمزور اور  
 بتوں سے بڑھ کر ان کا پوجنے والا کمزور جس نے ایسی کمزور اور حقیر مخلوق کو  
 اپنا معبود بنا لیا - (ص ۵۸۷ حاشیہ قرآن)

۲- نیز اس آیت کریمہ میں انبیاء کرام علیہم السلام اور اولیاء کرام علیہم الرضوان  
 کو شامل کرنے کا دار و مدار ان کے اجسام اور قبور سے روح کے غیر متعلق ہونے



پر ہے اور اس کا بطلان مُسَلَّم ہے اور کچھ تصریحات پیش کی جا چکی ہیں اور مکمل بحث ہماری کتاب جلا الصدور میں ملاحظہ کریں۔ اور جب یہ حقیقت مسلمہ ہے کہ ارواح کا ابدان سے تعلق موجود و مستحق ہے تو جو امور عظام ان سے حیاتِ ظاہرہ میں سرزد ہو سکتے تھے وہ اب بھی ان سے سرزد ہو سکتے ہیں بلکہ بقول حضرت شیخ زروق اور حضرت ابوالعباس حضرمی بلکہ بقول علامہ بضاوی امام رازی، علامہ سید محمود آلوسی، علامہ اسمعیل حقی اور حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی اور شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہم اللہ دنیوی زندگی سے بھی اکمل اور اعلیٰ طریق پر صادر ہو سکتے ہیں۔

۳۔ حضرت آصف بن برخیا نے کتنا بڑا تخت کتنی مسافت سے اور کس قدر کثیر التعداد انسانوں اور جنوں کے پرہ کے باوجود اٹھا کر حضرت سلیمان علیہ السلام کی خدمت میں رکھ دیا کیا ایسی روحانی قوت والی ہستی سے مکھی بڑھ سکتی ہے؟ ہاں کوئی دیوبند میں ایسی عظیم مکھی ہو تو میں نہیں کہہ سکتا عام علاقوں کی مکھیوں کی ان کے سامنے کیا مجال؟

## موسیٰ کلیم علیہ السلام کی شانِ ادا و قدرت

۴۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت ملک الموت کو رُوح قبض کرنے سے روک دیا بلکہ تھپڑ لگا کر اس کی آنکھ نکال دی۔ تو جس ہستی مقدس کے سامنے ملک الموت اپنی قدرت و طاقت کا مظاہرہ نہ کر سکے اور رُوح قبض نہ کر سکے جب تک وہ اجازت نہ دیں تو مکھی بیچاری کی وہاں کیا مجال، علامہ



سید محمد انور شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ابھی ہلکا سا تھپڑ رسید کیا تھا کیونکہ وہ موت کا فرشتہ تھا اور اس کو باقی رکھنا چاہتے تھے اس لیے صرف آنکھ مچھوڑنے پر اکتفا کیا ورنہ تو ان کے تھپڑ سے ساتوں آسمان بھی ریزہ ریزہ ہو جاتے۔

انما فقاءت عينه فقط لانه كان ملك الموت والا  
لاندقت السموات السبع من لطمه غضبه

(فیض الباری شرح بخاری ص ۴۶ جلد ۲)

ایسی خداداد عظیم قدرت و قوت کی مالک ہستیوں کے سامنے علامہ صاحب کی عظیم سے عظیم تر کھسی کی بھی کیا حیثیت ہو سکتی ہے؟  
۵۔ حضرت سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کا پرندے بنانا از روئے نصِ مشرانی ثابت ہے۔ قال تعالیٰ:

اِنِّیْ اَخْلَقُ لَکُمْ مِّنَ الطَّیْنِ کَهَيْئَةِ الطَّیْرِ فَاَنْفِخْ  
فِیْهِ فِیْکُوْنُ طَیْرًا بِاِذْنِ اللّٰهِ (سورہ آل عمران آیت ۴۹)

اگر ان کا پرندوں کے بننے میں خلق و ایجاد اور سببیت و کسب کسی طرح کا بھی دخل نہیں تھا تو پھر اپنے امتیازی کمالات میں اور ولّٰلِ نبوت میں اس کا ذکر کیوں فرمایا لہذا ثابت ہوا کہ از روئے سببیت اور کسب آپ کا دخل تھا۔  
۶۔ نیز آپ فرماتے ہیں:

اُحِی الْمَوْتِی بِاِذْنِ اللّٰهِ (سورہ آل عمران آیت ۴۹)

گلی سڑی ہڈیوں کو جمع کرنا اور مکمل کرنا پھر ان پر گوشت و پوست کا



لباس پہنانا پھر کفن کی بھری بوسیدہ تاروں کو از سر نو کامل کفن بنانا اور پھر روح کا اس میں لوٹانا بطور کسب اور سبیت آپ کا ہی فعل ہے تو کبھی بنانا اس شانِ اعجازی کے مالک سے بعید بھی نہیں ہو سکتا ہے چہ جائیکہ ناممکن ہو جبکہ مشرکین مکہ اور دیگر مشرکین کے معبوداتِ باطلہ بطور سبیت اور کسب بھی یہ کارنامے سرانجام نہیں دے سکتے تھے! جب نہیں دے سکتے تھے اور قطعاً نہیں دے سکتے تھے تو پھر ان مقدس ہستیوں کو ان مجبور اور بے بس چیزوں کے ساتھ شامل کرنے کا کیا جواز تھا۔

لہذا انبیاء کرام اور اولیاء کرام کو اس آیت کا مصداق بنا کر انہیں صنم و اوثان کی مانند مجبور و معذور ثابت کر کے علامہ صاحب نے علماء اعلام اور اکابرین ملت کی مخالفت بھی کی ہے اور آیات و احادیث کی بھی مخالفت کی ہے اور ان مقدس ہستیوں کی شانِ بالا اور مقامِ اعلیٰ میں تفریط و تنقیص بھی کی ہے اور مکمل بے ادبی اور اسارت کا مظاہرہ بھی کیا ہے۔ قولہ تعالیٰ:

قُلِ ادْعُوا الَّذِينَ زَعَمْتُمْ مِنْ دُونِ اللَّهِ لَا يَمْلِكُونَ

مِثْقَالَ ذَرَّةٍ فِي السَّمَاوَاتِ وَلَا فِي الْأَرْضِ وَمَا لَهُمْ فِيهَا

مِنْ شِرْكٍَ وَمَا لَهُ مِنْهُمْ مِنْ ظَهِيرٍ (سورہ بآیت ۲۲)

آپ کہہ دیجیے پکارو تم جن کو تم اللہ تعالیٰ کے نیچے خیال کرتے ہو وہ مالک نہیں ذرہ بھر کے آسمانوں میں اور زمینوں میں اور نہ ان کی ان دونوں میں کوئی شراکت ہے اور نہ ان میں سے کوئی اس (اللہ تعالیٰ) کا مددگار ہے

۱۔ اقول: اس آیت کریمہ میں ملائکہ اور انبیاء و اولیاء درحقیقت داخل



ہی نہیں کیونکہ مشرکین ان کی فرضی مورتیوں کو پوجتے تھے تو درحقیقت وہی مورتیاں ان کی معبود تھیں اور وہ واقعی ذرہ بھر کی مالک نہیں تھیں، نہ بطور استقلال اور نہ بطور شراکت، نہ ذاتی طور پر اور نہ عطائی طور پر۔

۲۔ اگر علامہ صاحب کے زعم و گمان کے مطابق یہ سبھی حضرات اس قول باری تعالیٰ میں داخل ہوں تو لامحالہ ان سے نفی ذاتی طور پر مالکیت کی ہوگی نہ کہ عطائی کی بھی۔ اوثان و اصنام ذاتی اور عطائی ہر طرح کی ملکیت سے محروم جبکہ ان مقدس ہستیوں کو بے طائے الہی ملکیت و تصرف بھی حاصل اور اقتدار و اختیار بھی۔ اور اللہ تعالیٰ کا امتیاز و اختصاص ذاتی مالکیت اور تدبیر و تصرف کے ساتھ ہے۔ عطائی ملکیت اور تدبیر و تصرف کا اس میں پایا جانا محال ہے، بلکہ یہ بھی اس کی شان الوہیت کا تقاضا ہے کہ دوسروں کو ملک و سلطنت اور مالکیت و تصرف اور اقتدار و اختیار عطا کرے۔

ارشاد خداوند تعالیٰ ہے :

۱۔ قُلِ اللَّهُمَّ مَلِكُ الْمَلِكِ تَوَّيْتُ الْمَلِكَ مِنْ تَشَاءٍ وَتَنْزِعُ الْمَلِكَ مِنْ تَشَاءٍ ن

(سورہ آل عمران آیت ۲۶)

فرمادیجئے اے اللہ ملک کے مالک تو دیتا ہے یہ ملک جس کو چاہے، اور چھین لیتا ہے جس سے چاہے۔

۲۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کو بے مثال سلطنت و حکومت عطا فرمائی اور ان کا یہ مطالبہ اکمل طریقہ پر پورا فرمایا :



رَبِّ اغْفِرْ لِي وَهَبْ لِي مُلْكًا لَا يَنْبَغِي لِأَحَدٍ مِّنْ بَعْدِي

(سورہ ص آیت ۲۵)

اے میرے پروردگار مجھے ایسا ملک اور تسلط عطا فرما جو میرے علاوہ کسی کے شایان شان اور لائق نہ ہو۔

۳- حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کی آل کے متعلق فرمایا :

اتَيْنَاهُمْ مُلْكًا عَظِيمًا ۝ (سورۃ النسا۔ آیت ۵۴)

ہم نے ان کو عظیم ملک عطا کیا۔

۴- فرود، شہاد اور فرعون خدائی و عویدار بھی تھے اور ان کو عظیم ملک اور تسلط اور اقتدار و اختیار عطا کیا گیا تھا۔

۵- رسل ملائکہ، جبرئیل، میکائیل، عزرائیل اور اسرافیل علیہم السلام کو مختلف النوع تدبیرات اور تصرفات کی قدرت و طاقت دی گئی ہے۔

۶- ارواحِ کاملین بعد از وفات و وصال بھی تدبیر و تصرف کے مازون ہوتے ہیں جیسے کہ فالمدبرات امر کی تفسیر میں اکابرین ملت نے ذکر فرمایا اور مولوی محمد اسماعیل صاحب دہلوی کی صراطِ مستقیم سے چند حوالے درج کیے جا چکے ہیں اور علامہ اشرف علی تھانوی صاحب کی کتاب جمال الاولیاء ایسے سینکڑوں واقعات پر مشتمل ہے۔

۷- حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں :

ایں فقیر چوں بعالم ارواح متوجہ شد آنجا چند طبقہ یافت۔ یکے طبقہ ملا۔ اعلیٰ و درآں جا ملائکہ علویہ مدبرہ را یافت چوں جبرئیل و میکائیل علیہما السلام



و بعض نفوس بنی آدم را یافت کہ بایشان لاجق شدہ اند و ہمہ گم ایثاں گشتہ۔  
(ہمعات ص ۵)

یعنی یہ فقیر جب عالم ارواح کی طرف متوجہ ہوا تو وہاں چند طبقات  
موجود پائے ایک طبقہ ملائعہ اعلیٰ کا ہے اور اس جگہ ملائکہ علویہ کو پایا جو کائنات  
کی تدبیر پر مامور ہیں مانند جبریل اور میکائیل کے اور بعض بنی آدم کو پایا جو ان  
کے ساتھ لاجق ہو چکے ہیں اور ان کے رنگ میں رنگے ہوئے ہیں۔

الغرض ذاتی اور عطائی ملک و تسلط اور تدبیر و تصرف کی انبیاء کرام اور  
ملائکہ عظام اور اولیاء کرام سے نفی کرنا سراسر باطل اور اصنام و اوثان کے حق  
میں مشرکین کا ایسے تصرفات اور اختیارات ثابت کرنا بھی باطل اور ہمارے  
مذہب میں عطائی ملک و تسلط اور تدبیر و تصرف ان کو حاصل ہے اور اس کی  
اس آیت کریمہ میں قطعاً نفی اور انکار نہیں۔ مشرکین اللہ تعالیٰ کو اپنے آلہ  
کی امداد و اعانت کی طرف محتاج اور مفتقر مانتے تھے اسی لیے انہوں نے  
لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ سُنْ كَرَانْكَارِ كِيَا اور کہا :

أَجْعَلُ الْإِلَهَةَ إِلَهًا وَاحِدًا ۖ إِنَّ هَذَا لَشَيْءٌ عَجَابٌ ۝

(سورہ ص آیت ۵)

اور اسی امداد و اعانت کی اللہ تعالیٰ نے نفی فرمائی اور اپنا استقلال  
اور تفرّد بیان فرمایا۔ جبکہ اہل اسلام اللہ تعالیٰ کی طرف سے از روئے اعزاز  
و اکرام اور عنایت و رحمت بعض حضرات کے لیے ملک و ملک اور تدبیر و  
تصرف اور اقدار و اختیار ثابت کرتے ہیں اور اس کا انکار نصوص قطعہ کا



انکار ہے۔ اور یہودی ذہنیت اور عقیدہ کا مظاہر ہے جنہوں نے کہا تھا:

بِيدِ اللّٰهِ مَغْلُوْلَةٌ (سورة المائدہ آیت ۶۴)

اللہ تعالیٰ کے پاس ہے تو بہت کچھ مگر کبھی کسی کرتا ہے اور نخل سے کام

لیتا ہے۔

تو اللہ تعالیٰ نے ان کا رد کرتے ہوئے فرمایا:

غَلَّتْ اَيْدِيْهِمْ وَلَعِنُوْا بِمَا قَالُوْا اِذْ اَوْمِرُ بِاَيْدِيْهِمْ مَّبْسُوْطَتِيْنَ

يَنْفِقُ كَيْفَ يَشَاءُ (سورة المائدہ آیت ۶۴)

ان کے ہاتھ بند ہوں اور وہ ملعون ہو گئے بسبب اس قول کے بلکہ اس

کے دونوں ہاتھ کشادہ ہیں اور خرچ فرماتا ہے اور عطا کرتا جیسے کہ چاہتا ہے۔

لہذا مقبولانِ بارگاہِ خداوند تعالیٰ کے لیے عطائی اختیارات کی بھی نفی کرنا

نہ صرف خلافِ منصوص اور باطل ہے بلکہ موجبِ لعنت پروردگار ہے۔

علامہ شبیر احمد صاحب عثمانی فرماتے ہیں:

یہاں سے مشرکین کو خطاب ہے یعنی اللہ تعالیٰ کے سوا جن چیزوں

کے لیے تم نے خدائی منصب کا گمان کر رکھا ہے ذرا کسی آڑ سے وقت میں ان

کو پکارو تو سہی دیکھیں وہ کیا کام آتے ہیں۔

یعنی یہ مسکین کیا کام آتے جنہیں آسمان وزمین میں نہ ایک ذرہ کا مستقل

اختیار حاصل ہے بلکہ بتوں کو تو غیر مستقل بھی نہیں۔ (ص ۳۹)

علامہ سید محمود آلوسی فرماتے ہیں:

والامر للتويع والتعجيز الى ادعواهم فيما



یہمکم من دفع ضرا و جلب نفع لعلہم یستجیبون  
لکم ان صح دعواکم روی ان ذلک نزل عند الجوع

الذی اصاب قریشا - (ص ۱۲۵ جلد ۲۲)

اللہ تعالیٰ کی طرف سے مشرکین کو اپنے آلہ کے پکارنے کا حکم انکی سرزنش اور عجز ظاہر کرنے کے لیے ہے یعنی ان کو اپنے اہم امور میں ضرر و نقصان دور کرنے کے لیے یا نفع و فائدہ حاصل کرنے کے لیے پکارو ہو سکتا ہے وہ تمہارا مطلوب پورا کریں اگر تمہارا دعویٰ درست ہے تو مروی ہے کہ اسی قول باری تعالیٰ کو اس وقت نازل کیا گیا جب قریش کو شدید بھوک نے اپنی لپیٹ میں لیا ہوا تھا اور قریش پر اس شدید قحط اور بھوک کی شدت کا نزول نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دُعا سے ہوا تھا اور وہ بالآخر مجبور ہو کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں ہی دُعا کے لیے حاضر ہوئے جیسے کہ احادیث مبارکہ اور کتب تفسیر اور کتب سیر میں اس کی تفصیل مذکور ہے۔ لہذا اس صورت میں نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اللذین یدعون من دون اللہ میں داخل کرنا اور دیگر مقبولانِ بارگاہ کو اس میں شامل کرنا سراسر زیادتی ہے۔ کیونکہ رسولوں کا اور اللہ تعالیٰ کا معاملہ تو ایک ہے یہاں سرزنش ان کے لحاظ سے ہے جن کی امداد و اعانت کے زعم میں وہ علامی رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کتراتے تھے اور اعراض و احترام کرتے تھے بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے معاند و مخالف اور جانی دشمن بنے ہوئے تھے۔

۵۔ نیز اسی آیت کریمہ کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا:



وَلَا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ عِنْدَهُ إِلَّا لِمَنْ أَذِنَ لَهُ ط

(سورہ بآیت ۲۳)

تو اس کے تحت علامہ آلوسی فرماتے ہیں :

والمراد نفی شفاعة الھتھم لھم لکن ذکر ذلک علی وجہ عام لیكون طریقاً برہانیا (الی) الا کائنة لشافع اذن له فیھا من التبیین والملیكة ونحوھم من المستاہلین لمقام الشفاعة و من البین انھم لا یوذن لھم فی شفاعة الکفار فقد قال اللہ تبارک وتعالی لا یتکلمون الا من اذن له الرحمن وقال صوابا والشفاعة لھم بمعزل عن الصواب وعدم الاذن للاصنام ابین و ابین فتبین حرمان هؤلاء الکفرة بالکلیة (الی) یثبت من هذا حرمان هؤلاء الکفرة من شفاعة الشفعاء المستاہلین للشفاعة بعبارة النص وعن شفاعة الاصنام بدلالته اذ حین حرموھا من جهة القادرین علیھا فی الجملة فلان یحرموھا من جهة العجزة بالکلیة اولی - (ص ۱۲۵)

درحقیقت یہاں پر مشرکین کے آئمہ کی شفاعت کی نفی کرنا مراد و مقصود ہے لیکن اس نفی کو عموم کے طریقہ پر ذکر کر دیا گیا ہے تاکہ برہانی انداز بن جائے یعنی کسی بھی شافع کی شفاعت نفع نہیں دے گی مگر جس شافع کو اللہ تعالیٰ



اذن شفاعت دے گا انبیاء اور ملائکہ وغیرہ میں سے جو شفاعت کے مقام و منصب کے لائق ہیں اور یہ امر واضح ہے کہ انہیں کفار کی شفاعت کی اجازت نہیں دی جائے گی کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے شفیع کلام نہیں کریں گے مگر جس کو رحمن اذن دے گا اور وہ درست قول کرے گا اور کفار کے لیے شفاعت صواب سے بعید ہے اور بتوں کے لیے اذن کا نہ پایا جانا بالکل واضح تر ہے لہذا ان کفار کا کلیۃً شفاعت سے محروم ہونا واضح ہو گیا (نہ بذاتِ خود اور نہ بالاذن) اور یا آیت کریمہ کا مطلب یہ ہے کہ جس مشفوع اور مجرم کے لیے اللہ تعالیٰ شفاعت کی اجازت دے گا اس کو نافع ہوگی اور جس کے حق میں انبیاء و رسل اور ملائکہ وغیرہ کو جو شفاعت کے اہل ہیں اجازت نہیں دے گا تو اس کے حق میں نافع نہیں ہوگی اگرچہ بالفرض پاتی بھی جائے اور اس صورت میں ان کفار کا شفاعت کے اہل اور مستحقین حضرات کی شفاعت سے محروم ہونا عبارت النص سے ثابت ہو جائے گا اور اصنام کی شفاعت سے محروم ہونا دلالت النص کے طور پر ثابت ہو جائے گا کیونکہ جب ان کی شفاعت سے محروم رہے جو فی الجملہ شفاعت پر قادر ہیں تو جو اصنام و اوثان شفاعت سے عاجز و قاصر ہیں ان کی شفاعت سے کلیۃً محروم ہونا بطریق اولیٰ ثابت ہو جائے گا۔

اقول ان تفسیر و تقریر سے یہ بھی واضح ہو گیا کہ :

قُلِ ادْعُوا الَّذِينَ زَعَمْتُمْ مِنْ دُونِ اللَّهِ (سورہ سبا آیت ۲۲)

کا حقیقی مصداق اہم و اوثان ہیں اور یہ بھی واضح ہو گیا کہ اصنام و اوثان سے ملکیت اور شفاعت وغیرہ کی مراد نفی کر دی گئی ہے لیکن انبیاء و رسل اور ملائکہ وغیرہ سے استعلائی اور ذاتی



ملکیت اور شفاعت کی نفی ہے عطائی اور موہوبہ ملکیت اور شفاعت کی ہرگز ہرگز نفی نہیں ہے تو اس آیت کریمہ کو ہمارے خلاف پیش کرنے کا قطعاً کوئی جواز نہیں ہے

۶۔ اگر علامہ سرفراز صاحب ٹھنڈے دل و دماغ سے سوچیں تو انہیں روز قیامت در رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر حاضر ہونا ہی پڑے گا اور یا رسول اللہ اشفع لنا الی ربک کہنا ہی پڑے گا اور وہ زمین میں شریک نہ ہونے کے باوجود اور اللہ تعالیٰ کے معاون و مددگار نہ ہونے کے باوجود بفضلہ تعالیٰ ہمارے شافع و شفیع اور معاون و مددگار بنیں گے اور اللہ تعالیٰ کے قہر و غضب سے بچائیں گے جس طرح دنیا میں صحابہ کرام علیہم الرضوان کو دُعاؤں اور رُوحانی و قلبی توجہات سے قحط سالیوں اور دیگر شدائد اور مشکلات میں مدد بہم پہنچاتے رہے۔

لہذا کم از کم اپنے لیے استحقاق شفاعت باقی رکھنے کے لیے ہی شرم و حیا سے کام لیتے ہوئے ان مقبولانِ بارگاہِ قدس کو اصنام و اوثان پر قیاس نہ کریں اہل السنّت غریبوں کو مشرک بنانے کے شوق میں اپنے لیے شفاعت کے دروازے بند کر لینا بہت ہی خسارے کا سودا ہے۔

آج لے ان کی پناہ آج مدد مانگ ان سے

کل نہ مانیں گے قیامت میں اگر مان گیا

۳۔ قولہ تعالیٰ :

قُلْ أَفَرَأَيْتُمْ مَا تَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ إِنْ أَرَادَنِيَ اللَّهُ بِضُرٍّ هَلْ هُنَّ كَاشِفَاتُ ضُرِّهِ أَوْ أَرَادَنِي بِرَحْمَةٍ هَلْ هُنَّ مُمْسِكَتُ رَحْمَتِهِ قُلْ حَسْبِيَ اللَّهُ عَلَيْهِ



## يَتَوَكَّلُ الْمُتَوَكِّلُونَ ۝

(سورہ زمر آیت ۲۸)

آپ کہہ دیجیے بھلا دیکھو تو جن کو تم پکارتے ہو اللہ تعالیٰ کے نیچے اگر چاہے اللہ تعالیٰ مجھ پر کچھ تکلیف تو وہ ایسے ہیں کہ کھول دیں تکلیف اس کی ڈالی ہوئی؟ یا اگر وہ چاہے مجھ پر مہربانی تو وہ ایسے ہیں کہ روک دیں اس کی مہربانی کو، تو کہہ مجھ کو تو اللہ تعالیٰ ہی بس ہے۔ اس پر بھروسہ رکھتے ہیں بھروسہ رکھنے والے۔

۱۔ اس آیت کریمہ سے علامہ سرفراز صاحب نے انبیاء و رسل اور اولیاءِ کرم اور مقبولانِ بارگاہ کی امداد و اعانت، نفع رسانی اور ضرر و نقصان سے بچانے کی خداداد صلاحیت و استطاعت کی نفی کرنا چاہی ہے جو سراسر دھاندلی اور تحکم و سینہ زوری ہے کیونکہ اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ کے مقابلہ کی اور اس کے ارادہ کے برعکس کام کرنے کی بات کی گئی ہے اور اہل اسلام میں سے کون اس کا قائل ہے اور کون اس امر کا معتقد ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی مرضی و منشا اور ارادہ و مشیت کے برعکس کوئی نبی و رسول اور ولی و مقرب امداد و اعانت کر سکتا ہے؟

ہمارا صرف اور صرف یہی عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی نیابت و خلافت اور قربت و ولایت کو ملحوظ رکھتے ہوئے ان کی دُعا و التجا کو ضرور شرفِ قبولیت بخشا ہے اور وہ اللہ تعالیٰ سے ہی منافع اور مصالح و لواطف ہیں اور نقصان اور مضار سے نجات دلاتے ہیں لہذا تقابل پر مشتمل آیت کریمہ کا ہمارے مذہب و مسلک اور عقیدہ و نظریہ سے کیا تعلق؟ اس میں تو جبری اور قہری شفاعت و نصرت کے قائلین کا رویہ ہے نہ کہ دُعا و التجا والی شفاعت کا۔



## علامہ سرفراز کی سطحیت

۲۔ نیز علامہ صاحب کو آیت کریمہ میں غور و خوض کرنے کا موقعہ ہی نہیں ملا، اور نہ اچھی طرح نظر سے ہی دیکھنے کی توفیق نصیب ہوئی ہے ورنہ ان کو مآ ت دعون من دون اللہ کے ساتھ ساتھ ہُنَّ کی ضمیر جمع مؤنث غائب بھی نظر آجاتی اور کاشفات اور مسکات کے جمع مؤنث کے صیغے بھی نظر آجاتے اور وہ ہمارے شفعاء اور معاونین انبیاء و رسل اور اولیاء و اصفیاء اور ملائکہ معصومین کی بجائے مؤنثات کو ہی اس آیت کریمہ کا مصداق بناتے نہ کہ ان حقیقی اور حکمی مذکوروں کو اس کا مصداق بناتے۔ چلو اپنے محبوب مشرکین مکہ کی طرح ملائکہ کو بنات اللہ سمجھ کر مؤنث قرار دے بھی لیں تو کم از کم انبیاء و رسل اور اولیاء کرام کے متعلق تو اس جہالت اور حماقت کا کوئی جواز نہیں ہے جبکہ کسی عام مومن کے لیے ملائکہ کو بھی مؤنث قرار دینے کا کوئی جواز نہیں چہ جائیکہ کسی عالم کو اور وہ بھی جو بلند بانگ دعوا ہائے علم و فضل رکھنے والا ہو مگر حیرت ہے کہ علامہ سرفراز صاحب نے عملی طور پر اس جرات و جسارت کا مظاہرہ کر دیا ہے۔

۳۔ دراصل بات یہ تھی کہ مشرکین مکہ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دھکی دی تھی کہ ہمارے آلہہ کے سب دشتم سے باز آ جاؤ ورنہ ہم ان سے کہیں گے کہ وہ تمہیں مجنونا کھواس اور مجنون بنا دیں جیسے کہ امام عبدالرزاق اور ابن المنذر نے حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے :



قالوا للنبی صلی اللہ علیہ وسلم لتکفن عن شتم  
الہتنا اولنا مرہا فلتخبلنک -

تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

وَيُخَوِّفُونَكَ بِالَّذِينَ مِنْ دُونِهِ ط (سورة الزمر آیت ۳۶)

کہ وہ آپ کو ان معبوداتِ باطلہ سے خوفزدہ کرتے ہیں۔ تم انہیں پہنچ  
کہ دو جو کرنا ہے اپنے خداؤں سے کہہ دو میرے ساتھ کر لیں نہ وہ میرے  
رب کی رحمت کو روک سکتے ہیں جو اس نے مجھ پر نازل فرمائی ہے اور فرمائے گا  
اور بالفرض کوئی مجھے ضرر پہنچانے کا ارادہ کرے تو اس کو دور نہیں کر سکتے۔

۴۔ فریابی اور عبد بن حمید نے حضرت مجاہد رضی اللہ عنہ سے یخوفونک  
بالذین من دونہ کے تحت نقل کیا، قال الاوثان۔

قتادہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول معظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت  
خالد رضی اللہ عنہ کو عزیبت کے تباہ کرنے کے لیے بھیجا تو اس کا مجاور اور  
خادم کہنے لگا، یا خالد انی احذر کھا لا یقوم لہا شیء۔ اے خالد  
میں تجھے اس سے دور رہنے کی تلقین کرتا ہوں کیونکہ اس کے سامنے کوئی شے  
ٹھہر نہیں سکتی تو حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے اس کو توڑ پھوڑ دیا۔

عبد بن حمید اور ابن جریر نے حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ سے قول باری تعالیٰ:

قُلْ اَفَرَأَیْتُمْ مِمَّا تَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللّٰهِ (سورة الزمر آیت ۳۸)

کی تفسیر میں نقل کیا یعنی الاصنام کہ یہاں سے بت مراد ہیں۔

(تفسیر درمنثور للامام السیوطی ص ۲۲۸ جلد ۵)



۵۔ حافظ ابن کثیر فرماتے ہیں :

يخوفونك بالذين من دونه يعني المشركين يخوفون  
الرسول صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ويتوعدونه باصنامهم  
والهتهم التي يدعونها من دون الله جهلا منهم و  
ضلا لا (الى) كما قال هود عليه السلام لقومه  
حين قال قومه وان نقول الا اعتراك بعض  
الهتنا بسوء -

یعنی مشرکین رسولِ مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خوفزدہ کرتے تھے، اور  
ڈراتے تھے اپنے اصنام و آلہ سے جن کو وہ از روئے جہالت اور ضلالت  
پوجتے تھے تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تمہارے اصنام اور آلہ  
میرے نفع اور نقصان کے قطعاً مالک نہیں ہیں مجھے اللہ تعالیٰ کافی ہے، اور  
اہلِ توکل اسی پر توکل اور بھروسہ رکھتے ہیں جیسے کہ حضرت ہود علیہ السلام  
نے فرمایا جب کہ ان کی قوم نے کہا تھا ہم تو یہی کہتے ہیں کہ ہمارے خداؤں میں  
سے کسی نے تمہیں آسیب میں مبتلا کر دیا ہے اور مجنون بنا دیا ہے۔ تو حضرت  
ہود علیہ السلام نے فرمایا :

إِنِّي أَشْهَدُ اللَّهَ وَأَشْهَدُ وَأَنْتِ بَرِيءٌ مِّمَّا تَشْرِكُونَ ۝  
مِنْ دُونِهِ فَكِيدُونِي جَمِيعًا ثُمَّ لَا تُنظِرُونِ ۝

(سورہ ہود آیت ۵۴ - ۵۵)

میں اللہ تعالیٰ کو گواہ بناتا ہوں اور تم بھی گواہ رہو کہ میں بری ہوں



ان سے جنہیں تم اللہ تعالیٰ کا شریک ٹھہراتے ہو پس تم سبھی میرے ساتھ کید و  
مکر کر لو اور مجھے بالکل مہلت نہ دو۔

اِنِّی تَوَكَّلْتُ عَلَی اللّٰهِ رَبِّی وَّرَبِّکُمْ -

میں نے اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کیا ہے جو میرا پروردگار ہے اور تمہارا

پروردگار ہے۔ ( ص ۵۲ جلد ۲ )

اور ایسے ہی دیگر تفاسیر میں مذکور ہے۔

## اصنام کی وجہ تانیث

الغرض یہاں پر ماتدعون من اللہ سے مراد اصنام و اوثان ہیں اور قرآن مجید

نے انہیں ہی مونثات قرار دیتے ہوئے فرمایا :

اِنَّ یَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِہٖۤ اِلَّاۤ اِنۡشَآءَ ( سُوْرۃ النّٰس آیت ۱۱ )

امام راغب فرماتے ہیں بعض مفسرین نے لفظی احکام کو ملحوظ رکھتے ہوئے

کہا کہ چونکہ مشرکین کے معبودات کے اسماء مونث تھے ( اللات والعزیٰ

ومناة الثالثہ ) تو اس لیے ان کو اناث ( مونثات ) فرما دیا لیکن اصح

یہ ہے کہ یہاں معنوی احکام کے تحت ان کو مونثات قرار دیا گیا ہے کیونکہ اثر پذیر

چیز کو انیث کہا جاتا ہے اور چونکہ موجودات تین قسم پر ہیں۔ موثر و فاعل غیر

متاثر و غیر منفعل، و ذلک ہو الباری عزاسمہ فقط یعنی موثر و فاعل ہو، اور

متاثر و منفعل نہ ہو یہ صرف باری تعالیٰ کی ذات اقدس ہے۔ و منفعل غیر فاعل

و ذلک ہو ابجدات۔ دوسرا قسم یہ ہے کہ صرف اثر پذیر ہوں موثر نہ ہوں،



اور یہ صرف جمادات ہیں۔

و منفعلا من وجه كالمليكة والجن والانس وهم  
بالاضافة الى الله تعالى منفعة وبالاضافة الى  
مصنوعاتهم فاعلة -

اور تیسرا قسم یہ ہے کہ ایک پہلو سے اثر پذیر اور متاثر ہوں جیسے ملائکہ  
اور جن و انسان کہ اللہ تعالیٰ کی نسبت کے لحاظ سے منفعل و متاثر ہیں اور اپنے  
مصنوعات کے لحاظ سے فاعل اور موثر ہیں۔

ولما كانت معبوداتهم من جملة الجمادات التي  
هي منفعة غير فاعلة سماها الله تعالى انثى وبكثهم  
بها ونبههم على جهلهم في اعتقاد انها الهة  
مع انها لا تعقل ولا تسمع ولا تبصر بل لا تفعل فعلا  
بوجه و على هذا قول ابراهيم عليه السلام يا ابت  
لِمَ تَعْبُدُ مَا لَا يَسْمَعُ وَلَا يُبْصِرُ وَلَا يُغْنِي عَنْكَ شَيْئًا

(سورة مريم آیت ۲۲)

(مفردات فی غریب القرآن ص ۲۸)

اور جبکہ ان کے معبودات جمادات میں سے تھے جو فقط اثر پذیر تھے  
موثر نہیں تھے تو اللہ تعالیٰ نے ان کو مونث کہا اور ان کی اس طرح سرزنش  
فرمائی اور انہیں ان کے جہل و نادانی پر متنبہ کیا ایسی چیزوں کو الہہ اعتقاد  
کہنے میں حالانکہ وہ نہ سمجھ سکتے ہیں اور نہ سن اور دیکھ سکتے ہیں اور اسی



معنی پر محمول ہے قول حضرت ابراہیم علیہ السلام کا :

اے میرے باپ تو کیوں عبادت کرتا ہے اس شے کی جو نہ سُنتی ہے  
نہ دیکھتی ہے اور نہ کسی طرح کا نفع تجھے دے سکتی ہے۔

لہذا اس آیت کریمہ کا بھی محل نزاع استعانت و استمداد سے کوئی تعلق  
نہیں ہے اور انبیاء و رسل اور محبوبانِ بارگاہِ قدس کے خُدا و اَدِ مراتب و مناصب  
اور افادہ و افاضہ کی استعداد و استطاعت کی نفی و انکار پر اس میں قطعاً دلالت  
نہیں ہے۔

امام ابن جریر اپنی تفسیر جامع البیان میں ارشاد فرماتے ہیں :

قوله تعالى

وَلَيْنَ سَأَلْتَهُمْ مِّنْ خَلْقِ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ لَيَقُولُنَّ اللَّهُ

(سورة الزمر آیت ۳۸)

يقول تعالى ذكره لنبيه صلى الله عليه وسلم ولئن سألت  
يا محمد هؤلاء المشركين العادلين بالله الاوثان  
والاصنام من خلق السموات والارض ليقولن الذي  
خلقهن الله فاذا قالوا ذلك فقل افرئتم ايها  
القوم هذا الذي تعبدون من دون الله من  
الاصنام والالهة ان ارادني الله بضر يقول بشدة  
في معيشتي هل هن كاشفت عني ما يصيبني  
به ربي من الضر او ارادني برحمة يقول ان



ارادنی ربی ان یصیبنی سعة فی معیشتی وکثرة  
 مالی وریحاء و عافیة فی بدنی هل هن ممسکت  
 عنی ما ارادنی ان یصیبنی بد من تلك الرحمة و  
 ترك الجواب لاستغناء السامع بمعرفة ذلك و  
 دلالة ما ظهر من الكلام علیه والمعنى انهم  
 سيقولون لا فقل حسبى الله مما سواه من الاشياء  
 كلها اياه اعبد والیه انزع فی امورى دون كل  
 شئ سواه فانه الكافی وبيده الضر والنفع لا الی  
 الاصنام و الاوثان التى لا تضرو ولا تنفع علیه يتوكل  
 المتوكلون (الی) وبنحو ما قلنا فی ذلك قال اهل التاویل  
 (الی) عن قتادة قوله هل هن كاشفات ضمه یعنی الاصنام

(صفحة نمبر ۶ جلد نمبر ۲۳)

اور اگر آپ سوال کریں ان سے کہ کس نے پیدا کیا آسمانوں اور زمین  
 کو تو وہ کہیں گے اللہ نے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم  
 سے کہ اے محمد اگر آپ سوال کریں ان مشرکین سے جو اللہ تعالیٰ کیساتھ  
 اصنام و اوثان کو مسادات اور برابری کا درجہ دینے والے ہیں کہ آسمانوں  
 اور زمین کو کس نے پیدا کیا تو وہ کہیں گے جس نے ان کو پیدا کیا ہے وہ اللہ  
 ہے۔ جب وہ یہ اقرار کر لیں تو ان سے کہو مجھے بتلاؤ تو سہی اسے قوم یہ  
 اصنام اور اوثان اور آلمہ جن کو تم اللہ تعالیٰ کے علاوہ پوجتے ہو اگر اللہ تعالیٰ



میرے ساتھ ضرر کا ارادہ کرے یعنی میری معیشت میں تنگی پیدا کرنے کا تو یہ مجھ سے دُور کر دیں گے وہ جو مجھے میرا رب ضرر اور نقصان پہنچائے، اَوْ اَرَادَنِي بِرَحْمَةٍ یعنی اگر میرا رب مجھے وسعت دینے کا ارادہ فرمائے میری معیشت میں اور مال کی فراوانی اور افزونی کا اور بدنی عافیت کا تو کیا یہ روک لیں گے مجھ سے جو اللہ تعالیٰ مجھے اپنی رحمت سے دینا چاہے۔ اور اس سوال کا جواب ترک فرما دیا کیونکہ سننے والے اس کا جواب جاننے کی وجہ سے جواب کی توجیح سے مستغنی تھے اور کلام اپنے ظاہر کے لحاظ سے اس جواب پر دلالت کر رہا تھا اور مقصد یہ ہے کہ وہ کہیں گے نہیں تو آپ کہہ دیجیے مجھے اللہ تعالیٰ کافی ہے اپنے ماسوا تمام اشیاء سے۔ میں اسی کی عبادت کرتا ہوں اور اسی کی طرف پناہ پکڑتا ہوں اپنے تمام امور میں نہ دوسری اشیاء کی طرف کیونکہ وہی کافی ہے اور اس کے ہاتھ میں میرا نقصان اور نفع ہے نہ طرف اصنام و اوثان کے جو نہ ضرر پہنچا سکتے ہیں اور نہ منفعت اور اس پر بھروسہ کرتے ہیں بھروسہ کرنے والے۔ اور جو معنی اس آیت کریمہ کا ہم نے کیا ہے اہل تاویل و تفسیر نے یہی معنی کیا ہے چنانچہ قتادہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ان کاشفات الضر اور مسکات رحمت سے اصنام مراد ہیں۔

## نبی علیہ السلام سے شفاعت اور دعا کرنے کا حکم

نیز اگر نبی الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور دیگر انبیاء و رسل علیہم السلام اور مقبولان بارگاہِ خداوند تعالیٰ کی طرف اللہ تعالیٰ کی رحمت کے حصول اور



اس کے ضرر و نقصان سے تحفظ کے لیے بطور شفاعت اور توسل و استغاثہ بھی رجوع جائز نہ ہوتا تو اللہ تعالیٰ قطعاً رسول معظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف رجوع کا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دعا کرانے اور شفاعت کی اپیل کا حکم ہمیں نہ دیتا۔ قولہ تعالیٰ :

وَلَوْ أَنَّهُمْ إِذْ ظَلَمُوا أَنفُسَهُمْ جَاءُوكَ فَاسْتَغْفَرُوا  
اللَّهَ وَأَسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُولُ لَوَجَدُوا اللَّهَ تَوَّابًا رَّحِيمًا ۝

(سورة النور آیت ۶۴)

اور نبی مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مومنین کے لیے دعا فرمانے اور انہیں مطمئن کرنے اور راحت پہنچانے کا پابند نہ فرماتا۔ قال تعالیٰ :

وَأَسْتَغْفِرْ لِدَنِّكَ وَلِلْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ ط

(سورة محمد آیت ۱۹)

وقال تعالیٰ :

خُذْ مِنْ أَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيهِمْ  
بِهَا وَصَلِّ عَلَيْهِمْ إِنَّ صَلَاتَكَ سَكَنٌ لَهُمْ ط

(سورة التوبة آیت ۱۰۳)

نیز وہ اعراب جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ اقدس میں بیٹے اور تحفے پیش کرتے اور صدقات و خیرات آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں پیش کرتے اللہ تعالیٰ کی مالی عبادت کے طور پر اور نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دُعاؤں سے مشرف ہونے کے لیے تو ان کی داد و تحسین نہ فرماتا بلکہ ان کی



مالی عبادت میں دعاؤں کی خواہش و آرزو کی ملاوٹ پر اس عبادت کو رد فرما دیتا حالانکہ اللہ تعالیٰ نے اس پر ان کی تحسین بھی فرمائی اور ان صدقات و خیرات اور ہدایا و تحائف کو عظیم قربت اور عبادت بھی قرار دیا چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے :

وَمِنَ الْأَعْرَابِ مَنْ يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَيَتَّخِذُ  
مَا يُنْفِقُ قُرْبًا عِنْدَ اللَّهِ وَصَلَوَاتِ الرَّسُولِ أَلَّا  
إِنَّهَا قُرْبَةٌ لَهُمْ ۗ

(سورة التوبة آیت ۹۹)

اور اعراب میں سے بعض وہ ہیں کہ جو کچھ خرچ کرتے ہیں اسکو اللہ تعالیٰ کے ہاں قربت اور نزدیکی کے لیے اور رسول معظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دُعائیں حاصل کرنے کے لیے خرچ کرتے ہیں۔ آگاہ رہو وہ خرچ کیا ہو مال ان کے لیے بہت بڑی قربت اور عبادت ہے۔

الغرض اللہ تعالیٰ کے مقابلہ پر کسی سے اس کی مُراد اور مشیت کے خلاف نفع کے حصول اور ضرر کے دُور کرنے کی اُمید رکھنا علیحدہ امر ہے اور اللہ تعالیٰ کے محبوبوں اور مقبولوں کی دُعاؤں کے ذریعے خود اللہ تعالیٰ سے نفع رسانی اور ضرر سے بچانے کی اُمید رکھنا علیحدہ امر ہے پہلی صورت اسلام و ایمان کے سراسر خلاف ہے اور کفر و شرک اور دوسری صورت عین اسلام اور روح ایمان ہے لہذا اس آیت کریمہ کا بھی تنازعہ فیہ استعانت و استمداد سے کوئی تعلق نہیں ہے اور انبیاء و رسل اور محبوبانِ بارگاہِ قدس کے خدا داد مراتب و مناصب اور افادہ و افاضہ کی استمداد و استطاعت کی نفی اور انکار پر اس میں قطعاً



دلالت نہیں ہے۔

## منسار غلطی

یہاں پر بنیادی غلطی علماء دیوبند کی یہ ہے کہ وہ ہمارا عقیدہ یوں فرض کر لیتے ہیں کہ ہم انبیاء و اولیاء کو بذاتِ خود حاجت روا اور مشکل کشا سمجھتے ہیں اور پھر فتوے لگانے شروع کر دیتے ہیں حالانکہ ہم اہل السنّت ان کو حاجت روائی اور مشکل کشائی میں واسطہ و وسیلہ اور سبب و ذریعہ سمجھتے ہیں، اسی لیے ان سے دُعائیں کراتے ہیں۔ یہ نہیں عرض کرتے کہ تم بذاتِ خود ہماری مشکل حل کرو اور حاجت پوری کرو۔ اور اللہ حقیقی حاجت روا اور مشکل کشا ہے اس لیے اس سے یہ نہیں عرض کرتے کہ دُعا فرما دیجیے بلکہ عرض کرتے ہیں ہماری یہ مشکل آسان کیجیے اور یہ حاجت روا کیجیے بلکہ اگر کوئی اللہ تعالیٰ سے دُعا کے لیے عرض کرے تو وہ کُفر و شرک کا مرتکب ہوگا کیونکہ دُعا کرنے والا دُوسرے سے حل مشکل اور قضا حاجات کے لیے عرض کرے گا تو اس طرح اللہ تعالیٰ کا غیر کی طرف محتاج ہونا اور سائل ہونا لازم آگیا اور یہ بے شرک کُفر ہے۔

## ذرا اپنی بھی خبر لیتے

ہم تو اللہ تعالیٰ سے حاجت روائی اور مشکل کشائی کے لیے مقبولانِ بارگاہ سے دُعا کمانے پر بھی مشرک ٹھہرتے ہیں مگر علماء دیوبند اللہ تعالیٰ سے اس غیر اللہ کی راہ پوچھیں اور اس کے در پر قضا حاجات کے لیے جانے کا عزم



ظاہر کریں تو بھی مومن ہی مومن اور سگہ بند موحّد ہی موحّد۔ علامہ محمود الحسن  
شیخ المند صاحب، علامہ رشید احمد صاحب گنگوہی کے مرثیہ میں فرماتے ہیں۔

حوائج دین و دُنیا کے کہاں لے جائیں ہم یارب

گیا وہ قبلہ حاجات رُوحانی و جسمانی

اللہ تعالیٰ حیّ و قیوم کے ہوتے ہوئے رُوحانی و جسمانی حاجات کیلئے  
علامہ رشید احمد صاحب کی موت کے بعد کیوں کوئی قبلہ حاجات نظر نہیں آ رہا  
اور علامہ صاحب کی زندگی میں اگر حاجت روا اللہ تعالیٰ ہوتا تو علامہ صاحب  
کی موت سے یہ خلا کیوں محسوس ہوتا مگر مجال ہے کہ یہاں شرک و کفر کا شائبہ بھی  
لازم آئے۔

جو چاہے آپ کا حُسن کر شمرہ ساز کرے

۴ قولہ تعالیٰ :

قُلْ أَرَأَيْتُمْ مَا تَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ أَرُونِي مَاذَا  
خَلَقُوا مِنَ الْأَرْضِ أَمْ لَهُمْ شِرْكٌ فِي السَّمَوَاتِ  
إِيتُونِي بِكِتَابٍ مِّنْ قَبْلِ هَذَا أَوْ أَثَرَةٍ مِّنْ عِلْمٍ  
إِن كُنْتُمْ صَادِقِينَ ۝ وَمَنْ أَضَلُّ مِمَّن يَدْعُوا مِنْ  
دُونِ اللَّهِ مَنْ لَا يَسْتَجِيبُ لَهُ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ وَ

هُمْ عَنْ دُعَائِهِمْ غَفِلُونَ ۝ (سورہ احقاف آیت ۴-۵)

تو کہہ بھلا دیکھو تو جن کو تم پکارتے ہو اللہ تعالیٰ کے نیچے دکھاؤ۔ تو

مجھ کو انہوں نے کیا بنایا زمین میں یا ان کی شراکت ہے آسمانوں میں۔ لاؤ



میرے پاس کوئی کتاب اس سے پہلے کی اور کوئی عقلی دلیل اور علم جو پہلے چلا آتا ہو اگر ہو تم سچے۔

اور اس سے زیادہ گمراہ کون ہے جو پکارے اللہ تعالیٰ کے نیچے ایسے کو کہ نہ پہنچے اس کی پکار کو قیامت کے دن تک اور ان کو خبر نہیں ان کے پکارنے کی۔

۱۔ اقول : اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے من دون اللہ کے بارے میں فرمایا کہ مجھے دکھلاؤ انہوں نے زمین میں سے کیا پیدا کیا یا آسمان میں ان کی کوئی شراکت ہے تو اس پر نقلی یا عقلی دلیل پیش کرو تو اس سے صاف ظاہر ہے کہ جو لوگ ان کو الہ سمجھتے تھے ان کے متعلق تو یہ مطالبہ ہو سکتا ہے اسی لیے فرمایا :

إِذَا لَذَهَبَ كُلُّ إِلَهٍ بِمَا خَلَقَ

(سورة المؤمنون آیت ۹۱) اور :

لَوْ كَانَ فِيهِمَا آلِهَةٌ إِلَّا اللَّهُ لَفَسَدَتَا

(سورة الانبياء آیت ۲۲)

وغیر ذلک لیکن رسل کرام یا اولیاء کرام سے ان کے منصب رسالت یا ولایت کے پیش نظر اللہ تعالیٰ سے دُعا و التجا کے ذریعے کوئی چیز دلا دینے یا اس کے عطا کردہ خزان میں سے کوئی چیز عطا کر دینے کا عقیدہ رکھنے پر ایسا مطالبہ کیونکر ہو سکتا ہے۔ لہذا صحابہ کرام علیہم الرضوان قحط سالی سے پریشان حالی کا ذکر کرتے یا پیاس سے جان بلب ہونے کی شکایت کرتے یا آنکھوں کی بینائی سے محرومی پر نگاہِ کرم کے ملتجی ہوتے تو ان کو کیسے کہا جاسکتا تھا بتلاؤ مجھے جس رسول کو پکار رہے ہو اس نے زمین کی کونسی شے پیدا



کی ہے یا آسمانوں میں ان کا کوئی حصہ ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال کے بعد روضہ اقدس پر حاضر ہو کر ایسی عرض پیش کرنے سے اس طرح کا رد و انکار کیونکر متصور ہو سکتا ہے۔

۲۔ علاوہ ازیں رسل کرام علیہم السلام کے سماع میں تو کسی کا اختلاف ہی نہیں اور توسل میں بھی اگر اختلاف ہے تو بعد از وصال غیر نبی میں ہے۔ لہذا قیامت تک نہ سن سکنے اور غافل و بیخبر ہونے کا مصداق ان کو کیونکر بنایا جا سکتا ہے جبکہ جمہور اہل اسلام علماء و ائمہ اور اکابرین تمام اہل قبور کے سماع کے قائل ہیں صرف بعض معتزلہ خوارج وغیرہ منکر ہیں تو عام اہل قبور پر بھی اس کو منطبق نہیں کیا جا سکتا چہ جائیکہ اولیاء کرام شہداء اور صدیقین پر لہذا اس آیت کریمہ کو ہمارے مذہب و مسلک کے رد و قدح میں بطور استدلال پیش کرنا سراسر تحکم اور سینہ زوری ہے۔

۳۔ اب مفسرین کرام کے بیان کردہ معانی اور تفاسیر ملاحظہ فرمادیں اور علامہ صاحب کی دھاندلی اور عدوان و طغیان کی داد دیں۔

۱۔ ای لا اضل ممن یدعو من دون اللہ اصناماً و یطلب  
منہا ما لا تستطیعہ الی یوم القیامۃ و ہی غافلۃ  
عما یقولون لا تسمع ولا تبصر ولا تبطش وانہا جماد  
حجارة صم۔ (تفسیر کبیر ص ۱۵۲ جلد ۴)

یعنی کوئی شخص اس سے زیادہ گمراہ نہیں جو اللہ تعالیٰ کے علاوہ بتوں کی عبادت کرتا ہے اور ان سے ایسے امور کی استدعا کرتا ہے جن کی قیامت



تک ان میں استطاعت اور قدرت نہیں اور ان کے اقوال سے غافل ہیں۔  
 نہ سنتے ہیں نہ دیکھتے ہیں اور نہ ہی پکڑ سکتے ہیں کیونکہ وہ بے جان پتھر ہیں اور  
 قوتِ سماعت سے عاری ہیں۔

۲۔ من لا یستجیب یعنی الاصنام لا تجیب عابدیہا الی

شیء یسئلونہا - (خازن دمعالم التنزیل ص ۱۳ ج ۶)

من لا یستجیب سے مراد بُت ہیں جو کہ اپنے عبادت گزاروں کو وہ  
 اشیاء مہیا نہیں کر دیتے جن کا وہ مطالبہ کرتے ہیں۔

۳۔ وہم الاصنام لا تجیب عابد یہم الی شیء یسئلونہم ابدًا

\_\_\_\_\_ وہم عن دُعائہم غفلون لانہم

جماد لا یعقلون (تفسیر جلالین)

من لا یستجیب سے مراد بُت ہیں جو اپنے عابدین کو مطلوبہ چیزیں  
 کبھی بھی مہیا نہیں کریں گے اور وہ ان کی پکار سے غافل ہیں کیونکہ وہ جمادات  
 ہیں اور عقل و فہم سے دور ہیں۔

۴۔ ای ہم اضل من کل ضال حیث ترکوا عبادۃ

خالقہم السميع القادر المجیب الخبیر الی عبادۃ

مصنوعہم العاری عن السمع والبصر والفتدرۃ

والاستجابۃ غفلون لکو نہم جمادات -

(ص ۱۳ ج ۶ تفسیر ابوالاسود حنفی)

یعنی مشرک و کافر سب گمراہوں سے زیادہ گمراہ ہیں جبکہ انہوں نے اپنے



خالق سمیع و بصیر اور کامل قدرت والے حاجات کو پورا کرنے والے کی عبادت چھوڑ کر ایسے بتوں کی عبادت شروع کر لی جو ان کے اپنے بنائے ہوئے ہیں، اور سننے دیکھنے سے محروم، قدرت و طاقت اور حاجت روائی اور مشکل کشائی سے عاجز اور غافل ہیں کیونکہ وہ جمادات اور پتھر ہیں۔

۵۔ والمعنی لا امر بعد عن الحق اقرب الی الجہل  
 ممن یدعو من دون اللہ اصناما ویخذھا الہمۃ  
 ویعبدھا وہی اذا دعیت لا تسمع ولا تصع منها  
 الاجابۃ لا فی الحال ولا بعد ذلک الی یوم القیمہ

(تفسیر کبیر ص ۲۷۷ جلد ۷)

اور معنی یہ ہے کہ کوئی امر حق سے اتنا بعید اور جہالت کے اتنا قریب نہیں جتنا کہ اصنام کی عبادت کہ مشرک انہیں خدا سمجھتے ہیں اور ان کی عبادت کرتے ہیں حالانکہ جب ان کو پکارا جاتا ہے تو سنتے ہی نہیں اور جب کچھ ان سے مانگا جاتا ہے تو دے نہیں سکتے نہ اب اور نہ اس کے بعد قیامت تک۔

۶۔ یقول تعالیٰ :

قل یا محمد صلی اللہ علیہ وسلم لہؤلاء المشرکین  
 باللہ من قومک اریتم ایہا القوم الالہۃ والاونان  
 التی تعبدون من دون اللہ ارونی ای شی خلقوا  
 من الارض (الم) یقول تعالیٰ وای  
 عبد اضل من عبد یدعو من دون اللہ



الہة لا يستجيب لہ الى يوم القيمة يقول  
 لَا يُجِيبُ دُعَاءَهُ اَبَدًا لَانہا حجر او خشب ونحو  
 ذلك وقوله وهم عن دعاءهم غفلون  
 فيقول تعالى ذكره والہتمم التي يدعونہم  
 عن دعاءهم اياہم في غفلة لانه لا تسمع  
 ولا تنطق ولا تعقل وانما عنى بوصفها بالغفلة  
 تمثيلها بالانسان الساہى عما يقال له اذ كانت  
 لا تفہم مما يقال لها شيئاً كما لا يفہم الغافل  
 عن الشئ ما غفل عنه وانما هذا توبيخ من اللہ  
 لہؤلاء المشركين لسوء رائئہم وقبح اختيارہم  
 في عبادة من لا يعقل شيئاً ولا يفہم وتركہم في  
 عبادة من جميع ما بہم نعمتہ ومن بہ استغاثہم  
 عند ما ينزل بہم من الحوائج والمصائب وقيل  
 من لا يستجيب لہ فاخرج ذكرہ الالہة وهي جماد  
 مخرج ذكرہ بنى آدم ومن لہ الاختيار والتميز  
 اذ كانت قد مثلت عبدتها بالملوك والامراء  
 التي تخدم في خدمتہم اياہا فاجرى الكلام  
 في ذلك على نحو ما كان جارياً فيه عندهم۔

(سک ج ۲۶ تفسیر ابن جریر)

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی قوم کے



مشرکین سے کہیے مجھے بتلاؤ کہ یہ آلمہ اور اوثان جنکی تم اللہ تعالیٰ کے علاوہ پوجا کرتے ہو انہوں نے کونسی شئی زمین میں سے پیدا کی ہے (تا) اور کون آدمی زیادہ گمراہ ہے اس شخص سے جو اللہ تعالیٰ کے علاوہ پکارتا ہے ایسے آلمہ کو کہ وہ قیامت تک اس کی پکار کو نہ پہنچیں یعنی اس کی دُعا کو ہرگز قبول نہ کریں کیونکہ وہ پتھریا لکڑی وغیرہ ہیں قولہ وہم عن دُعاءہم غفلون یعنی ان کے آلمہ جنہیں پکارتے ہیں وہ ان کی پکار سے غفلت میں ہیں کیونکہ وہ نہ سنتے ہیں اور نہ بولتے ہیں اور نہ سمجھتے ہیں۔ اور ان کو غافل سے تعبیر کرنے سے مقصود ان کو ایسے انسان کے ساتھ تشبیہ دینا ہے جس کو جو کہا جائے وہ اسے بھول جاتے۔ کیونکہ وہ آلمہ بھی اس کو نہیں سمجھتے تھے جو انہیں کہا جاتا تھا جیسے کسی شے سے غافل انسان اس کو نہیں سمجھ سکتا اور یہ اللہ کی طرف سے ان مشرکین کے لیے سرزنش ہے ان کی بڑی رائے اور قبیح پسند کی وجہ سے کہ ایسی چیز کی عبادت کرنے لگے جو نہ کسی چیز کو جانیں اور نہ ہی سمجھ سکیں اور اس ذات کی عبادت ترک کی کہ جو کچھ ان کے پاس ہے سبھی اس کا انعام ہے اور جس کے ساتھ ان کا استغاثہ ہے تمام حاجات اور مصائب میں اور کہا گیا ہے کہ من لا یستجیب لہ (میں ذوی العقول والی تعبیر اختیار کرتے ہوئے) ان کے آلمہ کا ذکر کیا جیسے کہ وہ باختیار اور صاحب تمیز ہوں حالانکہ وہ جمادات ہیں کیونکہ ان کے عبادت گزاروں نے انہیں ملوک اور امراء کی مانند مخدوم بنا رکھا تھا تو اس لیے یہاں کلام ان کے ساتھ اسی انداز اور طریقہ کے مطابق کر دی گئی۔



الغرض ان اکابرین کی تصریحات سے واضح ہو گیا کہ اس آیت کریمہ کا مصداق بھی اصنام و اوثان اور جمادی معبودات ہیں اور اس کو انبیاء و رسل اور اولیاء و اصفیاء پر منطبق کرنا جو سراسر روحانی اور نورانی حواس و مشاعر اور قومی اور مدارک کے مالک ہیں سراسر تحکم اور سینہ زوری ہے اور مشرکین کی بُتوں سے استعانت کو اہل اسلام کے مقبولانِ بارگاہ سے تو سُل و شفاعت پر منطبق کرنا حد سے تجاوز اور سراسر عدوان و طغیان ہے اور دین میں کھلی تحریف کے مترادف ہے اور بلا وجہ اہل اسلام کو مشرک بنانے کا فضول شوق ہے

۵۔ قولہ تعالیٰ :

وَالَّذِينَ تَدْعُونَ مِنْ دُونِهِ مَا يَمْلِكُونَ مِنْ قِطْمِيرٍ  
 اِنْ تَدْعُوهُمْ لَا يَسْمَعُوا دَعَاءَكُمْ وَلَوْ سَمِعُوا  
 اسْتَجَابُوا لَكُمْ وَيَوْمَ الْقِيَامَةِ يَكْفُرُونَ بِشِرْكِكُمْ  
 وَلَا يُنَبِّئُكَ مِثْلُ خَبِيرٍ ۝ (سورہ فاطر آیت ۱۳-۱۴)

اور وہ لوگ جن کو تم پکارتے ہو اللہ تعالیٰ کے در سے وہ مالک نہیں کھجور کی گٹھلی کے ایک چھلکے کے۔ اگر تم ان کو پکارو تو سُنیں نہیں تمہاری پکار اور اگر سُنیں بھی تو پہنچ نہ سکیں تمہارے کام پر اور قیامت کے دن منکر ہونگے تمہارے شرک سے اور کوئی نہ بتلائے گا تجھے جیسا بتلائے خبر رکھنے والا خداوند تعالیٰ۔

اقول اس آیت کریمہ سے بھی ہمارے مذہب و مسلک کی خلاف استدلال لغو اور باطل ہے کیونکہ بذاتِ خود ان کے مالک ہونے کا ہمارا عقیدہ نہیں بلکہ بعبائے الہی مالک ہونے کے قائل ہیں اور اس کا انکار کتاب و سنت کا



انکار ہے نیز اللہ تعالیٰ حقیقی معین و مستعان ہے اور ان مقبولانِ بارگاہ سے امداد و اعانت بطور دُعا و شفاعت طلب کی جاتی ہے جس کو کفر و شرک قرار دینا کسی ہوشمند انسان کے لیے بھی ممکن نہیں چہ جائیکہ مومن اور عالم کے لیے آیتے اب اکابر مفسرین کرام کی زبانی اس آیتِ کریمہ کا حقیقی مصداق معلوم کریں۔

۱۔ امام نسفی حنفی تفسیر مدارک میں فرماتے ہیں :

یعنی الاصنام التي تقبّدونها لا يسمعون دعاءكم

لا نهم جماد - (ص ۳۳۴ ج ۳)

۲۔ تفسیر خازن میں فرمایا :

والذين تدعون من دونه یعنی الاصنام لا يسمعون دعاءكم

لا نهم جماد - (ص ۳ ج ۵)

دونو کی تفسیر کا مفہوم یہی ہے کہ الذین تدعون من دونه سے مراد

بُت ہیں اور وہ ان کی پکار اس لیے نہیں سُنتے کہ جمادات ہیں۔

۳۔ امام فخر الدین رازی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں :

ابطال لما كانوا يقولون ان في عبادة الاصنام

عزة من حيث القرب والنظر اليها وعرض الحاجج

عليها والله تعالى لا يرى ولا يصل اليه احد فقال

هو لاء لا يسمعون دعاءكم والله يصعد اليه الكلم

الطيب فيسمع ويقبل - (تفسیر ص ۳۲ ج ۷)



اس آیتِ کریمہ میں مشرکین کے اس قول کا ابطال ہے کہ اصنام کی عبادت میں عزت و وقار ہے ان سے قرب اور ان کے دیدار کے لحاظ سے اور (رو برو ہو کر) حاجات پیش کرنے کے لحاظ سے جبکہ اللہ تعالیٰ نہ تو دیکھا جاسکتا ہے اور نہ اس تک کسی کی رسائی ہی ہے۔ تو اللہ تعالیٰ نے ان کے رد و ابطال میں فرمایا کہ یہ تمہارے اصنام تمہاری نداء و پکار نہیں سننے جبکہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں پاکیزہ کلمات رسائی پاتے ہیں پس وہ سناتا ہے اور قبول فرماتا ہے۔

۴۔ حافظ عماد الدین ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں :

والذین تدعون من دونہ ای من الاصنام والانداد  
التي هي على صور من تزعمون من الملائكة المقربين  
ان تدعوهم لا يسموا دعاءكم يعني الالهة التي  
تدعونها من دون الله لا تسمع دعاءكم لانها جماد  
لا ارواح فيها ولو سمعوا ما استجابوا لكم اي  
لا يقدرن على شيء مما تطلبون منها ويوم القيمة  
يكفرون بشرككم اي يبترون منكم كما قال تعالى  
وَمَنْ أَضَلُّ مِمَّن يَدْعُو مِنْ دُونِ اللَّهِ مَنْ لَّا  
يَسْتَجِيبُ لَهُ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ وَهُمْ عَنِ دُعَائِهِمْ  
غفلون ○ (سورة الاحقاف آیت ۵)

الذین تدعون من دونہ یعنی اصنام اور انداد جن کو انہوں نے



بزرگم خویش ملائکہ مقربین کی صورتوں پر بنا رکھا تھا۔ ان تدعوہم لا یسمعوا دعاءکم یعنی وہ آئمہ جن کو تم پکارتے ہو اللہ تعالیٰ کے علاوہ تمہاری پکار نہیں سنتے کیونکہ وہ جماد ہیں ان میں رُوحیں نہیں ہیں۔ ولو سمعوا ما استجابوا لکم یعنی اس چیز پر قادر نہیں جو تم ان سے طلب کرتے ہو۔ اور قیامت کے دن تمہارے شرک کا انکار کریں گے یعنی تم سے بیزاری ظاہر کریں گے، اور یہ آیت کریمہ بھی قول باری تعالیٰ: ومن اصل ممن یدعون دون اللہ کی مانند ہے یعنی اس میں بھی اصنام کے پکار پر نہ پہنچنے اور غافل و بیخبر ہونے کا بیان مقصود ہے جس طرح کہ یہاں پر۔

۵۔ قاضی شمس اللہ پانی پتی تفسیر منظہری میں فرماتے ہیں:

والذین تدعون ای الذین تعبد و نھا من الاصنام  
و غیرھا کائنة من دونہ تعالیٰ ما یملکون من قطمیر  
فضلا عن ان یملک شیئا اخر وهو لفافہ رقیقہ  
علی النواة فمن لم یملکہ کیف یمتحن العبادۃ ان  
تدعوہم لقضاء حاجتکم لا یسمعوا دعاءکم  
لانھا جمادات (الی) ولو سمعوا علی سبیل الفرض  
او علی تقدیر کون بعضہم ذا شعور کابلیس ما  
استجابوا لکم لعدم قدرتہم علی الانفاع اولتبرہم  
منکم مما تدعون لہم من الالوہیۃ کعیسیٰ  
وعزیر والملیکہ۔ (صفحہ ۸)



یعنی جن کی تم عبادت کرتے ہو بتوں وغیرہ سے اللہ تعالیٰ کے علاوہ کھجور کی گٹھلی پر موجود باریک پردہ کے بھی مالک نہیں چہ جائیکہ زائد کے پس جو اس قدر حقیر چیز کا بھی مالک نہیں وہ عبادت کا حقدار کیونکر ہو سکتا ہے اگر تم انہیں اپنی حاجات پورا کرنے کے لیے پکارو تو وہ تمہاری پکار نہیں سنیں گے کیونکہ وہ جمادات ہیں اور اگر بالفرض سن لیں یا بعض کے باشعور ہونے کی صورت میں جیسے کہ ابلیس، تو تمہاری مراد کو پورا نہ کر سکیں گے بسبب نفع رسانی پر قادر نہ ہونے کے یا بسبب بیزار ہونے ان کے تم سے ان میں الوہیت کا دعویٰ کرنے کی وجہ سے جیسے کہ حضرت عیسیٰ اور حضرت عزیر اور ملائکہ (علیہم السلام)۔

فائدہ : اقول قاضی صاحب نے سننے کی نفی صرف اصنام اور جمادات سے کی ہے اور حاجت پوری نہ کرنے کا سبب ملائکہ اور حضرت عیسیٰ اور حضرت عزیر علیہم السلام کا ان سے بیزار ہونے کو قرار دے کر باہمی فرق بھی واضح کر دیا اور بیزار نہ ہونے کی صورت میں دُعا و شفاعت کے ذریعے حاجت پوری کرانے کی صلاحیت و استطاعت بھی تسلیم کر لی۔

۶۔ امام ابن جریر فرماتے ہیں : یقول تعالیٰ :

ان تدعوا ایہا الناس ہوّاء الا الہة التي تعبدونها  
من دون اللہ لا یسمعون دعاءکم لانہا جمادات فہم  
عنکم ما تقولون ولو سمعوا ما استجابوا لکم  
یقول ولو سمعوا دعاءکم ایہم وفہموا عنکم  
انہا قولکم بان جعلہم سمعاً لیسمعون بہ ما



استجابولکم لانہا لیست ناطقة ولیس کل  
 سامع قولاً متیسراً لہ الجواب عنہ یقول تعلق  
 للمشرکین بہ الالہة والاولیاء فان فکیف تعبدون  
 من دون اللہ من ہذہ صفتہ وهو لا نفع لکم  
 عنده ولا قدرة لہ علی ضرکم وتدعون عبادة

الذی بیدہ نفعکم وضرکم - (ص ۲۲ ج ۲)

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اے لوگو یہ آلہ جنکی تم اللہ تعالیٰ کے علاوہ  
 عبادت کرتے ہو تمہاری پکار کو نہیں سننے کیونکہ وہ جمادات ہیں جو کچھ تم کہتے  
 ہو وہ نہیں سمجھتے اور اگر وہ تمہاری پکار سن بھی لیں اور سمجھ بھی لیں کہ وہ تمہارا قول ہے،  
 بایں طور کہ اللہ تعالیٰ ان کو سننے کی طاقت دیدے تو جواب نہیں دے سکیں  
 گے کیونکہ وہ ناطق نہیں اور ہر شخص جو کسی قول کا سامع ہو ضروری نہیں کہ  
 اس کے لیے جواب دینا بھی ممکن ہو۔ اللہ تعالیٰ اپنے ساتھ آلہ اور اولیاء کو  
 شریک ٹھہرانے والوں کو فرماتا ہے کہ جن کی یہ حالت ہے اللہ تعالیٰ کے علاوہ  
 ایسی چیزوں کی عبادت کیوں کرتے ہو جبکہ نہ ان کے پاس تمہارا نفع ہے اور نہ  
 نقصان پہنچانے کی قدرت اور اس ذات کی عبادت کو ترک کرتے ہو جس کے  
 دستِ قدرت میں تمہارا نفع بھی ہے اور نقصان بھی۔

الغرض ان اکابر کے ارشادات اور دیگر مفسرین کرام کے اقوال سے یہ  
 حقیقت واضح ہو گئی کہ یہاں اولیاء و اصنام کے سننے اور سمجھنے کی نفی کی گئی ہے  
 اور انبیاء کرام اور رسل عظام اور ملائکہ مقربین اور اولیاء عظام سے سماع و



ادراک اور علم و شعور کی قطعاً نفی نہیں ہے۔ اور اگر نفی ہے تو پھر قریب و بعید اور دُور و نزدیک کا ان آیاتِ کریمہ میں تو فرق نہیں کیا گیا پھر نیوی اینڈ برادران کو کیوں اپنے دعویٰ میں سچا نہیں مانا جاتا لہذا اللہ تعالیٰ سچا اور اس کا کلام و قرآن بھی سچا ہے اور لا محالہ علامہ سرفراز کا دعویٰ جھوٹا اور سراسر کذب ہے بلکہ انکارِ قرآن کے مترادف نیز قرب اور بعد کا تفرقہ جسمانی اور مادی اور مکانی اشیاء کے لیے ہوتا ہے سراسر نُور اور تہجد و مطلق اور لا مکانی کیلئے دُوری ثابت کرنا خلافِ عقل بھی ہے جیسے کہ خلافِ نصوص و نقل بھی ہے۔

## علامہ سرفراز صاحب جواب دیں

علاوہ ازیں اگر علامہ صاحب اپنے اس دعویٰ پر قائم ہیں تو ذرا اس عبارت کے متعلق ہمیں فتویٰ دیں کہ آیا اس میں ارتکابِ شرک ہے یا نہیں ہے۔  
 علامہ حسین احمد صاحب مدنی شیخ العلماء الدیوبندیہ رشید احمد صاحب گنگوہی کے حوالے سے شہابِ ثاقب میں تحریر فرماتے ہیں : ص ۶۱

”مُرید ہم یقین داند کہ رُوح شیخ مقید بیک مکان نیست پس مُرید ہر آنجا کہ باشد قریب یا بعید از شخص شیخ اگرچہ دُور است اما از رُوحانیت او در نیست چوں ایں امر محکم داند و ہر وقت شیخ را یاد دارد و ربط قلب پیدا آید ہر دم مستفید بود و چوں مُرید در حل واقعہ محتاج شیخ بود شیخ را بقلب حاضر آوردہ بلسان حال سوال کند البتہ رُوح شیخ باذن اللہ او را القاء خواہد کرد مگر ربط تام شرط است“  
 مُرید کو یقینی علم اس بات کا ہونا چاہیے کہ شیخ کی رُوح ایک مکان کی



پابند نہیں ہے لہذا مُرید جہاں بھی ہو قریب جگہ یا بعید جگہ میں وہ اگرچہ شیخ کے جسم اور بدن سے دُور ہے لیکن اس کی رُوح سے دُور نہیں ہے جب اس امر کو اچھی طرح جان لے اور ہر وقت شیخ کو یاد رکھے اور قلبی ربط پیدا ہو جائے تو ہر لحظہ مستفید ہوگا اور جب مُرید کسی مشکل واقعہ کے حل میں شیخ کا محتاج ہو تو شیخ کو دل میں حاضر کرتے ہوئے زبانِ حال کے ساتھ سوال کرے یقیناً شیخ کی رُوح اللہ تعالیٰ کے اذن سے اس کو القاء کر دے گی لیکن اس کے لیے ربطِ تام لازمی شرط ہے۔

۱۔ کیا پیر کے حق میں سینکڑوں ہزاروں میل دُور می کے باوجود رُوحانی معیت اور رفاقت کا اعتقاد رکھنا اور اس کا مُرید کی زبانِ حال کو سمجھ لینا اور باذن اللہ مطلوب و مقصود حل کر دینا اور ہر دم افادہ اور فیضان سے مشرف کرتے رہنا تو قابلِ تسلیم ہے مگر تمام رسولوں کے رسول اور انبیاء کے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حق میں ایسا عقیدہ شرک ہے اور دیگر معظّمین کے حق میں بھی ایسا نظریہ شرک ہے؟

۲۔ پیر کے حق میں قرآن مجید کی کس آیت سے اس عقیدہ کا قطعی اثبات پایا گیا ہے کہ مُرید کو اس امر کا یقین رکھنے کا حکم دیا گیا ہے اور رسل و انبیاء اور مقبولانِ بارگاہِ قدس کے حق میں کونسی خصوصی نص دستیاب ہو گئی (جس سے اس عقیدہ کی قطعی نفی پائی گئی) نیز قبل از وفات اور بعد از وفات کا تفاوت کس نص سے ثابت کیا گیا ہے؟ حالانکہ اکابرینِ اُمت قطعاً اس تفرقہ کو تسلیم نہیں کرتے کما صرح بہ ایشیح المحقق۔

۳۔ نیز دنیاوی زندگی میں رُوح کا بدن سے حلوٰی تعلق ہوتا ہے اور رُوح بدن



میں مقید ہوتی ہے تو اگر ایسی حالت میں مُرشد کی رُوح بدن کے برعکس سینکڑوں ہزاروں میل دُور رہنے والے مُرید کے قریب بلکہ اس کی جلیس اور ہمہنشین ہو سکتی ہے تو وفات کے بعد کیونکر اپنے مُریدین اور متعلقین سے قریب تر اور انکی جلیس و ہمہنشین نہیں ہو سکتی جبکہ اس کا بدن میں جس اور تقید ختم ہو جاتا ہے اور اس کو مکمل آزادی میسر ہو جاتی ہے اور بالخصوص کالمین کی ارواح جو ملاءِ اعلیٰ کیساتھ شامل ہو جاتی ہیں اور مدبرات امور میں اور کارکنانِ قضا و قدر میں شامل ہو جاتی ہیں جیسے کہ اکابر مفسرین و محدثین کی تصریحات سے ثابت کیا گیا ہے۔

۴۔ علاوہ ازیں دریافت طلب امر یہ ہے کہ وہ کونسا پیر ہے جس کو مُریدین کے ساتھ اس سے زیادہ پیار اور انس اور محبت و مودت اور رافت و رحمت اور توجہ و التفات اور لطف و کرم کی نظر و نگاہ ہوگی جس قدر رحمتِ محبم نبی مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنی اُمت کے ساتھ ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

بِالْمُؤْمِنِينَ رَءُوفٌ رَّحِيمٌ ○ (سُورَةُ التَّوْبَةِ آيَةُ ۱۲۸)

فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ ○ (سُورَةُ الْاَنْبِيَاءِ آيَةُ ۱۰۷)

ارشادِ خداوند تعالیٰ ہے:

النَّبِيِّ اُولَىٰ بِالْمُؤْمِنِينَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ

(سُورَةُ الْاَعْرَابِ آيَةُ ۶)

تو جب آپ مومنین کے لیے بالعموم بھی اور بالخصوص بھی پیکرِ رحمت ہیں اور ان کے لیے ان کے نفوس و ارواح سے بھی زیادہ قریب ہیں تو پھر آپ



کی طرف حل مشکلات میں متوجہ ہونا کیونکہ درست نہیں ہوگا اور تضا حاجات میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ اقدس میں التجا کیونکہ جائز نہیں ہوگی؟

۵۔ اگر مرید اپنے پیر کی روح کو ہر وقت اپنے ساتھ سمجھے اور حل مشکلات میں معاون و مددگار سمجھے تو کیا یہاں پر عالم الغیب اور حاضر و ناظر سمجھنے والے عقیدہ کا تحقق اور غیر طبعی طور پر اسباب کو حرکت میں لا کر حاجت بر لانے اور مشکل حل کرنے کا نظریہ موجود ہے یا نہیں؟ اگر ہے اور یقیناً ہے تو پھر گنگوہی صاحب اور مدنی صاحب کو بھی کافر و مشرک بلکہ مبدا کفر و شرک کہو اور اگر یہ عقیدہ و نظریہ نہ کفر و شرک ہو اور نہ اس کے پرچارک کافر و مشرک ہوں تو ہم اہل السنّت نبی الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو روحانی اور نورانی حیثیت سے اپنے احوال پر مطلع اور اپنے قریب سمجھ لیں اور دُعا و التجا کے ذریعے اللہ تعالیٰ سے مشکلات حل کرانے والے اور حاجات بر لانے والے سمجھ لیں تو ہم کیونکہ کافر و مشرک ٹھہریں گے اور ہمارا یہ عقیدہ و نظریہ کیونکہ کفر و شرک ٹھہرے گا؟ جبکہ دیوبندی شیخ اور پیر کو بالفرض یہ کمال نصیب ہو تو بھی اللہ تعالیٰ کی عطا سے ہی ہوگا اور نبی الانبیاء علیہم السلام اور دیگر محبوبان خداوند تعالیٰ کو اس سے ارفع و اعلیٰ ترین کمالات و اختصاصات حاصل ہیں تو وہ بھی محض اللہ تعالیٰ کی عطا سے ہیں بالخصوص آپ کے حق میں آیات کریمہ اور احادیث طیبہ شاہد صادق اور دلیل ناطق بھی ہیں جبکہ دیوبندی شیخ کے حق میں ایسی کوئی دلیل بھی موجود نہیں۔

معلوم ہوتا ہے کہ ملت دیوبندیہ میں شرک اور کفر صرف اور صرف



نبی الانبیاء علیہم السلام میں ہی ایسے عقائد و نظریات کی صورت میں پایا جاتا ہے مگر دوسرے جس میں بھی ایسے کمالات تسلیم کر لو خواہ ابلیس اور شیطان لعین میں بھی مان لو کفر و شرک لازم نہیں آسکتا اور یہی عندیہ اور عقیدہ گنگوہی صاحب اور انبیٹھوی صاحب نے برائین قاطعہ میں کھل کر بیان کر دیا ہے۔ لہذا علماء دیوبند کا اختلاف عقیدہ و نظریہ کے لحاظ سے نہیں شخصیات کے لحاظ سے ہے۔ اگر عقیدہ و نظریہ کے لحاظ سے ہوتا تو ہر ایسے شخص پر کفر و شرک کا فتویٰ لگاتے جو کسی بھی غیر اللہ میں علم غیب اور حاضر و ناظر ہونے اور مشکلات حل کرنے اور حاجات بر لانے کا عقیدہ رکھتا۔ جب ایسے نہیں اور بالکل نہیں، جیسے کہ ان کی تصریحات سے ظاہر ہے تو معلوم ہو گیا کہ انہیں صرف اور صرف ذات رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عداوت اور دشمنی ہے اور آپ کے کمالات سے الرجبی اور چڑھے مگر اچھی طرح ذہن نشین کر لیں۔

تُو گھٹانے سے کسی کے نہ گھٹانے نہ گھٹے

جب بڑھتا ہے اللہ تعالیٰ تیرا

مٹ گئے مٹتے ہیں مٹ جائیں گے اعدا تیرے

نہ مٹا ہے نہ مٹے گا کبھی چہرچا تیرا

اور کوئی احسان و انعام آپ کا نہ جانتے اور نہ مانتے تو کم از کم کلمہ پڑھانے اور ایمان و اسلام کی دولت کے حصول میں اہم ترین اور عظیم ترین وسیلہ اور ذریعہ ہونے کا ہی پاس اور لحاظ کر لیتے تو ایسی بیباکیوں اور جسارتوں سے باز رہتے مگر معلوم ہوتا ہے یہ احساس بھی جاتا رہا ہے۔



اور تم پر میرے آقا کی عنایت نہ سی

نجدیو کلمہ پڑھانے کا بھی احسان گیا

الغرض اوثان و اصنام والی آیات کو نبی مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور مقبولانِ بارگاہِ خداوندی پر چسپاں کرنا جہاں علماء مفسرین اور اسلاف کرام کی تصریحات کے خلاف ہے خود دیوبندی علماء کی تصریحات اور ان کے مسلمہ نظریات اور عقائد کے بھی خلاف ہے۔

اب مزید چند حوالے ملاحظہ فرمادیں اور حقیقتِ واقعہ کے اعتراف میں کسی مَنجھل سے کام مت لیں اور ضد و عناد کو مکمل طور پر خیر باد کہیں۔

۷۔ تفسیر نیشاپوری میں فرمایا :

ذٰلِكَ اِنَّ الْمَشْرِكِيْنَ كَانُوْا مُعْتَرِفِيْنَ بِاَنَّ الْاَصْنَامَ لِيُوْا خَالِقِيْنَ وَاِنَّمَا كَانُوْا يَقُوْلُوْنَ اِنَّهٗ تَعَالٰى فَوْضَ اُمُوْر الْاَرْضِيَّاتِ اِلَى الْكُوَاكِبِ الَّتِي هٰذِهِ الْاَصْنَامُ صُوْرَهَا وَطَوَّالِعَهَا فَاخْبَرَ اللّٰهُ اَنْهَمْ لَا يَمْلِكُوْنَ مِنْ قَطْمِيْرِ (الِي) ثُمَّ زَادَ فِي تَوْبِيْحِ الْكُفْرَةِ بِقَوْلِهِ اِنَّ تَدْعُوْهُمْ لَا يَسْمَعُوْا دَعَاكُمْ لَا فِئْمَ جَمَادِ (الِي) وَالْمَعْنٰى اِنَّ هٰذَا الَّذِيْ اَخْبَرْتُمْ بِهٖ مِنْ حَالِ الْاَوْثَانِ هُوَ الْحَقُّ - (ص ۸۶ ج ۲۲)

مشرکین اس امر کے تو معترف تھے کہ اصنام خالق نہیں ہیں اور صرف یہ دعویٰ کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے زمینی کائنات کے امور ان کو اکب کو



سونپ دیتے ہیں جن کے لیے یہ اصنام صورتیں اور مظاہر ہیں تو اللہ تعالیٰ نے خبر دی کہ وہ گٹھلی والے پردہ کے بھی مالک نہیں ہیں۔ پھر اللہ تعالیٰ نے مشرکین کی سرزنش میں اضافہ کرتے ہوئے فرمایا اگر تم انہیں پکارو تو وہ تمہاری پکار نہیں سنیں گے کیونکہ وہ جمادات اور بیجان مجسمے ہیں وَلَا يَسْمَعُ مِثْلَ خَيْرٍ كَمَا مَعْنَىٰ يَهَىٰ كَمَا اَوْثَانٌ كَمَا يَهَىٰ حَالٌ جَوْ مِثْلَ بَيَانٍ كَمَا يَهَىٰ وَهِيَ بَرَحٌ يَهَىٰ كَمَا يَهَىٰ حَقَائِقُ اَشْيَاءٍ سَبَابِ خَيْرٍ كَمَا يَهَىٰ۔

الغرض واضح ہو گیا کہ اس آیت کریمہ میں بھی اصنام و اوثان کی حالت بیان کی گئی ہے کہ وہ بوجہ جمادات ہونے کے پتھر اور غافل ہیں اور سننے سمجھنے سے عاری اور قدرت و طاقت سے محروم ہیں اور حقیقت میں ملائکہ اور انبیاء و اولیاء ان کے معبود نہیں اگرچہ زرضی صورتیں بنا کر ان پر نام ایسے مقدس ہستیوں کے اطلاق بھی کر دیں اور کسی نے اللہ قرار دے کر ذوی العقول یعنی ملائکہ اور حضرت عیسیٰ اور حضرت عزیر علیہما السلام کو پکارا تو بھی وہ ان سے اس دُعا کی وجہ سے بیزار ہیں اس لیے وہ ان کی کوئی امداد و اعانت نہیں کریں گے کیونکہ ایسے لوگوں کی مدد کرنا گویا ان کے اس عقیدہ پر ان کی تائید و تصدیق ہو جائے گی جبکہ وہ حضرات قطعاً اس کو گوارا نہیں کر سکتے۔

۸۔ اور علامہ آلوسی رحمہ اللہ نے نہ سننے کی متعدد وجوہ بطور احتمال ذکر کی ہیں

انکان المدعو جماداً فظاہر -

اگر معبود و مستعان جمادات ہوں تو نہ سُننا اور غافل ہونا ظاہر ہے لیکن:

اما انکان من ذوی العقول فانکان من المقربین



عند الله فلا شتغاله عن ذلك بما هو فيه من الخير  
او كونه في محل ليس من شان الذي فيه ان يسمع  
دعاء الداعي للبعد كعيسى عليه السلام اليوم اولان  
الله يصون سمعه عن سماع ذلك لكونه مما

لا يرضى ان يوطئه لو سمعه - (رُوح المعاني ج ۲ ص ۲۶)

اگر مستعان ذوی العقول میں سے ہو تو اگر اللہ تعالیٰ کے ہاں مقربین میں سے  
ہے تو پھر یا اس لیے نہیں سُنتا اور متوجہ نہیں ہوتا کہ وہ ان نعمتوں میں مصروف  
و مشغول ہے جو اس کو حاصل ہیں یا وہ ایسے مقام اور محل میں ہے کہ اس میں  
موجود ذات کی شان سے یہ نہیں کہ وہ اتنی دُور سے پکارنے والے کی پکار  
کو سُنے جس طرح کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اس وقت میں۔ اور یا اس لیے  
کہ اللہ تعالیٰ ان کے کانوں کو ان کے بہودہ اقوال کے سُننے سے محفوظ رکھتا  
ہے کیونکہ اللہ پسند نہیں کرتا کہ اس کو سُنا کر رنج و الم میں مبتلا کرے، و  
ان کان من اعداء الله اور اگر مدعو و معبود اور مستعان اللہ تعالیٰ کے اعداء  
میں سے ہے جیسے کہ شیاطین جن اور انس تو اگر مرچکا ہے تو جس عذاب و  
عتاب میں مبتلا ہے اس کی وجہ سے نہیں سُن سکتا نیز فرماتے ہیں:

واعتر بعضهم التغليب من غير تاويل بمعنى انه  
غلب من يتصور منه الغفلة حقيقة على غيره-

(ص ۲۶ جلد ۲۶)

اور بعض نے یہاں تغليب کا اعتبار کیا ہے یعنی جن اشیاء میں درحقیقت



لا علمی اور غفلت اعتبار کی جاسکتی تھی ان کو ذوی العقول پر غلبہ دیکر سمجھی کو بمنزلتہ  
غیر ذوی العقول کے کر دیا گیا اور انہیں کی صفات سے موصوف و متصف قرار  
دے دیا گیا۔

تو اس تقدیر پر بھی حقیقہ ملائکہ اور انبیاء و اولیاء میں غفلت و بیخبری اور  
بے شعوری و لاعلمی لازم نہ آئی بلکہ محض اعتبار اور فرض کے لحاظ سے اور اس  
تغلیب کی وجہ جواز اور امر صحیح یہ ہے کہ الوہیت کا مقصود جو علم اور سمع و  
بصر ہے وہ ممکن کے علم اور سمع و بصر سے مختلف ہے کیونکہ مرتبہ الوہیت میں  
ان کا تحقق بطور اقتضائے ذات کے ہے اور ان کا تخلف اور عدم محال ہے  
جبکہ مرتبہ امکان میں ان صفات کمال کا تحقق بطور اقتضائے ذات نہیں بلکہ  
محض اللہ تعالیٰ کی عطا سے ہے اور عطائی صفات اور ممکنہ کمالات ذاتی  
صفات اور وجودی کمالات کے مقابلہ میں بمنزلہ عدم کے ہیں جیسے کہ حضرت  
سعدی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں : —

ہمہ ہرچہ ہستند ازاں کمتر اند

کہ ہستیش نام ہستی برند

قول باری تعالیٰ :

كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ إِلَّا وَجْهَهُ ط (سورہ قصص آیت ۲۸)

اور قول باری تعالیٰ :

كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ ۝ (سورہ الرحمن آیت ۲۶)

اسی نقصان امکان کی حکایت ہیں لیکن اس سے مقبولان بارگاہِ خداوند تعالیٰ



کی صفات عطائیہ اور کمالاتِ وہبہ کی نفی نہیں ہو سکتی اور نہ سابقہ توجیہات کے لحاظ سے ان کا مرتبہ ذات میں سمع و بصر اور علم و ادراک سے عاری ہونا اور جمادات کی مانند ہونا لازم آیا اور نہ ہر فرد اور ہر شخص کی ندامت و پکار کے لحاظ سے خواہ قریب سے ہی کیوں نہ ہو اور جائز استعانت اور استمداد کے لیے ہی کیوں نہ ہو۔ مزید تحقیق کے لیے جلال الصدور کا مطالعہ فرمادیں۔

## دُعا بمعنی عبادت و استعانت کی صورت!

مفسرین کرام نے وَالَّذِينَ تَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ میں دُعا کا معنی بالعموم عبادت کیا ہے اور یہ حقیقت بھی ناقابل تردید و انکار ہے کہ مشرکین اپنے اصنام و اوثان کی عبادت کرتے تھے جیسے کہ ان سے حکایت کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

نَعْبُدُ أَصْنَامًا فَنَنْظِلُّ لَهَا عَكْفِينَ ۝

(سورة الشعراء آیت ۷۱)

اور ارشاد فرمایا:

مَا نَعْبُدُهُمْ إِلَّا لِيُقَرِّبُونَا إِلَى اللَّهِ زُلْفَى ۝

(سورة الزمر آیت ۳)

وغیر ذلک من الآیات، لہذا دُعا کی تفسیر و تعبیر عبادت سے کرنے پر علماء دیوبند کے چین بچین ہونے اور غم و غصہ ظاہر کرنے کی کوئی وجہ نہیں ہے اور اس کو تحریف قرار دینا اکابر مفسرین پر افتراء اور بہتان ہے۔



## عبادت کو دعائے تعبیر کرنے کی وجہ صحیح

رہی اس تعبیر کی وجہ جواز تو وہ یہ ہے کہ عابد اپنے معبود کو دورانِ عبادت پکارتا بھی ہے جس طرح ہر نماز میں اللّٰهُمَّ وغیرہ استعمال کرتے ہیں تو دعائے پکار عبادت کا جز ٹھہری لہذا اس جز کے ساتھ کل کو تعبیر کرتے ہوئے یَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللّٰهِ فرمادیا گیا جس طرح قرأت نماز میں جزو اور رکن ہے تو نماز کو قرأت کے ساتھ تعبیر کرتے ہوئے فرمایا:

وَ قُرْآنَ الْفَجْرِ إِنَّ قُرْآنَ الْفَجْرِ كَانَ مَشْهُودًا ۝

(سورہ اسرار آیت ۷۸)

اور کہیں رکوع سے اور کہیں سجود سے اور کہیں قیام سے نماز کو تعبیر کیا گیا ہے تسمیۃً للکل باسم الجز اسی طرح یہاں بھی اسی قسم کا مجازی اطلاق مراد ہے ورنہ تمام مفسرین کرام کو قرآن مجید میں تحریف کا مرتکب ماننا پڑے گا جو کسی بھی دانشمند مسلمان کے بھی لائق نہیں ہے۔

## دُعا اور استجابت کے اطلاقات و معانی مستعملہ

نیز جب عبادت کی جگہ دُعا کا لفظ ذکر کیا گیا اور اس کے مناسبات سے ہے جواب دینا اور پکارنے پر مدد کے لیے پہنچنا وغیرہ تو تشریح للمجاز کے طور پر سماع اور اجابت و استجابت کو ذکر فرمادیا گیا، جس طرح کفار کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ہدایت کے لحاظ سے نفع اندوز نہ ہو سکنے



اور دلوں کو ایمان و اعتقادِ خالص کے ساتھ معمور اور آباد نہ کر سکنے کی وجہ سے  
بمنزلہ موتی اور مُردار کے قرار دے دیا گیا۔ قال تعالیٰ :

إِنَّكَ لَا تَسْمِعُ الْمَوْتَىٰ (سورہ نمل آیت ۸۰)

اور مُردہ کیلئے مناسب ہے اس کا قبر میں مدفون ہونا تو انکو اصحابِ قبور  
سے بھی تعبیر کر دیا گیا۔ قال تعالیٰ :

وَمَا أَنْتَ بِمَسْمُوعٍ مِّنَ الْقُبُورِ (سورہ ناطر آیت ۲۲)

اسی طرح یہاں بھی تشریح للمجاز کے طور پر سماع اور اجابت و استجابت  
کا ذکر بھی کیا گیا ورنہ نہ تو اجابت و استجابت نص ہے امداد اور اعانت  
میں اور نہ ہی ہر جگہ دُعا ہی استعانت و استمداد کے معنی میں منحصر ہے۔ اور  
اللہ تعالیٰ نے رسولِ معظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بلائے کی اہمیت اور اس  
بلاؤں پر حاضری کی فرضیت اور لزوم بیان کرتے ہوئے فرمایا :

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اسْتَجِيبُوا لِلَّهِ وَلِلرَّسُولِ إِذَا دَعَاكُمْ  
لِمَا يَحْيِيكُمْ (سورہ انفال آیت ۲۲)

اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ اور رسولِ مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ  
میں حاضری دو اور ان کا حکم مانو جب تمہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بلاویں  
بسبب اس کے کہ وہ تمہیں زندہ کرتے ہیں (قلبی حیات اور ایمانی زیست کیساتھ)  
یہاں پر اللہ تعالیٰ اور رسولِ معظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے دُعا کا  
صیغہ موجود ہے اور مومنین کی طرف سے استجابت کا لیکن نہ دُعا میں استمداد  
و استعانت والا معنی مُراد ہے اور نہ ہی استجیبوا میں امداد و اعانت والا



اور نہ ہی دعا میں عبادت والا معنیٰ مراد ہے اور نہ استجابت میں قبولیت عبادت والا۔ اسی طرح شیطان اور اس کے متبعین کا روزِ قیامت کا معاملہ بیان کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ۷

وَقَالَ الشَّيْطَانُ لَمَّا قُضِيَ الْأَمْرُ إِنَّ اللَّهَ وَعَدَكُمْ  
وَعَدَ الْحَقُّ وَوَعَدْتُكُمْ فَأَخْلَفْتُكُمْ طَوَمَا كَانَ  
لِي عَلَيْكُمْ مِّنْ سُلْطٰنٍ إِلَّا أَن دَعَوْتُكُمْ  
فَأَسْتَجِبْتُمْ لِي ۚ (سُورَةُ اِبْرٰهِيْمِ آيٰتِ ۲۲)

اور بولا شیطان جب فیصل ہو چکا سب کام بیشک اللہ تعالیٰ نے تم کو دیا سچا وعدہ اور میں نے تم سے وعدہ کیا پھر جھوٹا کیا اور میری تم پر کچھ حکومت نہ تھی مگر یہ کہ میں نے بلایا تم کو پھر تم نے مان لیا میری بات کو تو الزام نہ دو مجھ کو اور الزام دو اپنے آپ کو نہ میں تمہاری فریاد کو پہنچوں اور نہ تم میری فریاد کو پہنچو۔

مَا أَنَا بِمُصْرِخِكُمْ وَمَا أَنْتُمْ بِمُصْرِخِيَّ إِنِّي كَفَرْتُ  
بِمَا أَشْرَكْتُمُونِ مِنْ قَبْلُ ط (سُورَةُ اِبْرٰهِيْمِ آيٰتِ ۲۲)

میں منکر ہوں جو تم نے مجھ کو شریک بنایا اس سے پہلے۔

ان کلماتِ طیبات میں شیطان کی طرف دعا کا صیغہ منسوب ہے اور اس کے اطاعت گزاروں کی طرف استجابت کی نسبت کی گئی ہے لیکن نہ شیطان ان کا عابد اور نہ ان سے امداد و اعانت کا طالب اور نہ وہ اس کے معبود اور نہ معین و مددگار، لہذا دعا کا معنی عبادت اور استعانت معنی مجازی ہے اور



محتاج قرار ہے اور چونکہ کفارِ مکہ اور مشرکینِ عرب غیرہ اپنے اوثانِ اصنام کو آئینہ سمجھتے تھے اور ان کی پرستش بھی کرتے تھے اور انہیں کو اپنا معاون و مددگار حقیقی بھی سمجھتے تھے جیسے کہ الوہیت کا تقاضا ہے کہ کمالاتِ ذاتیہ اور استقلال کے طور پر تدبیر و تصرف کی قدرت و طاقت ہو لہذا اس دعا کو عبادت یا استعانت کے معنی میں لینا بالکل درست اور عینِ ثواب ہے لیکن اہل اسلام اور اہل ایمان انبیاء کرام اور اولیاءِ عظام میں نہ الوہیت تسلیم کرتے ہیں اور نہ ہی استقلال اور نہ اللہ تعالیٰ کو ان کی امداد و اعانت کا محتاج مانتے ہیں العیاذ باللہ ، جیسے کہ مشرکین مانتے تھے جیسے کہ :

أَجْعَلُ الْإِلَهَةَ إِلَهًا وَاحِدًا إِنَّ هَذَا شَيْءٌ عَجَابٌ ۝

(سورہ ص آیت ۵)

کی تفسیر و تشریح میں عرض کیا جا چکا ہے بلکہ ان کی نداء و پکار اللہ تعالیٰ کے حضور میں دعا فرمانے اور سفارش و شفاعت کرنے کے لیے ہے اور انکی امداد و اعانت بھی یہی دعا اور شفاعت ہے تو اس دعا کو عبادت سمجھنا اور ان سے سفارش اور شفاعت کے سوال کو من دون اللہ سے استعانت قرار دے کر شرک کا فتویٰ جڑ دینا سراسر تحکم اور سینہ زوری ہے۔ اور صرف اہل ایمان کو شرک بنانے کا شیطانی شوق اور ابلیسی مشغلہ ہے۔

ناجائز استعانت اور دعا و پکار ،

اللہ تبارک و تعالیٰ نے عبادت اور استعانت کے اپنی ذات کے ساتھ



اختصاص کو اپنے چند صفات کمال کے بعد ذکر فرمایا ہے۔ فرمان باری تعالیٰ ہے:

الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ۝ الرَّحْمَنُ الرَّحِيمُ ۝ مَلِكٌ يَوْمَ الدِّينِ ۝

إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ ۝ (سورہ فاتحہ آیت ۲ تا ۴)

جس کا معنی و مفہوم بالکل واضح بھی ہے اور مفسرین کرام اور علماء اعلام نے اس کی تصریح بھی فرمائی ہے کہ جب تک غیر اللہ میں الوہیت، وجوب الوجود ربوبیت، رحمت عامہ تامہ اور قیامت کا مالک و ملک ہونا تسلیم نہ کیا جائے اس کی تعظیم عبادت نہ بنے گی اور جب تک یہ صفات کمال تسلیم کر کے سوال اور التجا نہیں کریں گے استعانت نہیں بنے گی۔ ملائکہ کا سجدہ حضرت آدم علیہ السلام کے سامنے اور حضرت یعقوب علیہ السلام اور ان کی زوجہ محترمہ اور بیٹیوں کا سجدہ حضرت یوسف علیہ السلام کے سامنے تعظیم ہی رہا عبادت نہ بن سکا جبکہ بت پرستوں کا سجدہ اس دور میں بتوں کے سامنے سجدہ عبادت ہی سمجھا گیا اور ان کو مشرک قرار دیا گیا اور بت پرستوں کے بتوں کے سامنے بارشوں کے حصول یا قحط سالی کے دور ہونے کے مطالبات شرک قرار پائے لیکن رسل کرم سے ایسی مشکلات میں دعا کی درخواست اور بذریعہ دعا امداد و اعانت شرک نہ قرار پائی لہذا اس فرق کو نظر انداز کرنا قطعاً روا نہیں ہے اور مسلمانوں کو کافر و مشرک بنانے کا شوق کوئی اسلامی اور ایمانی شوق نہیں قرار دیا جاسکتا بلکہ شیطانی مشغلہ ہی قرار پائے گا۔ اہل قبور انبیاء و اولیاء کو اصنام و اوثان کے کے مماثل ماننا برہمنی اور کافرانہ سوچ ہے۔ برہمن نے جب اہل ایمان سے کہا کہ اگر بظاہر بت عاجز و قاصر ہیں تو بظاہر اہل قبور بھی عاجز و قاصر ہیں اور



اگر تمہارے اہل قبور باطنی قوت سے امداد و اعانت کر سکتے ہیں تو ہمارے  
 بتوں سے بھی بسا اوقات حاجت روائی ہو جاتی ہے، بہر حال جو مقصود  
 تمہارا اہل قبور سے ہے، وہ مقصود ہمارا ان اصنام و اوثان سے ہے تو حضرت  
 شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی نے اس فریب کاری کا پردہ چاک کرتے ہوئے فرمایا:  
 ۱۔ استمداد از اہل قبور بطریق دعا است کہ از جناب الہی عرض کردہ مطلوب  
 ما بر آرد و پرستش این چیز با بنا بر اعتقاد استقلال و قدرت است کہ کفر  
 محض است۔ (فتاویٰ عزیز یہ جلد دوم ص ۱۰۷)

یعنی اہل قبور سے استمداد و دعا کے طریقہ پر ہے کہ بارگاہِ خداوندی میں  
 ہمارے مطالب عرض کر کے حاجت روائی فرمادیں اور اوثان و اصنام میں  
 یہ مقصود نہیں ہو سکتا بلکہ ان کی پرستش ان کو مستقل صاحبِ قدرت سمجھ کر کی  
 جاتی ہے جو کہ کفر محض ہے۔

لہذا اہل قبور اور فوت شدہ انبیاء و اولیاء اللہ سے اہل اسلام کی استعانت  
 اور استمداد کو مشرکین کی اصنام و اوثان کی پرستش اور ان سے استمداد و استعانت  
 پر قیاس کرنا اسلامی سوچ اور فکر نہیں بلکہ برہمنی اور ہندوانہ سوچ ہے بلکہ  
 ان کی طرف سے الزامی اور جدی کارروائی ہے جس کو دانستہ یا نادانستہ طور  
 پر بعض علماء دیوبند نے بھی اپنا لیا ہے۔

## استمداد و استعانت کی جائز صورتیں

۲۔ شیخ اجل شیخ المحققین حضرت شاہ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں



لیت شوی چہ می خواہند ایشان باستمداد و امداد کہ این فرقه منکرانند آزا  
 آنچه مای فہمیم ازاں این است کہ داعی محتاج الی اللہ دعا میکند خدا را و طلب  
 میکند حاجت خود را از جناب عزت و عنایت و سے و توسل میکند بروحانیت  
 این بندہ مقرب و مکرم در درگاہ عزت و سے و میگوید خداوند ابرکت این بندہ  
 تو کہ رحمت کردہ برو سے و اکرام کردہ او را و بلطف و کرے کہ بوسے داری  
 بر آوردہ گردان حاجت مرا کہ تو معطی و کریمی۔

یاندای کند این بندہ مقرب و مکرم را کہ اسے بندہ خدا، اسے ولی  
 و سے شفاعت کن و بخواہ از خدا کہ وہ مسؤل مرا و قضا کند حاجت مرا پس  
 معطی و مسؤل و مامل پروردگار است تعالی و تقدس و نیست این بندہ در میان  
 مگر وسیلہ و نیست قادر و فاعل و متصرف در وجود مگر حق سبحانہ و تعالی و اولیا  
 خداوند تعالی فانی و هالک اند در فعل الہی و قدرت و سطوت و سے و نیست  
 ایشانرا فعل و قدرت و تصرف نہ اکنون کہ در قبور اند نہ در آں ہنگام کہ زندہ  
 بودند در دنیا۔

(اشعۃ اللمعات ص ۳ ج ۳)

کاش میری بصیرت اور فہم و فراست اللہ تعالی اس گروہ کو عطا فرماتا  
 جو کہ اہل قبور سے استمداد و استعانت کے منکر ہیں کہ آخر ان کا مقصود کس قسم  
 کی استعانت و استمداد کا انکار ہے۔ جو کچھ استمداد و استعانت سے ہم سمجھتے  
 ہیں وہ یہ ہے کہ دعا کرنے والا اللہ تعالی کی طرف اپنے احتیاج و افتقار کے  
 تحت اللہ تعالی سے عرض کرتا ہے اور اس کو بارگاہ عزت اور استغناء سے  
 اپنی حاجت طلب کرتا ہے اور اس بندہ مقرب و مکرم سے توسل کرتا ہے



اللہ تعالیٰ کی بارگاہِ عزت میں اور کہتا ہے کہ اے خداوند تعالیٰ اپنے اس بندہ مکرم کے طفیل اور ان کی برکت سے جس کو تو نے اپنی رحمت سے نوازا اور اس کو اعزاز و اکرام بخشا ہے اور بطفیل اس لطف و کرم کے جو تیری طرف سے اس پر ہے میری یہ حاجت بر لا کیونکہ تو ہی عطا کرنے والا کرم فرمانے والا ہے۔

یا اس بندہ مقرب و مکرم کو پکارتا ہے اے اللہ تعالیٰ کے مقبول و مقرب بندے اور اس کے ولی اور محبوب میری شفاعت کرو اور اللہ تعالیٰ سے دعا کرو کہ اللہ تعالیٰ میرا مطلوب مجھے دے اور میری حاجت کو پورا فرمادے۔ پس عطا کرنے والا اور سوال کیا جانے والا اور اُمید و آرزو کا مرکز و محور صرف اور صرف پروردگار تعالیٰ و تقدس ہے اور یہ بندہ مقرب و مکرم درمیان میں محض واسطہ و وسیلہ ہے اور قادر و فاعل اور وجود مطلوب اور ایجاد مسؤل میں متصرف صرف حق سبحانہ و تعالیٰ ہے اور اللہ تعالیٰ کے مقبول و محبوب لوگ اس کے فعل اور قدرت و سطوت میں فانی اور ہالک ہیں اور نہیں ہے ان کے لیے فعل و تاثیر اور نہ قدرت و تصرف حقیقی نہ اب جبکہ قبور میں ہیں اور نہ اس وقت جبکہ دنیا میں ظاہری حیات کیساتھ موجود تھے۔

۳۔ اگر ایسی معنی کہ ذکر کر دیم موجب شرک و توجہ بجا سوائے حق باشد چنانکہ منکر زعم کند پس باید کہ منع کردہ شود توسل و طلب دعا از صالحان و دوستان خداوند در حالت حیات نیز و این ممنوع نیست بلکہ مستحب و مستحسن است باتفاق و شائع است در دین۔



اور اگر استمداد و استعانت کا یہ معنی جو ہم نے ذکر کیا ہے شرک ہے اور من دون اللہ کی طرف توجہ کا موجب ہے جیسے کہ منکرین کا خیال فاسد ہے تو چاہیے کہ صاحبین اور مجبوبانِ خداوند تعالیٰ سے ظاہری حیات میں بھی توسل اور دعا طلب کرنے کو ممنوع قرار دیدیا جائے حالانکہ یہ ممنوع نہیں ہے بلکہ باتفاق علماء اُمت مستحب اور مستحسن ہے دین میں شائع اور معروف و متعارف ہے۔

**نوٹ:** حضرت شیخ محقق کے حوالے سے یہی تحقیق حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے فتاویٰ عزیزیہ میں صفحہ نمبر ۸۸ جلد ۲ پر ذکر فرمائی ہے اور اس تحقیق پر یہ بھی ظاہر ہو گیا کہ حالت حیات اور حالت ممات میں استمداد کے جواز اور عدم جواز میں فرق کرنا علماء اُمت کے نزدیک سراسر لغو ہے۔

## کیا بت پرست بھی اپنے بتوں کو شفع مانتے تھے؟

برہمن کے اس مغالطہ اور فریب کاری کا پردہ چاک کرتے ہوئے حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب فرماتے ہیں :

۴۔ و آنچه بت پرست گفت من ہم از بتان خود شفاعت می خواهم چنانچه شما از پیغمبران و اولیاء شفاعت میخواہید دریں کلام ہم دخل و تبیس است زیرا کہ بت پرستان ہرگز شفاعت نمی خواہند بلکہ معنی شفاعت را نمی دانند و نہ در دل خود تصور می کنند۔

معنی شفاعت سفارش است و سفارش آنست کہ کسے مطلب کے راز غیر خود بعرض و معروف من ادا سازد و بت پرستان در وقت درخواست



مطالب خود از بتاں نمی فہمزد و نمی گویند کہ سفارش ما بحضور پروردگار نماید و مطالب ما را از جناب او تعالی بر آید بلکہ از بتاں خود درخواست مطلب خود میکنند - (فتاویٰ عزیز یہ جلد دوم ص ۱۰۷)

وہ جو بُت پرست نے کہا ہے کہ میں بھی اپنے بُتوں سے شفاعت طلب کرتا ہوں جیسے کہ تم پیغمبروں (علیہم السلام) اور ولیوں سے شفاعت طلب کرتے ہو تو اس کلام میں بھی دھوکہ اور فریب کاری ہے کیونکہ بُت پرست لوگ ہرگز بُتوں سے شفاعت طلب نہیں کرتے بلکہ وہ شفاعت کا معنی بھی نہیں جانتے اور نہ ہی اپنے دل میں اس کا تصور کرتے ہیں۔

شفاعت کا معنی و مفہوم ہے سفارش اور سفارش یہ ہے کہ کوئی شخص دوسرے کا مقصد و مطلب اپنے ماسوا سے عرض و معروض کے ذریعے پورا کرادے اور بُت پرست اپنے مطالب اور حاجات کی درخواست اور طلب کے وقت ہرگز نہ یہ سمجھتے ہیں اور نہ ہی کہتے ہیں کہ پروردگار جل و علی کے حضور ہماری سفارش کیجیے اور ہمارے مطالب و مقاصد اس کی بارگاہ سے پورے کرادے بلکہ وہ اپنے بُتوں سے ہی اپنے مطالب بر لانے کی درخواست کرتے ہیں اور انہی کو حاجت روا اور مشکل کشا سمجھتے ہیں۔

**فائدہ :** حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب کے اس کلام حقیقت ترجمان

سے واضح ہو گیا کہ انبیاء و رسل علیہم السلام اور اولیاء و اصفیاء سے اہل اسلام کی استعانت و استمداد کی حقیقت کیا ہے اور کفار و مشرکین کی اپنے اوثان و اصنام سے استمداد و استعانت کی حقیقت کیا ہے، لہذا دونوں کو ایک قرار دیکر



اہل اسلام کو ابو جہل اور ابولہب جیسا مشرک قرار دے ڈالنا سراسر ظلم و تعدی اور عدوان و طغیان ہے۔

نیز اگر یہ استعانت و استمداد جو اہل السنّت انبیاء و رسل علیہم السلام اور اولیاء معروفین علیہم الرضوان سے کرتے ہیں شرکِ جدید ہے اور قدیم و جدید شرک اور مشرکین میں بقول علامہ سرفراز صاحب ذرّہ بھر فرق نہیں، تو پھر مہربانی فرما کر حضرت شاہ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ پر اور حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی پر اور ایسے ہی عقیدہ والے دیگر حضرات پر بھی شرک کا فتویٰ صادر فرمادیں کیونکہ جو استعانت و استمداد غیر اللہ سے شرک ہو تو اس کو جائز بلکہ مستحب اور مستحسن قرار دینے والے کفر و شرک کو حلال بلکہ مستحب و مستحسن سمجھ کر لا محالہ کافر و مشرک ہو جائیں گے کیونکہ جو عمل کفر و شرک ہو اس کی اباحت اور استحباب کا عقیدہ بھی لا محالہ کفر و شرک ہو گا تو ان دونوں کو مشرک کہنا ضروری ہے بلکہ سب سے بڑے مشرک یہی ٹھہرے جنہوں نے دوسروں کے لیے اس شرکِ صریح کا دروازہ کھولا اور اس کو مستحب و مستحسن قرار دیا، اور بت پرستی والے شہہ اور دوسوسہ کو دور کر کے اہل اسلام کا ڈر خوف اور فکر و اندیشہ ختم کر دیا اور اگر یہاں فتویٰ لگانے کی جرأت نہیں تو دوسرے اہل اسلام کو بھی اپنے اس بے بنیاد فتوے سے معاف رکھیں بلکہ خود ہمسنی سوچ سے باز آئیں اور اس ہندوانہ زعمِ فاسد اور خیالی باطل کو دل و دماغ سے ہمیشہ کے لیے نکال دیں۔



## گلدستہ توحید

### مشرک کے ستون

ما فوق الاسباب طریق پر اُمید نفع اور دفع مُضَرَّتِ کے وقت غیر اللہ کو پکارنا اس لیے شرک ہے کہ شرک کے اصولی طور پر تین ستون ہیں:

۱- پکارنے والے کا یہ عقیدہ ہوتا ہے کہ جس کو میں پکار رہا ہوں وہ میرے حال سے آگاہ ہے اور میری مصیبت کی اس کو خبر ہے یعنی وہ عالم الغیب یا عالم ماکان و مایکون ہے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نیچے دوسروں کو قیامت تک بھی پکارا جائے تو انہیں اس کی خبر نہیں ہو سکتی۔

وہم عن دعاء ہم غفلون

اور ان کو خبر نہیں ان کے پکارنے کی۔

۲- یہ کہ پکارنے والا سمجھتا ہے کہ جس کو میں پکارتا ہوں وہ میری حالت کو دیکھتا اور میری آواز کو سنتا ہے یعنی حاضر و ناظر ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

إِنْ تَدْعُوهُمْ لَا يَسْمَعُوا دُعَاءَكُمْ وَلَوْ سَمِعُوا

مَا اسْتَجَابُوا لَكُمْ (سورہ فاطر آیت ۱۴)

کہ اگر تم ان کو پکارو وہ سنیں نہیں پکار تمہاری اور اگر سنیں تو پہنچ نہ سکیں تمہارے کام پر بھلا دور سے بجز پروردگار کے اور کون سنتا ہے اور پھر کام پورا کر سکتا ہے۔



۳۔ پکارنے والا یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ جس کو میں پکارتا ہوں وہ مجھے نفع دینے اور تکلیف دُور کرنے کا اختیار رکھتا ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وہ جن کو تم پکارتے ہو وہ ذرہ بھر کے مالک نہیں نہ زمینوں میں نہ آسمانوں میں۔ ایک اور جگہ ارشاد ہوتا ہے :

فَلَا يَمْلِكُونَ كَشْفَ الضُّرِّ عَنْكُمْ وَلَا تَحْوِيلاً ۝

(سورہ اسرا آیت ۵۶)

سو وہ اختیار نہیں رکھتے کہ کھول دیں تمہاری تکلیف اور نہ بدل دیں۔

## گلشنِ توحید و رسالت

فوق الاسباب اور تحت الاسباب اور غائبانہ کی تخصیصات کی لغویت

پہلے عرض کیا جا چکا ہے کہ فوق الاسباب اور تحت الاسباب کا فرق بھی لغو اور باطل ہے اور غائبانہ کی پچر بھی لغو اور باطل ہے۔ اگر کوئی قریب موجود غیر اللہ کو اپنا رازق اور حاجت روا سمجھ لے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے اپنے آپ کو بے نیاز سمجھے تو کیا یہ شرک نہیں ہے؟ اگر کوئی اپنے حواس اور مشاعر اور اعضاء اور قومی اور دیگر اسباب کو اپنے مدرکات اور متعلقات میں مستقل موثر سمجھ لے اور دیکھنے اور سُننے وغیرہ میں اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کا محتاج نہ سمجھے تو کیا یہ مُشرک و کافر نہیں ہوگا؟ کوئی پیاں بھجانے میں پانی کو اور بھوک دُور کرنے میں طعام کو اور بیماری دُور کرنے میں دوا کو مستقل موثر سمجھے اور اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کا ان امور میں محتاج نہ سمجھے



تو کیا وہ مشرک اور کافر نہیں ہوگا؟ ہمارا ایمان و عقیدہ تو یہی ہے کہ ان اشیاء کو مستقل موثر اور علتِ تامہ سمجھنے والا کافر و مشرک ہے اور جو موثر حقیقی صرف اللہ تعالیٰ کو سمجھے اور ان امور کو اسبابِ عادیہ اور وسائل اور وسائلِ سمجھے صرف وہی مومن و موحد ہے۔

سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قیلولہ فرما رہے تھے اور صحابہ کرام دُور درختوں کے نیچے آرام فرما رہے تھے کہ ایک کافر شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سراقدس پر جا کھڑا ہوا اور آپ کی تلوار میان سے نکال کر لہراتے ہوئے کہا، من یمنعک منی۔ اب تمہیں میرے ہاتھ سے کون بچا سکتا ہے تو آپ نے فرمایا میرا اللہ! اتنا فرمانا تھا کہ تلوار کافر کے ہاتھ سے گر گئی اور وہ لرزہ بر اندام ہو گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تلوار اپنے ہاتھ میں لے کر لہرائی اور فرمایا من یمنعک منی۔ اب تجھے میرے ہاتھ سے کون بچا سکتا ہے تو اس نے کہا بس آپ ہی کرم کر یا نہ اور درگزر سے کام لو تو بچ سکتا ہوں ورنہ نہیں جیسے کہ بخاری و مسلم کی متفق علیہ روایت میں ہے اور مسند امام احمد اور صحیح ابوبکر اسمعیلی میں مروی و منقول ہے :

فقال من یمنعک منی قال اللہ فسقط السیف من یدہ فاخذ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم السیف فقال من یمنعک منی فقال کن خیراًخذ۔ وفی روایۃ ابن اسحاق دفع جبریل فی صدرہ فوق السیف من یدہ فاخذہ النبی فقال من یمنعک انت منی



قال لا احد قال قم فاذهب لشانك -

(مشکوٰۃ مع تنفیح الرواة جلد رابع ص ۳۶ باب التوکل)

اگر تحت الاسباب اور فوق الاسباب کا کوئی فرق نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر میں بھی ہوتا تو کافر کی منت و سماجت فرماتے اور عفو و درگزر کا مطالبہ کرتے جس طرح کہ اس نے اپنی ہلاکت آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تحت الاسباب دیکھی تو منت و سماجت کرنے لگا مگر نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی موت اور شہادت کو اس وقت بھی تحت الاسباب نہ سمجھا اور اللہ تعالیٰ پر نظر رکھی لہذا تحت الاسباب اور فوق الاسباب کا فرق سراسر غلط ہے حقیقی مؤثر اور مدبّر و مستصرف صرف اور صرف اللہ تعالیٰ ہے اور جس طرح ظاہری اسباب اشیاء کے ہوتے ہیں باطنی اسباب بھی ہوتے ہیں۔ جہاں مادی اسباب موجود ہوتے ہیں روحانی اسباب بھی موجود ہوتے ہیں جس طرح شاہ عبدالعزیز قدس سرہ کے حوالے سے گزر چکا کہ استمداد و استعانت دو طرح پر ہوتی ہے۔

۲۔ پہلی جیسے نوکر اور گدا امیر اور بادشاہ سے طلب کرتے ہیں اور عوام الناس اولیاء کرام سے دُعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ سے ہمارے فلاں مقصد کے لیے دُعا کر کے وہ کام کرا دیں اور یہ استعانت شرع شریف میں زندہ اور فوت شدہ دونوں سے جائز ہے۔

۳۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں العین حق، نظر بد برحق ہے۔ اگر یہ نظر بد لوگوں کے نقصان و ضرر کا سبب ظاہری ہے اور مادی اور طبعی سبب



ہے تو ولی کامل اور محبوب خداوند تعالیٰ کی نظر نفع کا سبب باطنی بھی ہو سکتی ہے۔ اگر حسد کی زہر آلود نگاہ کسی جانور کی منفعت ختم کر دے اور حسین جمیل شئی کو ہلاکت کے قریب پہنچا دے تو اس کے برعکس ولی کی نظر اس منفعت کو بحال کر دے اور ہلاکت سے بچالے کیا یہ ممکن نہیں ہے۔ اگر یہ بشر تحت السبب ہے تو اس کا مقابل خیر بھی تحت السبب ہے۔

۴۔ علامہ علی قاری رحمہ اللہ مرقات شرح مشکوٰۃ میں فرماتے ہیں :

فكيف نظر الولي حيث يجعل الكافر مومنا  
والفاسق صالحا والجاهل عالما والكلب انسانا۔

تو نگاہ ولی کی کیا شان ہے جو کافر کو مومن اور فاسق کو صالح و پرہیزگار اور ناقص کو کامل، جاہل کو عالم بلکہ کتے کو انسان بنا دیتی ہے اور کیوں نہ ہو جبکہ وہ نور خداوند تعالیٰ کے ساتھ منور ہوتی ہے۔

فاذا اجته كنت سمعه الذي يسمع به و

بصره الذي يبصر به - (بخاری شریف جلد ثانی باب التواضع ص ۹۶۳)

الغرض اسباب ظاہرہ ہوں یا باطنیہ مادی ہوں یا روحانی دوائیں ہوں یا غذائیں اور حکیم و ڈاکٹر ہوں یا حکام و امراء اور انبیاء و رسل ہوں یا اولیاء و اصفیاء۔ یہ سب حقیقی مؤثر اور حقیقی مدبر و متصرف نہیں حقیقی مؤثر و متصرف صرف اللہ تعالیٰ ہے اور باقی سب اس کے امر اور اذن سے ہی تاثیر کرتے ہیں اور تصرف و تدبیر بھی۔ کوئی دوائی کو مستقل مؤثر سمجھے تو بھی مشرک و کافر اور جادو اور نظر بد کو مستقل مؤثر سمجھے تو بھی مشرک و کافر اور نبی و ولی کو بھی مستقل



موتّر سمجھے تو بھی مشرک و کافر! ۷

حاکم حکیم داد و دوا دیں یہ کچھ نہ دیں

مردود یہ مراد کس آیت خبر کی ہے

## علامہ سرفراز کے شرکی ستونوں کی حقیقت

علامہ صاحب نے شرک کے جو ستون گنوائے ہیں اب صرف انکے متعلق عرض کرنا ہے کہ کیا ان میں سے ہر ایک مستقل ستون ہے یا تینوں باہم مل کر۔ اگر پہلی شق مراد ہوتی تو استمداد و استعانت میں ان کو شامل کرنے کی ضرورت نہ تھی اکیلی ہی استمداد و استعانت من دون اللہ سے شرک قرار پاتی جب وہ شرک صرف اس صورت میں ہوتی جب اس من دون اللہ کو عالم الغیب اور حاضر و ناظر سمجھا جائے تو معلوم ہوا عالم الغیب اور حاضر و ناظر سمجھے بغیر کسی غیر اللہ کو بیشک مستقل موتّر اور مدبر و متصرف سمجھ لیا جائے وہ کفر و شرک نہیں بلکہ جائز اور عین صواب ہے۔ پانی کو پیاس بجھانے میں، روٹی کو بھوک دور کرنے میں، دوا کو شفا دینے میں اور نظر بد اور جادو کو نقصان و ضرر کی علت تادمہ سمجھ لیا جائے اور اللہ تعالیٰ کا اس میں تصرف و تدبیر اور ایجاد و تاثیر کا بیشک انکار کر دیا جائے تو یہ عین اسلام ہوگا اور روح ایمان نعوذ باللہ حالانکہ اس عقیدہ کا بطلان کسی ہوشمند انسان پر مخفی نہیں ہے۔

علامہ علی قاری مرقات شرح مشکوٰۃ میں فرماتے ہیں:

اذا الاشياء لا تعمل بطبعها فلا الملايروى ولا



یشبع ولا النار تحرق - (ص ۱۵ ج ۱)

کیونکہ اشیاء اپنی طبیعت کے لحاظ سے عال و موثر نہیں ہوتیں لہذا نہ پانی سیراب کرتا ہے اور نہ روٹی سیر کرتی ہے اور نہ ہی آگ جلاتی ہے (بلکہ اللہ تعالیٰ کے امر سے ہی سببِ تاثیر ہوتی ہیں)۔

اور اگر دوسری شق مراد ہے تو پھر استمداد و استعانت طلب کیے بغیر کسی نبی و ولی کو یا دوسرے فرد کو بیشک عالم الغیب اور حاضر و ناظر سمجھ لیا جائے تو کفر و شرک لازم نہیں آنا چاہیے حالانکہ ملت دیوبندیہ کے لیے یہ قطعاً قابل قبول نہیں ہے تو پھر تینوں کے مجموعہ کو بھی شرک کے ستون اور مدار قرار دینا سراسر غلط ٹھہرا بلکہ دیوبندی نقطہ نظر کے مطابق بے دینی و بے ایمانی اور کفر و شرک تو پھر علامہ صاحب کی یہ منطق سراسر لغو اور باطل ٹھہری۔

## شرک کے سلسلے ہمارا عقیدہ

شرک اس صورت میں محقق ہوتا ہے جب کسی بھی غیر اللہ کو اللہ تعالیٰ کی صفت میں شریک ٹھہرایا جائے تو جس طرح کی صفت اللہ تعالیٰ کی ہے اسی قسم کی غیر میں مانو تو شرک ہے ورنہ شرک نہیں۔ اللہ تعالیٰ کا حاضر و ناظر ہونا، عالم الغیب ہونا اور قدرت و قوت اور تدبیر و تصرف ذاتی صفات ہیں اور غیر میں ان کا وجود و تحقق اللہ تعالیٰ کی عطا سے ہے۔ لہذا عطائی صفات ذاتی صفات و کمالات کے مقابل کا عدم ہوتے ہیں اس لیے یہاں شرک و کفر کا ارتکاب ہرگز نہیں ہو سکتا۔ اگرچہ اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کو اپنی صفات کے منظر



کے طور پر پیدا کیا ہے چہ جائیکہ اولیاء و انبیاء علیہم السلام۔

علماء دیوبند نے ملک الموت علیہ السلام اور ابلیس لعین کے لیے علم محیط زمین کا تسلیم کر لیا۔ اور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علم سے ملک الموت کا علم زائد تسلیم کر لیا۔ اگر ان کا یہ عقیدہ شرک نہیں کیونکہ انہیں یہ وسعتِ علم اور احاطہ اللہ تعالیٰ نے بخشا ہے تو ہمارے اوپر بھی شرک کا فتویٰ لگانے کا کوئی جواز نہیں کیونکہ ہمارا عقیدہ بھی یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حبیبِ مکرم سیدِ محبوبین صلی اللہ علیہ وسلم کو جملہ مخلوق سے ہر کمال اور وصفِ حسن میں تفوق اور برتری بخشی ہے اور امتیازی شان سے نوازا ہے۔ قدرت و طاقتِ عفریت میں بھی اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ تھی جس کے بل بوتے پر اس نے تخت لانے پر قدرت و غلبہ کا دعویٰ کرتے ہوئے کہا انی علیہ لقوی امین اور قدوات و طاقت حضرت آصف بن برخیا میں بھی اللہ تعالیٰ کی پیدا کردہ تھی مگر محبوب اور ولی کو اللہ تعالیٰ نے قوت و طاقت بہر حال زیادہ بخشی تھی۔

علوم و ادراکات ملائکہ اور جنات میں بھی تھے لیکن اپنے خلیفہ حضرت آدم علیہ السلام کو ان سے علم و ادراک میں برتری بخشی اور ان کو سلامِ عقیدت کے لیے سر بسجود ہونے کا حکم دیا تو خلیفۃ اللہ فی الخلیفۃ علی الاطلاق فی السبع

۱۔ علامہ خلیل احمد انبیٹھوی نے براہین قاطعہ میں لکھا اور علامہ رشید احمد گنگوہی نے اس کتاب کا حرفِ برون مطالعہ کر کے تصدیق کی ہے۔ الحاصل غور کرنا چاہیے کہ شیطان اور ملک الموت کا حال دیکھ کر علم محیط زمین کا فخرِ عالم کو خلافِ نصوصِ قطعیہ کے بلا دلیل محض قیاسِ فاسدہ سے ثابت کرنا شرک نہیں تو کونسا ایمان کا حصہ ہے شیطان و ملک الموت کو یہ وسعتِ نص سے ثابت ہوتی۔ فخرِ عالم کی وسعتِ علم کی کونسی نص قطعی ہے کہ جس سے تمام نصوص کو رد کر کے ایک شرک ثابت کرتا ہے، (تا) پس اعلیٰ علیین میں روح مبارک علیہ السلام کا تشریف رکھنا اور ملک الموت سے افضل ہونے کی وجہ سے ہرگز ثابت نہیں ہوتا کہ علم آپ کا ان امور میں ملک الموت کے برابر ہو چہ جائیکہ زیادہ (براہین قاطعہ ص ۵۱-۵۲)



الطباق سید السادات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علم و ادراک اور سمع و بصر اور قدرت و طاقت کے ساتھ دوسری مخلوق کی کیا برابری ہو سکتی ہے؟ بلکہ ملائکہ اور انبیاء علیہم السلام جن کے خداداد کمالات میں برابری اور ہمہری نہ کر سکیں انہیں بے جان مورتیوں اور مجسموں پر قیاس کرنا اور بے علم و بے شعور اور عاجز و بے بس ثابت کرنا کس قدر گندی اور غلیظ سوچ ہے اور کس قدر بے ادبی اور گستاخی کا ارتکاب ہے۔ حالانکہ علماء دیوبند کے اکابر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور جملہ انبیاء علیہم السلام کی حیات کے قائل اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اعمال کے پیش کیے جانے کے قائل اور قبر النور پر صلوٰۃ و سلام اور عرس و معرین سننے کے قائل۔ تو پھر غافل و بیخبر ہونے اور قیامت تک نہ سن سکنے وغیرہ کے دعوے کرنا کس قدر غلیظ اور گندہ عقیدہ ہے جو کہ اپنے اسلاف کو بھی گمراہ اور بے دین قرار دینے کے مترادف ہے۔

## ایں گلِ دیکر شکفت

آپ نے علامہ سرفراز صاحب کا یہ جملہ بھی پڑھا ہوگا، ”بجلا دور سے بجز پروردگار کے کون سُنتا ہے؟“ تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ دور ہے تو پھر اس کو حاضر ماننا غلط ہو گیا لہذا علامہ صاحب نے انبیاء و رسل اور اولیاء و اصفیاء کے بغض و عناد میں اللہ تعالیٰ کے حاضر و ناظر ہونے والی صفت کا بھی انکار کر دیا اور علماء دیوبند کو نئی مصیبت میں پھنسا دیا کہ اللہ تعالیٰ حاضر و ناظر ہے تو دور سے سُنتا اس کی خصوصیت کیسے ہوئی اور اگر

علیہم السلام۔



دُور ہے تبھی دُور سے سُنتا ہے تو پھر حاضر و ناظر ہونا اس کی صفت ہی نہ رہی  
چہ جائیکہ اس کی خصوصیت ہو اور غیر کو حاضر و ناظر ماننا شرک ہو بلکہ صرف  
ملک الموت علیہ السلام یا شیطان ہی ان کے نزدیک حاضر و ناظر رہ گئے۔  
إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ ۝ (سورہ بقرہ آیت ۱۵۹)

## کیا اللہ تعالیٰ دُور ہے؟

نیز سرفراز صاحب کہتے ہیں اللہ تعالیٰ دُور ہے۔ جبکہ اللہ تعالیٰ  
فرماتا ہے :

وَإِذَا سَأَلَكَ عِبَادِي عَنِّي فَإِنِّي قَرِيبٌ ۝

(سورہ بقرہ آیت ۱۸۶)

جب میرے بندے آپ سے میرے متعلق سوال کریں تو انہیں فرمادیں  
کہ میں قریب ہوں۔

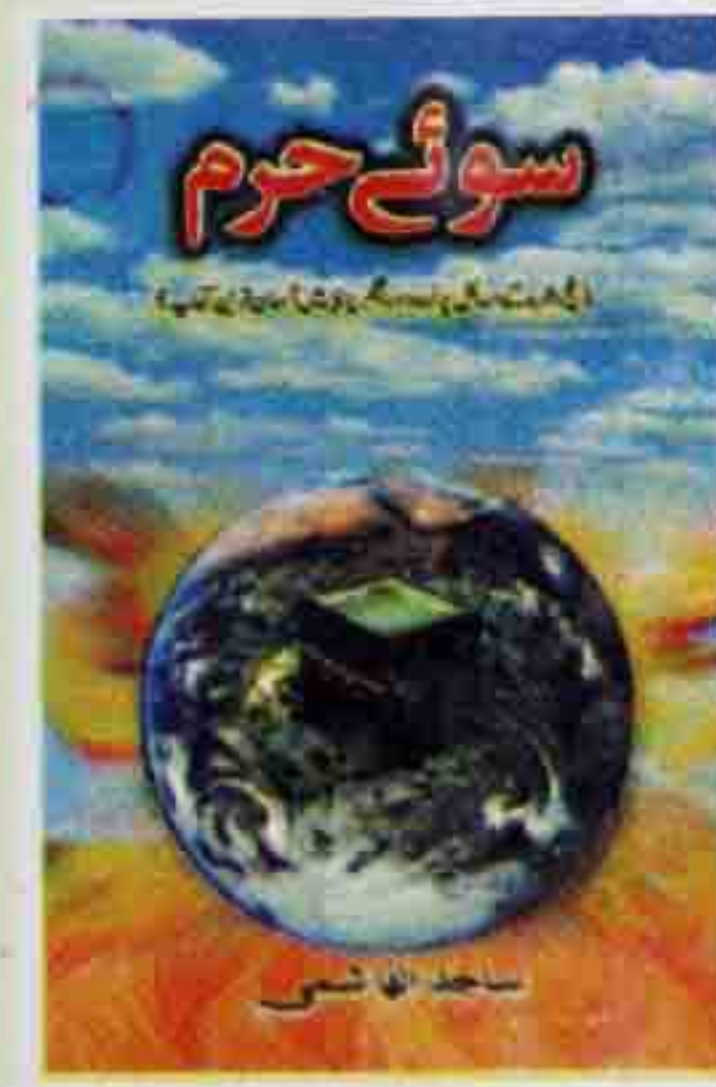
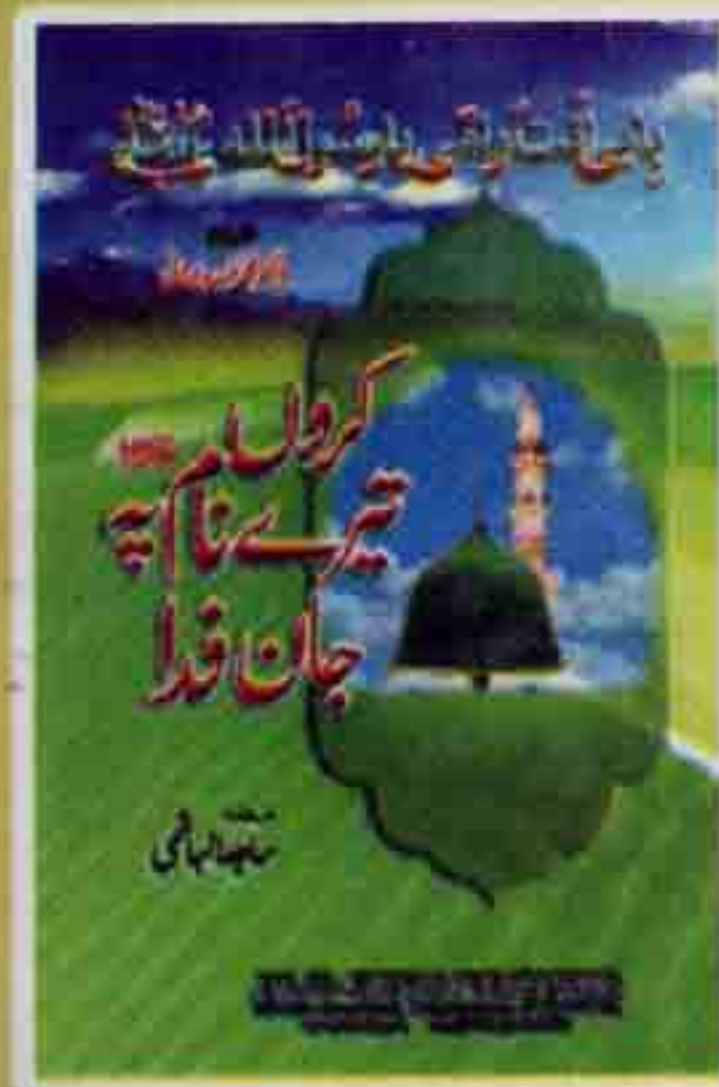
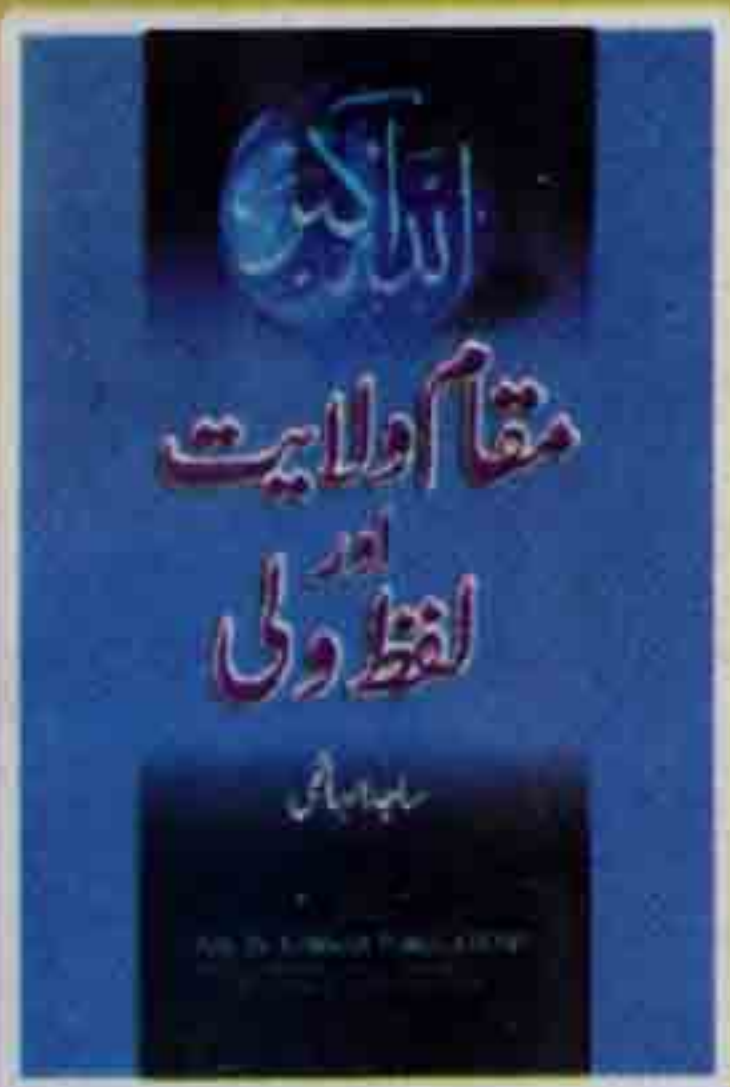
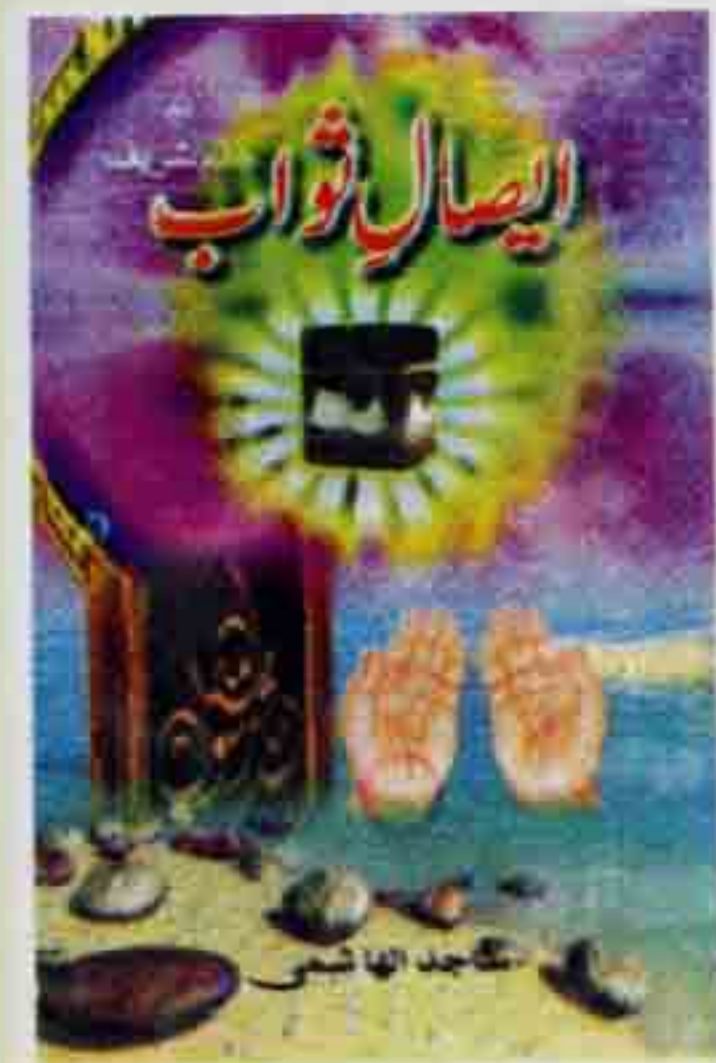
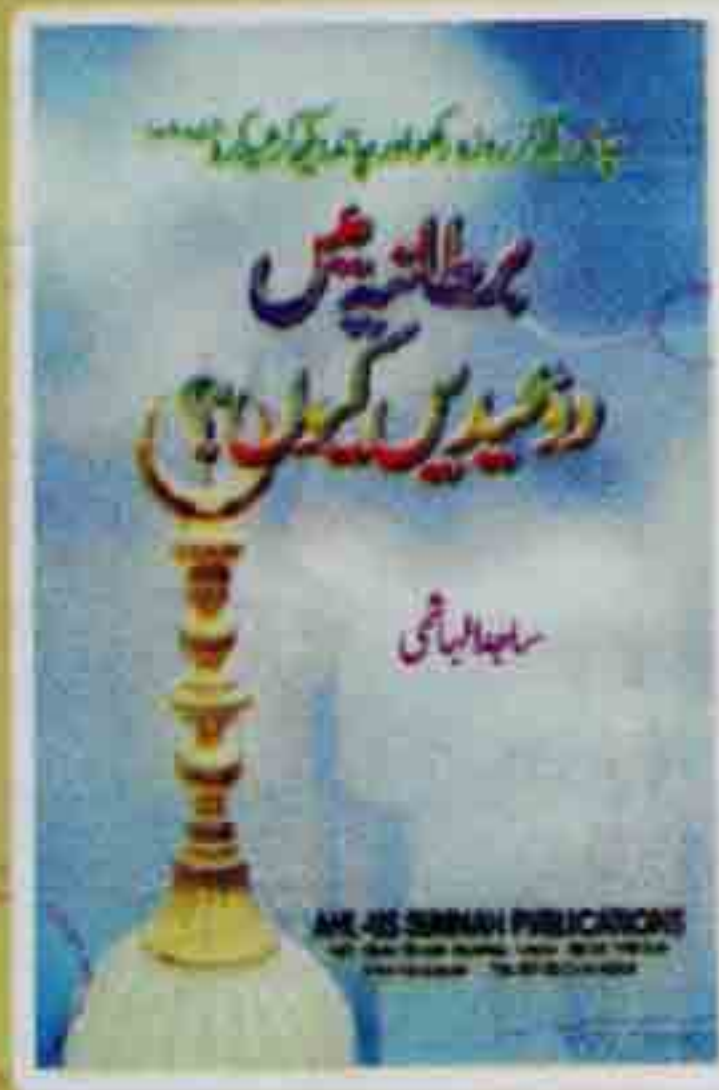
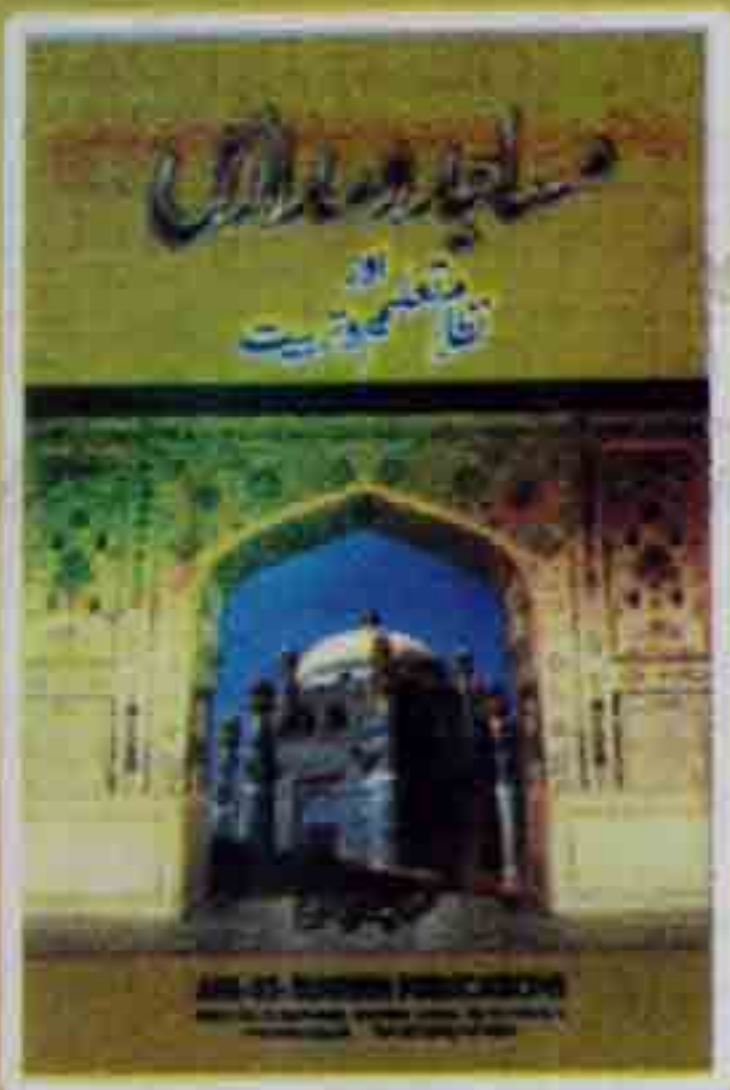
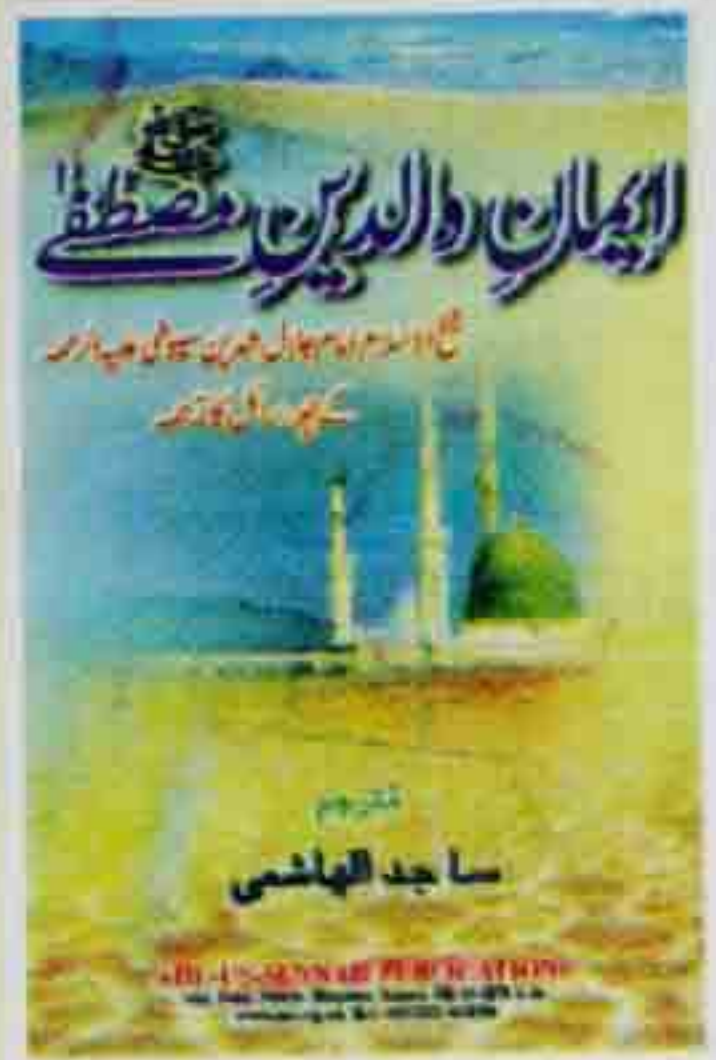
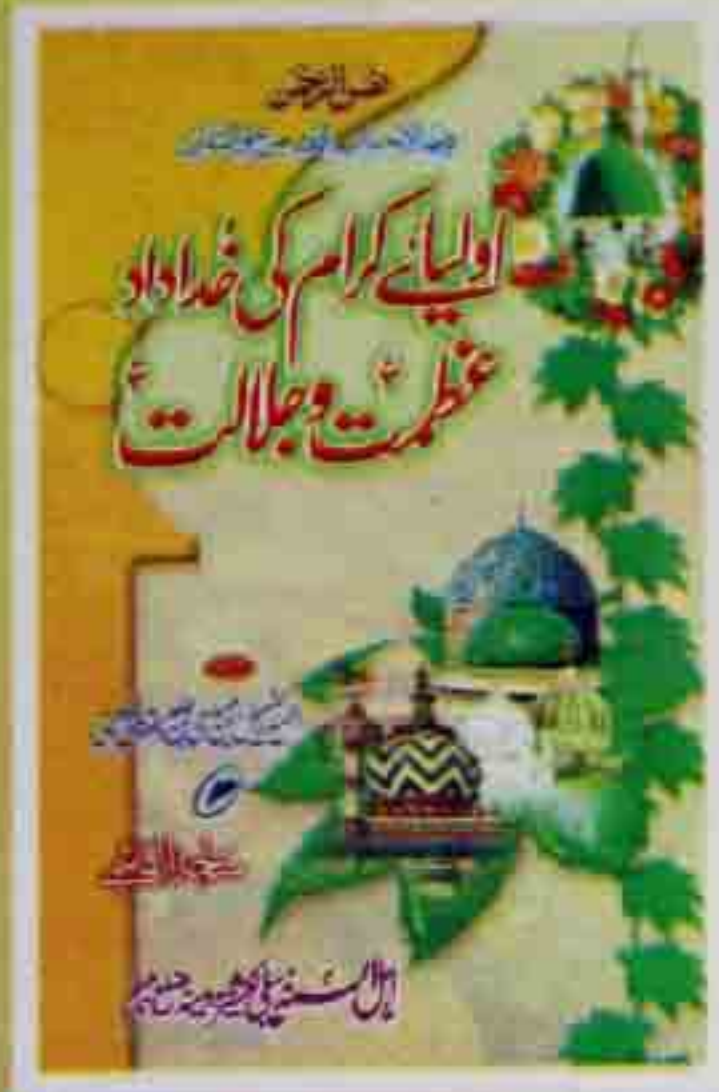
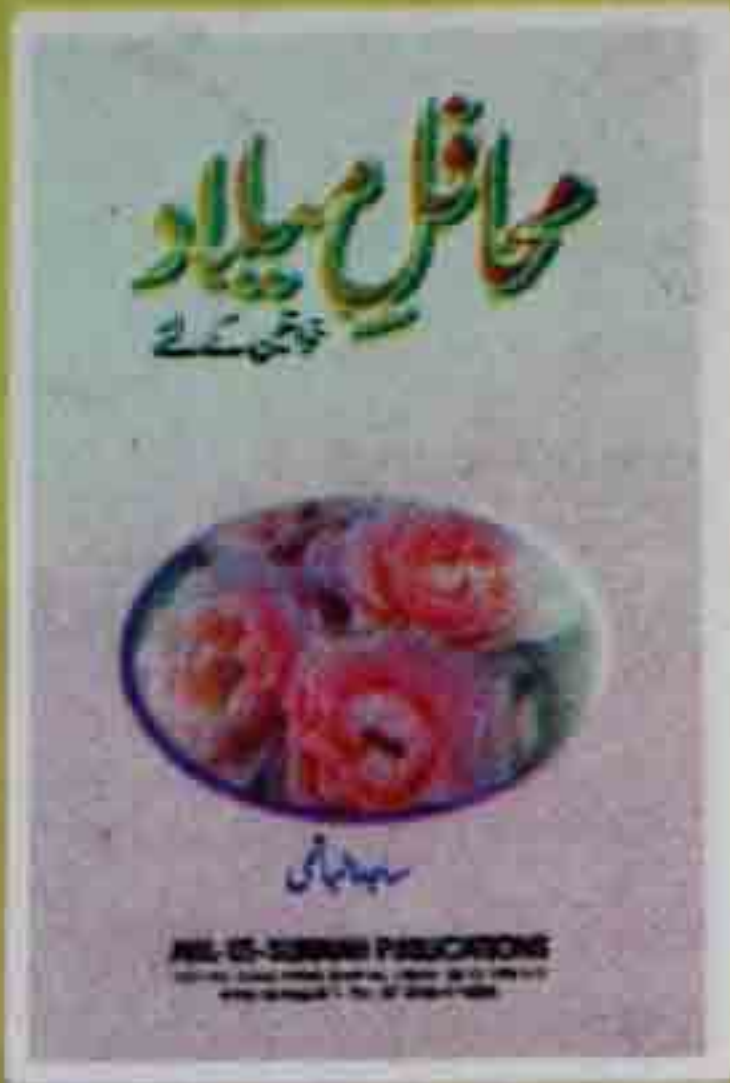
فرمانِ باری تعالیٰ ہے :

مَنْ حَبَّلَ أَخْرَبَ إِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ نُورٍ ۝

(سورہ ق آیت ۱۶)

ہم بندے کی شاہ رگ سے بھی اس کے زیادہ قریب ہیں۔  
تو علامہ سرفراز صاحب نے اللہ تعالیٰ کو بھی جھٹلا دیا اور قرآن مجید کو  
بھی جھٹلا دیا۔





اہل سنت و جماعت کی ساری کوششیں دینہ ضلع جہلم

Phone: 0541-634759